اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیشکش

آثار التشریع

المسمّٰی بہ

آثار الفقہ الإسلامی

جلد اوّل

ضرورت فقہ	مقام فقہ	الموافقۃ بین الحدیث والفقہ	
حقیقت فقہ	اساس فقہ	درجہ فقہ	دائرہ فقہ
تدوین فقہ	موضوع فقہ	اتباع فقہ	تاریخ اتباع فقہ
حقیقت تقلید	تاریخ تقلید	تاریخ ترک تقلید	سلفی کی اصطلاح
جیسے اہم عنوانات پر عصر حاضر کا فاضلانہ شاہکار ہے			

تالیف

جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب مدظلہم

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

آثار التشریع

جلد اوّل

علامہ خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادرِ علمی پیش کش

آثار التشریع

المسمّٰی بہ

آثار الفقہ الإسلامی

جلد اوّل

ضرورت فقہ	مقام فقہ	الموافقہ بین الحدیث والفقہ	
حقیقت فقہ	اساس فقہ	درجۂ فقہ	دائرۂ فقہ
تدوین فقہ	موضوع فقہ	اتباع فقہ	تاریخ اتباع فقہ
حقیقت تلفیق	تاریخ تقلید	تاریخ ترک تقلید	سلفی کی اصطلاح
جیسے اہم عنوانات پر عصر حاضر کا فاضلانہ شاہکار ہے			

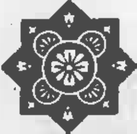
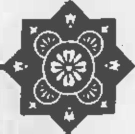
تالیف

جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

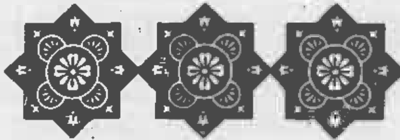



نام کتاب ________ آثارالتشریع (جلداول)

مؤلف ________ ڈاکٹر علامہ خالد محمود (ازمانچسٹر)

صفحات ________ ۴۸۸

ناشر ________ دارالمعارف۔
الفضل مارکیٹ، اُردو بازار لاہور



دارالمعارف
الفضل مارکیٹ، اُردو بازار لاہور




فہرست مضامین

عنوانات | صفحہ

اسلام میں تشریع کا آغاز

ضرورت الفقہ

مقام فقہ

حقیقۃ الفقہ

اساس الفقہ

درجہ فقہ

دائرۃ الفقہ

تقلید کی تعریف

موضوع فقہ

تاریخ اتباع فقہ

تاریخ ترک تقلید

تقلید کے بعد تلفیق

المصیب فی الاجتہاد

وسعت مذاہب الفقہ

توحید مذاہب الفقہ

سلفی کی اصطلاح
اور اس کا علمی جائزہ



الاعتذار

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

کس زبان سے اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں کہ اس نے تمیں سال پہلے کی اس علمی امانت کو منصۂ شہود پر لانے کی توفیق بخشی حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم نے جب یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے آثار التنزیل اور آثار الحدیث لکھی تھیں تو ساتھ ہی آپ نے آثار الفقہ پر بھی کچھ مضامین سپرد قلم کیے تھے لیکن طرح طرح کی مصروفیتوں اور تسلسل اسفار کے باعث آپ انہیں ایک باقاعدہ کتاب کے طور پر ترتیب نہ دے سکے۔ طلبہ اور علماء کو شدت سے آپ کی اس کتاب کا انتظار تھا اور راقم الحروف اس احساس ضرورت اور طلب اشاعت میں سب سے آگے رہا۔

مجھے حضرت موصوف کے علمی مضامین کو جمع کرنے کا بچپن سے شوق رہا ہے۔ میں نے ماہنامہ الرشید ساہیوال، الخیر ملتان، خدام الدین لاہور اور دارالعلوم دیو بند میں آپ کے فقہ سے متعلق کچھ اور مضامین بھی دیکھے، الہلال مانچسٹر میں بھی آپ کے اس موضوع پر کچھ قیمتی مضامین چھپے۔ میں نے آپ سے گذارش کی کہ یہ مضامین بھی ایک علمی تسلسل میں جمع کیے جائیں اور ان مضامین کو ایک جامع کتاب آثار کی صورت میں سامنے لایا جائے اس سے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ کو مطالعہ اسلامیات میں کافی مدد ملے گی۔ اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ آپ نے احقر کی اس تجویز کو قبول فرمایا اور احقر کو ان کے جمع وتالیف کی اجازت دی۔

کتاب ہذا اصلاً ایک کتاب نہیں یہ حضرت علامہ صاحب کے ان مختلف رسائل اور مضامین کا مجموعہ ہے جو آپ نے مختلف اوقات میں لکھے اور وہ پاکستان اور ہندوستان کے مختلف جرائد میں چھپے۔ یہ علمی جواہر پارے حضرت موصوف کے بیاض میں منتشر اور متفرق تھے اور دل چاہتا تھا کہ جس طرح حضرت موصوف کے حدیث پر مضامین آثار الحدیث میں ایک جگہ آگئے ہیں آپ کے فقہ پر لکھے گئے مضامین بھی آثار التشریع کے طور پر

ایک جگہ جمع ہو جائیں احقر نے اس کام کے لیے قدم بڑھایا اور جہاں جہاں سے جو جو مضامین ملتے گئے احقر انہیں یکجا کرتا گیا اور حضرت کے سامنے پھر انہیں کتاب بنا کر پیش کر دیا۔

اڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری پڑی ہے داستاں میری

ایک کتاب اور ایک مجموعہ مضامین میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ کتاب میں ایک بات بس ایک دفعہ آتی ہے اور مجموعہ مضامین میں ہر کتاب اپنے مضامین میں مستقل ہوتی ہے اور تکمیل مضمون میں بعض وہ مضامین بھی آجاتے ہیں جو دوسرے کسی عنوان میں بھی زیر بحث رہے ہوں اور بادی النظر میں یہ بعض مضامین کا تکرار محسوس ہوتا ہے۔

اس کتاب میں بھی شاید آپ یہ فرق محسوس کریں لیکن اگر آپ حدیث وفقہ کی کتابوں کو سامنے رکھیں تو آپ کو ان میں بھی یہی انداز ملے گا صحیح بخاری کو ہی لیجیے ایک روایت اس میں کئی کئی مقامات پر روایت ہوئی ملتی ہے صحیح بخاری میں جگہ جگہ بین السطور اشارات ملتے ہیں کہ یہ حدیث فلاں فلاں صفحات پر بھی گزر چکی ہے۔

حضرت امام بخاری ترتیب ابواب کے لیے تقطیع حدیث جائز سمجھتے ہیں اور جو حصہ آپ کسی مقام کے مناسب سمجھتے ہیں اُسے وہاں روایت کر دیتے ہیں۔

فقہی مضامین کی اساس حدیث پر ہے جس طرح ایک حدیث کئی کئی ابواب میں زیر بحث آجاتی ہے فقہ میں بھی بسا اوقات ایک اصول کی جھلک کئی کئی ابواب میں دیکھی جاتی ہے۔ فقہ کا مطالعہ اصول فقہ کے تحت کیا جائے تو اس میں مضامین کا تکرار اور پھر جگہ جگہ ان اصولوں کا انطباق اس جمع وتالیف کا جزو لازم نظر آتا ہے۔

حضرت علامہ صاحب کے یہ مضامین مختلف پیرایوں میں سامنے آئے ہیں اور آپ اس میں صحیح بخاری کے اسلوب پر چلے ہیں۔ امام بخاری جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت لاتے ہیں تو اسے سند کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور جب آپ فقہاء (جیسے امام حسن بصری، امام ابراہیم نخعی، علامہ شعبی اور امام حماد بن ابی سلیمان وغیرہم) کے اقوال لاتے ہیں تو آپ انہیں اپنی متصل سند سے بیان نہیں کرتے۔ آپ نے ہر روایت اور ہر قول کو اس کے متوازن درجہ میں رکھا ہے۔

حضرت علامہ صاحب نے بھی جہاں مسائل کی اصولی حیثیت سے بحث کی ہے

وہاں آپ نے کتاب وسنت سے قوی استدلال کیا ہے اور جہاں کتاب وسنت کے ان اصولوں کی تگ وتاز ہے، وہاں آپ نے فقہاء ومحدثین کی تصریحات ان کے شخصی اعتماد پر پیش کی ہیں۔

حضرت علامہ صاحب کے مسودات میں بیشتر عربی عبارات بغیر ترجمہ کے درج تھیں۔ احقر نے کوشش کی ہے کہ ساتھ ساتھ ان کے ترجمے لکھ دوں عربی عبارات کے ترجمہ میں احقر نے لفظی رعایت نہیں کی ایک مفہوم کو آزاد ترجمے میں سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

ایک کتاب کے مختلف اڈیشنوں کا استعمال:

یہ مضامین چونکہ ایک وقت کے لکھے ہوئے نہیں مختلف وقتوں میں مختلف ضرورات کے تحت لکھے گئے۔ اس لیے آپ نے ان میں ایک کتاب کے مختلف اڈیشنوں کو استعمال کیا ہے سو اگر آپ کو کچھ حوالے ایک اڈیشن کے مطابق ملیں اور دوسرے حوالے اس ایڈیشن کے ان صفحات میں نہ ملیں تو اس سے پریشان نہ ہوں وہ حوالہ جات اس ایڈیشن کے دوسرے صفحات میں ملیں گے۔ اور ان شاء اللہ آپ کوئی حوالہ خلاف واقعہ نہ پائیں گے۔

قرآن کریم میں بھی کئی ایک واقعات مختلف مقامات پر مختلف پیرایوں میں بیان ہوئے ہیں اور ہر جگہ تعبیر میں کچھ اختلاف ہے لیکن اسے ہم تکرار نہیں کہتے۔ یہ مضامین تاسیس کے طور پر مختلف مقامات پر دُہرائے گئے ہیں۔

حضرت علامہ صاحب نے بھی قرآن وحدیث کے اس اسلوب کے مطابق بعض اہم مضامین بہ پیرایہ تاسیس دہرائے ہیں قارئین سے درخواست ہے کہ وہ انہیں اسی پیرایہ میں مطالعہ فرمائیں۔

یہ کتاب اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی ایک علمی تاریخ اور تحقیقی پیش کش ہے اُسے کوئی فرقہ وارانہ اور مناظرانہ پیرائے کی کتاب نہ سمجھا جائے حضرت علامہ صاحب نے طلبہ کے لیے فقہی اختلافات کو ان کے اصولوں اور نتائج کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے آپ اس میں کسی فریق کی تائید یا تردید نہیں کرتے طلبہ کے ذہن کو روشن کرنے کے لیے فقہی اختلافات کو ان کی اصل صورت میں سامنے کر دیتے ہیں۔

مؤلف اپنی اس علمی کاوش میں کہاں تک کامیاب ہے اس پر قبل از وقت کچھ نہیں کیا جاسکتا لیکن جو طالب علم یا عالم بھی اس کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرے گا وہ یقیناً اس نتیجہ

میں ہمارا ساتھ دے گا کہ حضرت علامہ صاحب نے دقیق علمی مباحث کو جس آسان اور تحقیقی پیرائے میں ہدیہ ناظرین کیا ہے وہ آپ کا ہی حصہ ہے۔

آپ نے تقریباً ہر موضوع میں مختلف مسالک کے فقہاء اور محدثین کی عبارات پیش کی ہیں ان کے جامع مطالعہ سے طالب علم اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ مختلف مسالک فقہ اسلامی کی وسعت ہیں یہ کوئی جنگ کے میدان نہیں جو لڑنے کے لیے ہموار کیے گئے ہوں۔ ان مباحث سے غرض مختلف مسالک کو ایک دوسرے کے قریب لانا ہے اختلافات کو بڑھانا نہیں، طلبہ اسے اس نقطہ نظر سے مطالعہ کریں تو ان شاء اللہ یہ اسلامی رواداری کی طرف ایک مؤثر قدم ہوگا۔

(حافظ) محمد اقبال عفا اللہ عنہ

کلمۂ تشکر

اللہ تعالٰی نے اس بندۂ عاجز پر بڑا کرم فرمایا کہ اس نے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے لیے قرآن کریم کے تعارف میں آثار التنزیل اور حدیث کے تعارف میں آثار الحدیث لکھنے کا موقع عطا فرمایا اور پھر فقہ کے تعارف میں بھی آثار التشریع الاسلامی لکھنے کی سعادت بخشی۔ اسلام میں علم کے یہی تین ماخذ ہیں۔ ا۔ قرآن کریم، ۲۔ سنت اور ۳۔ اجتہاد۔ سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے طریق کو بھی شامل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ما انا علیہ وا صحابی کہہ کر صحابہؓ کو ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ شامل فرما گئے۔ پھر اجتہاد اگر متفق علیہ درجے کا ہو تو اسے اجماع کہہ دیتے ہیں مجتہدین کا اپنا اپنا استنباط ہو تو اسے فقہ کہتے ہیں۔ جو مسائل شریعت اجتہاد کی راہ سے معلوم ہوں وہ بھی عین دین ہیں کیونکہ انہوں نے کتاب وسنت کے چشمے سے ہی ظہور پایا ہے سو انہیں بھی اسی درجہ میں مانا جائے گا جس درجہ میں ہم نے کتاب وسنت سے رہنمائی حاصل کی ہے۔ یہ فریضہ عادلہ ہے جو عمل میں ان کے برابر کا ایک علمی ماخذ ہے۔

سو علم انہی تین دائروں میں ہے۔ ا۔ آیت محکمہ۔ ۲۔ سنت قائمہ اور ۳۔ فریضہ عادلہ اس کے سوا جو ہیں وہ واردات ہیں یا بدعات۔ انہیں شریعت نہیں کہا جا سکتا۔

مطالعہ اسلامیات ایک گہرا سمندر ہے۔ پوری عمر بھی اس میں لگے رہیں تو شاید اسے عبور نہ کر پائیں لیکن ان اصولوں کا سمجھ لینا علماء اور طلبہ کو واقعی یقین کی ایک ایسی سرحد پر لے آتا ہے کہ وہ لاکھوں جزئیات کو نہ جاننے کے باوجود محسوس کرنے لگتے ہیں کہ انہوں نے اس کا احاطہ کر لیا ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں عوام عالم کے اور عالم اعلم کے سایہ میں چلتے ہیں۔

اللہ تعالٰی کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ان تینوں موضوعات پر لکھنے کی توفیق دی اور آج آثار التنزیل اور آثار الحدیث کے ساتھ آثار التشریع کی یہ دو جلدیں بھی آپ کے

ہاتھوں میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آثار التنزیل اور آثار الحدیث کو جو قبولیت بخشی احقر ابتداء میں اس کا اندازہ نہ کرسکتا تھا۔ ابتداء میرا ذہن یہی تھا کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے لیے یہ اسلام کے ماخذ علمی کا ایک تعارف ہوگا لیکن میں نے دیکھا کہ آج مدارس عربیہ کے طلبہ بھی ان سے اسی طرح استفادہ کر رہے ہیں جس طرح یونیورسٹیوں کے طلبہ اور دفاتر کے علم دوست حضرات اور جج اور وکلاء صاحبان وغیرہم ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔

تصنیف وتالیف کی اس خدمت نے احقر کو تبلیغی اسفار سے نہیں روکا۔ امریکہ، کینیڈا، پاکستان، بنگلہ دیش، جزائر عرب الہند، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا اور جزائر فجی کے دوروں میں بھی احقر لکھنے کے لیے کچھ اوقات ساتھ ساتھ نکالتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت عمل میں ہمیشہ کوئی کھلی لائبریری سامنے نہ ہوسکتی تھی۔ سوان حالات میں زیادہ مدار زبانی یادداشتوں پر رہا ہے۔ کسی مقام پر کوئی تشنگی محسوس ہو تو اسے اس صورت حال کی معذوری سمجھیں یہ نہیں کہ اس موضوع پر اور مواد ہمارے سامنے نہ تھا۔

مضامین کو جمع کرنے اور ان کی نقلیں فراہم کرنے میں جو خدمت مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی نے سرانجام دی احقر ان کا تہ دل سے ممنون ہے پروف ریڈنگ میں جناب حافظ اطہر عزیز ایم اے اور محمود احمد خاں سوری کی خدمات آثار الفقہ کی ایک تاریخ ہیں اور اس کی طباعت اور نشر واشاعت کی جو خدمت عزیز محترم احسان الحق خاں نے سرانجام دی ہے احقر ان کا بھی صمیم قلب سے شکر گزار ہے اور حقیقی شکر کے لائق وہ دست قدرت ہے جس نے ان اسباب سے یہ مختلف کام لیے اور آج یہ علمی مرقع آپ کے ہاتھ میں ہے۔

دعا کیجیے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان تین ماخذ علمی کے تعارف کی سعادت بخشی۔ اللہ تعالیٰ آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان کی تکمیل کی بھی توفیق دے۔ اس کا موضوع اعمال قلب ہیں جس طرح فقہ کا موضوع اعمال بدن ہیں علم احسان اعمال قلب سے بحث کرتا ہے اور یہی علم ہے جس سے دلوں کے زنگ دھلتے ہیں۔

مؤلف

خالد محمود عفا اللہ عنہ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسان فطری طور پر مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ دیگر جانوروں کی طرح یہ اکیلا نہیں رہ سکتا۔ ہر ادائے زندگی میں اپنے ابنائے جنس (دوسرے انسانوں) کا محتاج ہے اور اسے اپنے دُنیوی اُمور باہم ترتیب دینے کے لیے دوسرے انسانوں کی ضرورت ہے اسی لین دین سے معاشرہ بنتا ہے اور انسانی زندگی کی یہی ترتیب تمدّن کہلاتی ہے۔

انسان جہاں بھی رہے یا بسے وہاں باہمی تعلقات کا ایک ضابطہ ذہنی طور پر ازخود ترتیب پاجاتا ہے۔ اس میں انسان اپنے اعمال اور ضرورات کی مکمل دیکھ بھال کرتا ہے اپنے رہنے کو سنوارتا ہے۔ اس تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل کے بعد وہ علاقے اور شہر کے دوسرے ابنائے جنس سے اپنے تعلقات بڑھاتا ہے اور شہری اور ملکی اُمور میں اپنے حالات کے مطابق دخل دیتا ہے اسے سیاست مدن (شہروں کی سیاست) کہتے ہیں۔

ہر دور میں اہلِ فکر نے انسانی مشترک زندگی کو بہتر بنانے کے لیے مشورے کیے ہیں اور باہم مجلسیں بھی کی ہیں۔ انہی مجالس سے آگے تمدّن کے برگ وبار پھوٹے ہیں اور پھر یہیں سے اسمبلیاں بنی ہیں۔ دُنیا کے بڑے بڑے ممالک زمانہ قدیم سے متمدّن چلے آرہے ہیں۔ اولی الامر بدلتے رہے اور تہذیبیں بنتی اور بگڑتی رہیں دنیا کے بیشتر خطے بڑے بڑے انقلابات سے دوچار ہوئے۔ قومیں اٹھتی بھی رہیں اور مٹتی بھی رہیں کتنی قومیں اس طرح پیوست خاک ہوئیں کوئی ان کی گنتی نہیں کرسکتا قرآن کریم میں ہے:۔

وکم اھلکنا من القرون من بعد نوح (پ۱۵: بنی اسرائیل ۱۷)

ترجمہ: اور ہم (حضرت) نوح کے بعد اور کتنی قوموں کو پیوست خاک کر چکے۔

سینکڑوں وہ سر جن پر کبھی پر سیادت کے تاج رکھے ہوئے تھے، انقلابات کی ٹھوکروں سے پامال ہوئے، روم کی ایک اپنی تہذیب تھی اور ایران کا ایک اپنا تمدن تھا،

یونان علوم وفنون کا گہوارہ تھا اور مصر کی ایک اپنی ثقافت تھی۔ فراعین مصر ہوں یا خواقین چین، براہمہ ہند ہوں یا خوانین افغان، سب کی اپنی اپنی تاریخ ہے اور اپنی اپنی روایات لیکن سب کے دساتیر وقوانین انسانی فکر ونظر کا حاصل ہیں۔ ہر موڑ پر انسانی تجربات کی ایک نئی نمائش لگی، ضابطے بنتے اور ٹوٹتے رہے اور قوانین بدلتے رہے۔

صرف عرب کی صحرائی آبادیاں کسی بھی تمدن سے نا آشنا تھیں۔ وہاں کوئی معاشرتی یا سیاسی نظام نہ تھا۔ بے آب وگیاہ صحراؤں میں قافلے چلتے تھے اور صحرائی جہازوں کی قطاریں آبادیوں کی آبادیوں کو ادھر ادھر کرتی رہتیں جہاں انہیں گھاس اور پانی نظر آئے وہیں وہ ڈیرے ڈال دیتے تھے۔ مکہ کے چھوٹے سے شہر میں ایک اللہ کا گھر تھا جس کے متولی سب کے ہاں ان رستوں میں امن کے حقدار سمجھے جاتے تھے۔ ان کی تاریخ میں کوئی ایسا بڑا آدمی نہ گزرا تھا جس کی لوگ ہیروورشپ heroworship کرتے رہے ہوں اور اسے اپنا سیاسی باپ سمجھتے ہوں جاہلی تصور میں وہ اپنی یہ عقیدتیں اپنے بنائے بتوں پر سرشار کرتے اور انہیں انبیائے سابقین کا مظہر سمجھتے اور بس فکری روشنی وہاں کوئی نہ تھی۔

نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی
نہ یونان کے علم وفن کی خبر تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے وہاں ایک قوم اُٹھی منتشر انسانی افراد میں جوڑ پیدا ہوا پہلے انسانوں کی یہاں ایک بھیڑ تھی۔ اب وہ ایک قوم بنے۔ اُن میں ایک تہذیب اُبھری اور جو لوگ اس نبی امی کی قیادت میں اُٹھے اُن کا ایک اپنا معاشرہ بنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاشرے کی تربیت جن اُصولوں پر کی وہ اس قوم کا ضابطہ اخلاق ہے اور جس پیرائے میں یہ لوگ خدا کے آگے جھکے وہ ان کا دین سمجھا گیا۔ دنیا میں اسی نے اسلام کا نام پایا۔

جب یہ لوگ مدینہ چلے آئے تو ان کی ایک اپنی ریاست قائم ہوئی۔ مدینہ کی سلطنت ایک خودمختار ریاست بنی۔ پھر مکہ فتح ہوا اور پہلی دفعہ عرب ایک عظیم سلطنت بنے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اس قوم کو عقائد اور عبادت کے طریقے بتائے۔ اسی طرح انہیں دوسرے آداب زندگی بھی سکھائے معاشرت اور معیشت سیاست اور امارت، لین دین اور مارکیٹ ہر دائرہ زندگی میں وحی کا نور داخل ہوا اور اسلام

ایک جامع نظامِ حیات کی صورت میں دنیا کے سامنے آیا جس میں آداب بندگی بھی تھے اور آدابِ زندگی بھی۔ اسلام میں سیاست کی تعریف یہی چلی آ رہی ہے۔

السیاسة هی القانون المحافظ للحقوق الالهیة والانسانیه.

اسلام میں قانون کی اساس انسانی ضرورت، معاشرتی سہولت، فطری تقاضوں، شرافت انسانی اور طاعت ربانی پر رکھی گئی اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے ان سب میں یہ پانچ اُمور ملحوظ رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جو کچھ کیا اور فرمایا اس میں بھی ان پانچ اُمور کی رعایت موجود رہی، آگے مجتہدین بھی کتاب وسنت کی روشنی میں انہی اصولوں پر چلے ہیں اور ان کی محنت اللہ تعالیٰ کو اتنی پیاری لگی کہ یہ درست بات نہ بھی پاسکیں تو بھی اللہ تعالیٰ سے ایک اجر کے مستحق ٹھہرے اور درست بات پانے والوں کو دُگنے اجر کی بشارت دی گئی۔

دین میں یہ محنت کرنا اور علم میں ان اصولوں کی روشنی میں چلنا تفقہ کہلاتا ہے اسلام میں قانون سازی کی اساس کتاب وسنت کے بعد فقہ پر ہے اور فقہ اجتہاد سے ہی ترتیب پاتی ہے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ اگر ہم دنیا کے چند دوسرے ضوابط زندگی پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالتے چلیں جو انسانوں نے اپنے عقل وتجربہ کی روشنیوں میں اور مختلف الانواع اسمبلیوں میں بیٹھ کر طے کیے ہیں اور انہیں انسان کے فطری تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے دیکھیں کیا ان میں کوئی مجموعہ قوانین ہمارے ذکر کردہ پانچ اصولوں سے مطابقت کرتا ہے؟ کسی سیکولر سٹیٹ کے مجموعہ قوانین میں ہمیں ان پانچ امور کی رعایت نہ ملی۔ اُن کے فضلاء سے پوچھا تو بھی اِس تلاش میں تھکے نظر آئے۔

حسرت ہے اس مسافر بے بس کے حال پر
جو تھک کے رہ گیا ہو منزل کے سامنے

فطرت نے انسانوں میں بھوک پیاس نیند اور آرام کی طرح ایک جنسی تقاضا بھی پیدا کیا ہے۔ یہ جنسی تقاضا شرف انسانی قائم رکھ کے پورا ہو تو اسے نکاح کہتے ہیں۔ نکاح کامیاب نہ ہوسکے اور فریقین کی طبیعت نہ ملے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ نہ چل سکیں تو پھر علیحدگی بھی ہوسکتی ہے اسے طلاق کہتے ہیں۔ اسلام میں اس فطری تقاضے کو بھی پوری راہ دی گئی۔

دیکھیے اگر کوئی لڑکی بیس پچیس سال کی عمر میں بیوہ ہو جاتی ہے تو ہندو دھرم میں اسے دوسری شادی کی اجازت نہیں اب ساری عمر وہ ایک غیر فطری زندگی بسر کریگی۔ بیچاری کا خاوند کیا مر اوہ خود بھی مرگئی زندگی کے اس ہولناک مستقبل کا سامنا نہ کر سکنے والی عورتیں عموماً خاوند کی میت کے ساتھ ہی ستی ہو جاتی تھیں اور جو اس ستی زندگی سے بچی رہتیں پنڈت ان کے لیے تجویز کرتے تھے کہ وہ سر منڈا کر دنیا کی ہر لذت سے کنارہ کش رہیں۔ اسلام نے نکاح بیوگان کی اجازت دے کر انسان کی فطری قدروں کی تکریم کی، گو وہ ایک عام بیوہ عورت ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔

عیسائیوں نے طلاق کی راہ بند کر کے فریقین کی نہ ملنے والی طبیعتوں کو ہمیشہ کے لیے کانٹوں کی تلخی میں جکڑ دیا غیر فطری قوانین کی چکی چلتی رہی اور انسان اس میں پستے رہے اسلام نے طلاق کو ابغض المباحات تو کہا کہ جلدی یہ قدم نہ اٹھاؤ لیکن اس کی باعزت اجازت دے کر انسان کی فطری قدروں کی عزت رکھ لی۔ انسان کو یہ رعایت کسی بادشاہ یا سلطنت نے نہیں دی خود رب العالمین نے دی ہے۔ لالہ بیجناتھ نے دھرم شاستر کی شرح لکھی ہے اس میں وہ مسلمانوں کے بارے میں لکھتا ہے:۔

پروردگار عالم نے ان کو قانون مکمل صورت میں مرحمت فرمایا ہے۔ کسی بادشاہ کو قانون وضع کرنے کا اختیار نہیں ہے بیش بہا ذخیرے (فقہ) کی موجودگی میں بادشاہ وقت کا کوئی کام وضع قوانین کے متعلق باقی نہیں رہتا۔

اسلام میں انسان پر انسان کی حکمرانی نہیں ان پر انکے پیدا کرنے والے کا قانون چلتا ہے۔ سو اسلام میں سب انسان اپنے بنیادی حقوق میں برابر ٹھہرتے ہیں۔

دھرم شاستر میں معاشرت کی ایک جھلک:

عام شادی جس طرح انسانی معاشرے میں پائی جاتی ہے اسے اردو میں ازدواج کہتے ہیں۔ ہندو شاستر میں ازدواج کی کئی قسمیں ہیں:۔

۱۔ گاندھرو ازدواج　　۲۔ اسورا ازدواج　　۳۔ پیثار ازدواج

اسی طرح دھرم شاستر میں بیٹوں کی قسمیں ہیں:۔

۱۔ کشتراج　　۲۔ گودھاج　　۳۔ کانی بیٹا

اب ہم ان کی کچھ تفصیل بھی کیے جاتے ہیں:۔

۱۔ گاندھرو ازدواج اسے مسلمانوں میں متعہ کہتے ہیں۔ اس میں مرد اور عورت محض حظ نفسانی کے لیے آپس میں تعلق پیدا کرتے ہیں۔ اس میں شرف انسانی کی کوئی رعایت نہیں رہتی

۲۔ لڑکی کے باپ کو معاوضہ دے کر لڑکی رکھنا اسورا ازدواج کہلاتا ہے۔

۳۔ لڑکی کو ہوش نہ ہو اور اپنا کام کر جانا پیتاچ ازدواج کہلاتا ہے۔

جو لڑکا کسی کنواری سے پیدا ہو وہ اپنے نانا کی ملکیت سمجھا جائے گا وہ کانین بیٹا کہلائے گا عورت کا بیٹا پہلے شوہر سے ہو وہ کشتراج کہلائے گا۔

بیوی کسی غیر مرد سے بچہ جنے وہ بچہ اس خاوند کا گودھاج بیٹا کہلائے گا۔

دھرم شاستر کی یہ چند جزئیات ہم نے لالہ بیجناتھ کی شرح سے نقل کی ہیں۔ دھرم شاستر قانونِ وصیت سے یکسر خاموش ہے۔ برہمن اولاد میں سب سے بڑے بیٹے کو باپ کا وارث کرتے تھے۔

مشہور مقنن سولن کے قانون کی چند جزئیات:

۱۔ اگر کوئی شخص روپیہ قرض لے کر زمین خریدے تو اس قرض کا ادا کرنا اس کے لیے ضروری نہیں قرض بنیادی ضرورتوں (کھانے پینے وغیرہ) کے لیے تو لیا جاسکتا ہے لیکن زمین خریدنے کے لیے نہیں۔ خریدی زمین اب مالک روپیہ کی ہوگی خریدنے والے کی نہیں۔

۲۔ اگر کوئی شادی شدہ مرد حقوق زوجیت ادا کرنے کے قابل نہیں تو بیوی کو حق ہے کہ شوہر کے رشتہ داروں میں سے کسی سے متمتع ہو اور اولاد اس پہلے خاوند کی ہی سمجھی جائے گی۔ ہندوؤں میں یہ خدمت برہمن سرانجام دیں تو اسے نیوگ کہتے ہیں ان کی یہ خدمت ایک درجہ استحباب میں ہوتی ہے۔

ساسانیوں کا معاشرتی قانون:

ڈنمارک کی کوپن ہیگن یونیورسٹی کے پروفیسر آرتھر کرسٹین نے ساسانی تمدن پر ایک جامع کتاب لکھی ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم سابق پرنسپل اورئینٹل کالج لاہور نے اس کا

اردو میں ترجمہ کیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ وہاں شادیاں دو قسم کی ہوتی تھیں ایک مستقل اور ایک عارضی۔ مستقل شادی کے میاں بیوی کے لیے پہلوی زبان میں شوہر اور زن کے الفاظ استعمال ہوتے تھے لیکن عارضی شادی کی صورت میں شوہر اور بیوی کے لیے میرگ اور زیانگ کی قانونی اصطلاحات تھیں۔ (قانون ساسانی جلد ا، ص ۳۶۔۳۷)

فتح اسلام سے پہلے ایران میں یہ جو عارضی شادی تھی فتح اسلام کے بعد اسے متعہ کا نام دیا گیا۔ یہ ایرانی متعہ اس نکاح موقت سے بہت مختلف تھا جو بعض جنگی حالات کے تحت عربوں میں رائج تھا۔ اس کا مقصد صرف جنسی تسکین نہیں اس کی معاشرتی خدمت بھی ہوتی تھی۔ وہ عارضی بیوی اس کے گھر کی بھی محافظ ہوتی اور اس کے لیے کھانا وغیرہ بھی بناتی تھی:۔

فتحفظ له متاعه وتصلح له شيه. (جامع ترمذی جلد ا، ص ۱۳۴)

عورت سے یہ فائدہ اٹھانا (تمتع) عارضی ہوتا تھا اسے متعہ کہتے تھے۔ سو وہ اسکے سامان کی حفاظت بھی کرے اور اسکے لئے کام بھی کرے جیسے کھانا بنانا اور کپڑے بنانا، دھونا وغیرہ۔

اسلام نے جس طرح دیگر کئی برائیاں تدریجاً ختم کیں متعہ کو بھی اسی طرح حرام قرار دیا۔ تاہم اس نکاح موقت میں باقاعدہ گواہ ہوتے تھے اور یہ صرف تسکین جنسی کا سامان نہ تھا ایرانی متعہ اس سے یکسر جدا ایک دوسری صورت عمل ہے۔ اس میں نہ کوئی گواہ ہوتے تھے نہ یہ عورت وارث ہوسکتی تھی۔

مسٹر ایف ایم اپنے مقدمہ تفسیر القرآن میں پہلے ہندو معاشرت کا نقشہ کھینچتا ہے اور پھر ایرانی معاشرت کو اس سے آگے کا ایک عمل بتاتا ہے:۔

> ویدک زمانے میں کثیر الازدواجی ہی نہیں بلکہ ایک عورت کو بھی ایک ہی حالت میں کئی کئی شوہروں کے کرنے کی اجازت تھی چار سگے بھائی ایک ہی بی بی پر بس کرتے تھے۔ رگ وید میں بھی متعہ جائز تھا۔ (مقدمہ تفسیر القرآن ص ۴۰۶)

اور پھر آگے جا کر لکھتا ہے:۔

> ایرانی معاشرت ہندوستان سے بھی کئی درجہ آگے بڑھ گئی تھی ہندوستان میں تو صرف اس قدر تھا کہ چار بھائی ایک ہی عورت سے

شادی کر سکتے تھے مگر ایران میں صلبی تعلقات پر بھی مٹی پڑ گئی تھی
ایران میں اس قبیح رسم کو کوئی عیب نہیں گنا جاتا تھا۔ (ایضاً ص ۴۴۷)

ایران میں اس ساسانی معاشرت کے اثرات دیر تک باقی رہے ڈنمارک اور انگلینڈ میں دو مردوں کی شادی کا قانون ابھی ابھی بنا ہے۔ یہ قدیم ایرانی تہذیب کے ہی اثرات ہیں۔

مشہور مؤرخ ابو محمد حسن بن موسیٰ نوبختی جو تیسری صدی کے آخر میں گزرا ہے۔ اس نے فرق الشیعہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ مرکز انتشارات علمی میراث ایران نے اس کتاب کو ایران سے شائع کیا ہے۔ اس میں نوبختی لکھتا ہے:۔

ہم بستر شدن بانزدیکان وخویشاں رااززناں وامرداں جائز دانند۔ (ترجمہ فارسی ص ۱۲۳)
یہ لوگ اس شرمناک معاشرت کو اس آیت سے سند فراہم کرتے تھے:۔
اویزوجھم ذکراناً واناثاً (پ ۲۵: شوریٰ: ۵۰)
ترجمہ: اور خدا ان کے جوڑے بناتا ہے مردوں سے بھی اور عورتوں سے بھی۔ (استغفراللہ)

یہاں لفظ تزویج اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں لغوی معنی میں ہے۔ انہوں نے اسے اصطلاحی معنی میں لے کر بات کہاں سے کہاں تک پہنچا دی۔

اسلام کی تیسری صدی تک جاہلی معاشرت کے یہ اثرات کسی نہ کسی صورت میں باقی رہے۔ اسلام نے ان جاہلی قوموں کی پست معاشرت کے خلاف ایک اخلاقی انقلاب پیش کیا اور ان کی زندگی وہ مالیات سے متعلق ہو یا عام معاشرت سے، معیشت سے متعلق ہو یا عام آداب منزل سے، اسے ایک اخلاقی درجہ دیا اور زندگی کے مختلف ابواب کو اس عدل و انصاف اور اس شرافت سے مرتب کیا کہ جاہلیت اپنا سر پیٹ کر رہ گئی۔

یہ صحیح ہے کہ جن ممالک میں اسلام کی دعوت عام نہیں ہوئی ان میں اب بھی ادائے جاہلیت کے شرمناک جلوے موجود ہیں۔

برطانیہ کا ملکی قانون:

یوں تو برطانیہ ایک مسیحی مملکت ہے اور تاج برطانیہ ملکہ الزبتھ کے سر پر ہے جو

چرچ آف انگلینڈ کی محافظ بھی ہے۔ مگر بائبل کے اس حکم کے تحت کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو بادشاہ کا ہے وہ بادشاہ کو دو برطانیہ ایک سیکولر سٹیٹ ہے۔ سیکولر سٹیٹ میں نظام ہمیشہ انسانوں کے وضع کردہ قوانین سے چلتا ہے جب کہ مذہبی سلطنتوں میں قانون آسمانی سائے میں مرتب ہوتا ہے۔ برطانیہ میں قانون پر کیا گزری اور انسانوں کو اس کی غیر فطری خواہشات نے کس قعر مذلت میں گرا دیا ہے اس کی ایک جھلک ان خبروں میں دیکھئے:۔

> لندن میں پندرہ ہم جنس پرستوں نے آپس میں شادی کر لی۔ رپورٹ کے مطابق یہ پندرہ جوڑے میٹروپلٹین چرچ میں جمع ہوئے جہاں امریکہ کے ایک نامور پادری فادر برنارڈ لیچ اور ریورنڈ جین وہائٹ نے انہیں رشتہ ازدواج میں باندھا۔ (روزنامہ جنگ، لندن ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۲ء)

ڈنمارک کی حکومت کا فیصلہ:

روزنامہ جنگ لندن نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء کی اشاعت میں لندن ٹائمز کے حوالے سے یہ خبر شائع کی تھی:۔

ڈنمارک کی حکومت نے لواطت پرستوں کی شادی کو سرکاری تحفظ دینے کا اعلان کیا ہے جو یکم اکتوبر ۱۹۸۹ء سے شروع ہو چکا ہے۔ اس تحفظ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو مردوں نے آپس میں شادی رچائی ہے اور یہ شادی رجسٹرار کے دفتر میں ہوئی جہاں شادی کے سرٹیفکیٹ بھی جاری کیے گئے اور مزید دس جوڑوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے

جو قانون غیر الٰہی بنیادوں پر قائم ہوگا انجام کار وہ غیر انسانی اور غیر فطری باتوں کی پرورش کرے گا۔ جہاں اخلاقیات پر مذہب کی گرفت نہ ہو وہاں یہی حاصل ہوتا ہے۔ جب دین سیاست کو اپنے حال پر چھوڑ دے تو پھر اخلاقی قدریں خود ہی جاتی رہتی ہیں۔

رومن لاء کی بنیاد:

رومن لاء قدیم قوانین یونان کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اس قانون پر تین دور گزرے ہیں۔

۱۔ سلطنت روما کی بنیاد سے لے کر دوازدہ الواح TWELVE TABLETS

کی تدوین تک آگسٹس کی سلطنت قائم ہونے تک یہ دور رہا۔

۲۔ دوسرا دور ۴۵۰ ق م سے ۳۰ قبل مسیح تک رہا حالات کچھ رُخ اختیار کریں معاشرت کے پہلو سے یہ دور اسی طرح کسی نظام اخلاق کے بغیر رہا۔

۳۔ اور تیسرا دور ۳۰ ق م سے ۵۵۷ء تک رہا۔

دنیا کے دوسرے قوانین کے مقابلہ میں رومن لاء کچھ زیادہ وسیع اور جامع رہا ہے مگر اس میں بھی اتنی ناہمواری پائی جاتی رہی ہے کہ اس میں رفاہ عام کی کوئی صورت نہیں نکلتی پائی جاتی۔ سر ولیم جونس لکھتا ہے:۔

> رومن لاء ایک وسیع بے ڈھنگے خرافی قوانین کا مجموعہ ہے یہ مدت جدید تک ناقابل عمل رہا۔ اس کا فوجداری قانون قومی خصوصیات پر مشتمل ہے اور اس قابل نہیں کہ قانونی مفسرین اسے رفاہ انسانیت تک لے جاسکیں۔

آر ڈبلیو لیچ R.W.Leech اپنی کتاب Law in practice میں لکھتا ہے:۔

> ابتداء روما میں قانون کا عمل اور اس کی تشریح کلیۃ احبار کے ہاتھ میں تھی۔ احبار مذہبی علماء کو کہتے ہیں۔ پال نے جب عیسائیت کو موجودہ شکل دی تو اس نے سب سے پہلے دنیوی قانون کو مذہب کے اثر سے آزاد ٹھہرایا۔

اس کے بعد عیسائی سلطنتوں پر اس راہ میں کیا گزری اس کی ایک جھلک آپ اُوپر دیکھ آئے ہیں۔

سلطنت روما کے زوال پر پھر جو قوم دُنیا میں ایک عظیم طاقت بن کر اُٹھی وہ مسلمان ہیں وہ کسی ایک ملک سے خاص نہیں وہ ایک بین الاقوامی حیثیت رکھتے ہیں اور انکا مرکز وہ ایک قبلہ ہے جسکی طرف وہ نماز میں رخ کرتے ہیں وہ کسی جگہ اور کسی ملک میں رہیں رخ انہیں اسی طرف کرنا پڑتا ہے

مسلمانوں کا قانونِ عدالت:

مسلمانوں کے ہاں دین ومذہب صرف عبادت تک محدود نہیں۔ اس کا ایک اپنا

ضابطہ اخلاق ہے جس سے مسلمانوں کی معاشرت بنتی ہے اور ان کے آپس میں حقوق قائم ہوتے ہیں۔ اسلام میں سب سے بڑا حاکم بھی مطلق العنان نہیں ہوتا کہ اس کی باگ ہر طرف آزاد کھلی ہو وہ خدا کا نائب کہلاتا ہے اور الٰہی قانون کے ماتحت ہوتا ہے۔ خلیفہ کا معنی بھی یہی ہے کہ وہ پیچھے چلے۔ نہ کہ آگے۔ اسلام میں اس سب سے بڑے منصب پر فائز ہونے والا شخص خلیفہ کہلاتا ہے اس معنی میں کہ وہ خدا کا نائب ہے۔

مسلمانوں کا قانون عدالت اس انسانی عظمت کا حامل ہے کہ اس میں بڑے چھوٹے کی قید نہیں۔ امیر المؤمنین بھی اسلام کی قانونی عدالت میں برابر کا جوابدہ ہے۔ اُونچی اور نچلی سوسائٹی کے لوگ قانون کی نظر میں سب ایک جیسے ہیں۔ اسلام میں اونچ نیچ کا کوئی شرعی فاصلہ نہیں۔ اس میں کالے اور گورے امیر اور غریب کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔

الناس شريفهم ووضيعهم فى دين الله سواء

ترجمہ: لوگ اوپر کے درجے کے ہوں یا نچلے طبقہ کے اللہ کے قانون میں سب برابر ہیں۔

اسلام کے قوانین فطرت کے مطابق اخلاق فاضلہ کے حامل اور امن وانصاف کے تمام تقاضوں کو شامل ہیں۔ اسلامی قانون کی شان جامعیت اور اس کی نوامیس فطرت کی پوری رعایت نے قوموں کی قوموں اور ملکوں کے ملکوں کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ اب تک بنی نوع انسان کو کوئی ایسا ضابطہ قانون نہ ملا تھا جو فطرت کے تمام تقاضوں اور ہر ملک وقوم کے لیے ہر زمانہ اور ہر حالت میں برابر کا نفع بخش رہا ہو۔ تاریخ کے مختلف موڑوں پر حکمرانوں اور دانشوروں نے قوانین ودساتیر کے بڑے بڑے خاکے تیار کیے اور بڑے بڑے تجربہ کاروں اور مدبروں نے انہیں عملی صورتیں بخشیں مگر حالات نے جب بھی کروٹ بدلی ان قوانین وضوابط میں انہیں خود ہی ترمیمات کرنی پڑیں۔ یہ صرف الٰہی ضابطہ قوانین ہے جو ہر اندیشہ ترمیم سے محفوظ ہے اور حالات کی ہر کروٹ میں وہ ہر طرح سے محفوظ رہا ہے۔

دنیا کا سارا فساد خودغرض عقل کی پیداوار ہے:

انسان جب مل جل کر رہتے ہیں تو اُن کے مفادات کبھی ٹکرا بھی جاتے ہیں۔ انسان اپنے مفاد کے حصول یا تحفظ کے لیے اپنے دوسرے ابنائے جنس سے ٹکراتا ہے اور

غرض مندانہ عقل اس کے لیے نئی نئی راہیں کھولتی ہے مفادات کے اسی ٹکراؤ سے آپس میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے لیے ایسی عدالت کی ضرورت ہوتی ہے جس کا اپنا مفاد ان دونوں کے مفاد کو نفیاً یا اثباتاً کسی طرح نہ چھوتا ہو۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ وہ اصول کیا ہے جس پر یہ عدالت فیصلہ کرے گی؟

کیا عقل وتجربہ ایسے قوانین مرتب کر سکتے ہیں جو بنی نوع انسان کے اس مفادات کے ٹکراؤ کو روک سکیں؟ اور کیا یہاں کوئی ایسا انسان مل سکتا ہے جس کے اپنے عمل کی بنیاد یکسر جذبات سے بالا ہو؟ ان دونوں سوالوں کا جواب آپ کو نفی میں ملے گا عقل انسانی اس فساد کو روک نہیں سکتی کیونکہ یہ فساد تو پیدا ہی اس غرض مندانہ عقل انسانی نے کیا تھا یہاں انبیاء کے سوا کوئی ایسا انسان نہیں دیکھا گیا جس کے دل ودماغ پر ہروقت خدا کی حفاظت کا پہرہ ہو۔

رفع فساد کی واحد راہ آسمانی ہدایت کو قبول کرنا ہے:

ان حالات میں رفع فساد کی کوئی اور صورت نہیں بجز اس کے کہ تشریع (قانون سازی) کے لیے کتاب وسنت کو سرچشمہ علم تسلیم کیا جائے، آنحضرت ﷺ کے مختلف طریق عمل سامنے آئیں تو صحابہ کرام کے عمل کو دیکھا جائے کہ وہ ان میں کون سی تطبیق کی راہ قائم کرتے ہیں اور جو چیز کتاب وسنت اور آثار صحابہ میں نہ ملے اس میں اگر پہلے مجتہدین اجتہاد کر چکے ہیں تو انہیں لے لیا جائے تاکہ نئے نئے اجتہادات سے امت میں مزید انتشار نہ ہو اور جن مسائل میں پہلوں سے اجتہاد نہیں ملتا ان میں پہلے مجتہدین کے طے شدہ اصول فقہ کو دیکھا جائے اور ان کی روشنی میں اس وقت کے اہل علم اور اہل تقویٰ مل کر کوئی راہ عمل تجویز کرلیں یہ بھی اصولاً آسمانی روشنی سے ہی تمسک ہوگا۔ اسلامی قانون کی یہ وہ شاہراہ ہے جو کبھی خشک نہ ہوگی اور علم وبصیرت کا یہ ایک ایسا گھاٹ ہے جس سے تشنگان علوم دینی قیامت تک سیراب ہوتے رہیں گے اور کوئی نیا فرقہ پیدا نہ ہوگا۔ امت کا ہر طبقہ اپنے پہلوں سے تسلسل میں رہے گا اور قافلہ امت اسی طرح آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

فقہ اسلام پر کوئی شخص اس تاریخی ارتقاء کے ساتھ نظر کرے گا تو اسے اسلام واقعی ایک جامع اور کامل ومکمل نظام حیات نظر آئے گا اور اگر کوئی شخص کتاب وسنت پر آکر رک جائے، آگے نہ آثار صحابہ کو لے اور نہ اسلام کے پہلے سپریم کورٹوں کے فیصلوں کو کوئی اہمیت

دے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ نئے پیش آمدہ مسائل کے لیے ہزاروں نئے اختلافات کا دروازہ کھول رہا ہے اور یہ حق وہ خود لے رہا ہے کہ جو چاہے فیصلہ کرے۔

اس راہ سے اب ایک نہیں ہزاروں نئی فقہیں جنم لیں گی جتنے نئے ذہن ہوں گے اتنی نئی سوچیں ہونگی اور وقت کے تمام جج کتاب وسنت کے سمجھنے اوران کے بعد کے مسائل غیر منصوصہ کو حل کرنے میں جب اپنی اپنی سوچ پر چلیں گے تو سینکڑوں نئی راہیں پیدا ہوں گی اور حضورﷺ کی امت عجیب ذہنی انتشار کا شکار ہوجائیگی۔ اقبال مرحوم نے انہی لوگوں کو سمجھانے کے لیے کہا تھا۔

زاجتہاد عالماں کوتاہ نظر
اقتداء رفتگاں محفوظ تر

پاکستان کے ایک دانشور نے اس موضوع میں ایک سوال اُٹھایا ہے کہ یہاں ائمہ اربعہ میں سے کس کی فقہ پر شرعی فیصلے کیے جاسکتے ہیں ہم کہتے ہیں اس سوال کا جواب تین سو سال پہلے دیاجاچکا ہے جب سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے پورے ہندوستان کے لیے فتاویٰ عالمگیری مرتب کرایا اس ملک میں چونکہ اور فقہوں کے پیرو نہ تھے اس لیے یہاں اسلامی قانون کی اساس فقہ حنفی پر رکھی گئی اور مسلمان اسی راہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر عمل پیرا ہونے کی اُمیدیں باندھے ہوئے تھے۔

پھر ائمہ اربعہ کے پیرو اصولاً ایک دوسرے کو غلطی پر نہیں کہتے چاروں اماموں کو اصولاً اور اعتقاداً ایک سمجھتے ہیں سعودی عرب کی حکومت حنبلی فقہ کے مطابق فیصلے کرتی ہے کیا آپ نے کبھی دیکھا کہ وہاں حنفیوں نے کبھی اختلافی نعرے لگائے ہوں؟ نہیں۔ ان مذاہب اربعہ میں آپس میں اختلاف تو ہے خلاف نہیں اور اختلاف بھی حق وباطل کا نہیں صواب وخطا کا ہے اور خطا بھی کسی درجے میں لائق سزا نہیں بلکہ صحیح حدیث کی روشنی میں مستوجب اجر ہے سو ہمیں اس سوچ میں کبھی کوئی تشویش نہیں ہوتی کہ ان چار فقہوں میں ہم کس راہ سے حضورﷺ کے دین تک پہنچ سکیں گے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے کے لیے آپ چاروں طرف سے جاسکتے ہیں مگر منزل ایک ہونی چاہیے۔

پھر وہ صاحب شیعہ اور سنی فقہ پر آگئے کہ کیا اُن میں بھی اسی طرح کا اختلاف ہے جیسا حنفیوں، مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں میں ہے؟ ہم نے کہا نہیں ان کا اختلاف

فروعی ہے اور شیعہ اور سنی اختلافات اصولی ہیں مگر یہ بھی کوئی لاینحل گرہ نہیں ان اختلافات کوملحوظ رکھ کر اکثریت اور اقلیت کے فیصلے کیے جاسکتے ہیں۔ ملکی قانون اکثریت کی فقہ کے مطابق اور ہر اقلیت کو اپنے دائرہ میں اپنی اپنی فقہ پرعمل پیرا ہونے دیا جائے اور مشترک دائرہ میں اکثریت کی رعایت کی جائے اور شیعہ فقہ میں ہرگز کوئی ایسی تنگی نہیں کہ اسے ملکی سطح پرلائے بغیر اس پرعمل نہ کیا جاسکے۔ اس پر ہم سب کی سوچ ایک ہونی چاہیے کہ:۔

''کسی ملک کی وحدت کے لیے وحدت قانون لازم ہے۔''

سو دو پبلک لاء کسی ملک میں نہیں ہوسکتے۔ پبلک لاء صرف ایک ہوتا ہے اور پرسنل لاء کئی ہوسکتے ہیں اور کسی اقلیت کو اپنی فقہ پرعمل کرنے سے روکا نہ جانا چاہیے۔

مغربی ممالک گو دین و دنیا کی مکمل تقسیم کے قائل ہیں تاہم وہ بھی اکثریت کے نظریات اور اخلاقیات کو پورا تحفظ دیتے ہیں۔ سو مذہبی ممالک میں یہ اصول اور بھی زیادہ مؤثر ہونا چاہیے۔

۱۔ انگلینڈ کا سرکاری مذہب چرچ آف انگلینڈ ہے۔ اس وقت ملکہ الزبتھ اس کی چیف Defender of the Faith ہیں یہاں اس مذہب کے حقوق میں سے ہے کہ اگر اس ملک کا حکمران رومن کیتھولک فرقے میں شادی کرلے تو وہ برطانیہ میں حکمرانی کے حق سے محروم ہو جاتا ہے یہ بات انگلینڈ کے Constitution میں دفعہ ۷ کے تحت درج ہے۔ آئرلینڈ میں حکومت رومن کیتھولک چرچ کی محافظ سمجھی جاتی ہے۔

۲۔ سپین کے آئین کی رو سے وہاں کے بادشاہ میں دو باتیں لازمی ہیں:۔
وہ نسلاً سپینی ہو اور نسلاً رومن کیتھولک چرچ کا پیرو ہو۔
اس کی تاجپوشی کی رسوم پورپ Pope کی ہدایت پرادا کی جائیں گی۔

۳۔ یونان کے آئین کے مطابق حکومت ایسٹرن آرتھوڈکس چرچ Eastern orthodox church کی پابند ہوگی کسی یونانی کو مذہب سے نکلنے کی اجازت نہ ہوگی یونانی ترکوں کے زیر اثر مسلمان نہ ہو جائیں اس خطرے سے بچنے کے لیے یونان میں ارتداد (اپنا پہلا مذہب چھوڑنا) منع ہے۔

۴۔ سویڈن کے حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ خاص معقول نظریہ فکر کا حامل ہو۔

اور ملکی کونسل کے سب ممبران اسی مذہب کے حامل ہوں۔ ملک میں عیسائیت کی تعلیم وہی لوگ دینے کے مجاز ہیں جو ان خاص مسیحی نظریات کے حامل ہوں جو عیسائی اس خاص عقیدے کے نہیں وہ کسی عیسائی مذہبی بحث میں حصہ نہ لے سکیں گے۔

۵۔ پرتگال میں رومن کیتھولک چرچ کو آئینی تحفظ حاصل ہے اور حکومت کیتھولک چرچ پر خرچ کرنے کی مجاز ہے۔

۶۔ کولمبیا میں صرف وہی قوانین پبلک لاء بن سکتے ہیں جو عیسائی مذہب کے خلاف نہ ہوں کسی دوسرے مکتب فکر کو ایسی رسوم ادا کرنے کی اجازت نہیں جو اکثریت کے نزدیک امن عامہ کے خلاف سمجھے جائیں۔

۷۔ ارجنٹائن میں فیڈرل گورنمنٹ کیتھولک چرچ کے عقائد کی پابند ہوگی، وہاں کے صدر اور نائب صدر کے لیے ضروری ہے کہ وہ عیسائی ہو اور رومن کیتھولک فرقے کا ہو۔

۸۔ ناروے کے دستور میں پروٹسٹنٹ عقیدے کو سرکاری مذہب کی حیثیت دی گئی ہے پارلیمنٹ میں یہ فرقہ اکثریت کے ساتھ ہوتا ہے کسی دوسرے مذہب کو اس مذہب پر بحث کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

۹۔ ایران کے آئین میں دفعہ ۱۳ کے تحت ملک کا دین اسلام اور مذہب شیعہ تعین کیا گیا ہے۔ ایران کی ۶۰ فیصد اکثریت اسی عقیدہ کی ہے وہ علاقے جہاں دوسرے مذاہب کے پیرو زیادہ ہیں وہاں کے معاملات وہاں کے شورائی اختیارات کے تحت ان کے مذاہب کے مطابق ترتیب پاسکیں گے۔

۱۰۔ افغانستان کے آئین میں وہاں کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور وہاں کا سرکاری مکتب فکر فقہ حنفی ہے وہاں کا سربراہ اسی مذہب کا ہوگا۔

ان دس شواہد کی موجودگی میں پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہو تو اس پر دنیا کی کسی قوم کو اعتراض نہ ہونا چاہیے اور پھر اس میں رہنے والے مسلمانوں کی اکثریت حنفی لاء Penal Code کی ہے تو ضروری ہے کہ یہاں طلبہ کو اسلامیات سرکاری سطح پر فقہ حنفی کے مطابق پڑھائی جائے اور طلبہ کو اس کے پورے پس منظر اور پیش منظر پر پوری آگہی دی جائے اور لاء کے طلبہ Law Students ہدایہ اخیرین پوری توجہ اور دقت نظر سے پڑھیں

اور اس پر ہمارے ملک کے شیعہ اور اہل حدیث حضرات کو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔ وہ اپنے ہاں اپنی اپنی فقہ کی تعلیم دیں اور اس پر عمل کریں اس پر حنفی حضرات کو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے ہر ایک کو چاہیے کہ ملک کی اکثریت اور ان کے عقائد وآداب کا پورا احترام کرے اس کے بغیر پاکستان فرقہ وارانہ انارکی سے کبھی نہ نکل سکے گا۔

اسی جذبہ سے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے اور اس میں اکثریتی مذہب کو سمجھنے میں پوری دیانت اور امانت سے کام لیا گیا ہے۔ صاحب البیت ادری بمافیہ ایک قاعدہ مسلمہ ہے۔ حنفی فقہ کا صحیح تعارف وہ ہے جو حنفی کرائیں نہ کہ وہ جو اسے نہ چاہنے والے کرائیں ہاں اس میں اگر کوئی بات صریحا کتاب وسنت کے خلاف ملے تو اس صورت میں اسلام میں سپریم اتھارٹی Supreme Authority کتاب وسنت کے سوا اور کوئی نہیں تاہم یہ دیکھنے کا حق کہ کوئی بات صریحا کتاب وسنت کے خلاف تو نہیں ہر کسی کو نہیں دیا جاسکتا نہ ہر اردو خواں جانتا ہے کہ اس خاص موضوع پر محدثین کے ہاں اور احادیث وآثار بھی موجود ہیں۔ علم کے فیصلے علم سے ہوتے ہیں جزئیات اور ظاہر عبارات سے نہیں۔

یہ اسلام میں قانون سازی کا آغاز تھا جس نے مالی عدم توازن، جنسی بے راہروی، جاہلی معاشرت اور ظالمانہ معیشت کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں۔ قرآن وحدیث کے قوانین واحکام جو مختلف دائروں سے متعلق تھے انہیں ایک ترتیب دی۔ اس نے قانون کی دنیا میں فقہ کا نام پایا۔ یہ اسلام میں تشریع (قانون سازی) کا آغاز تھا جس نے پہلے کے جملہ دساتیر کی بنیادیں ہلا دیں۔

قرآن وسنت، قضایا خلفائے راشدینؓ، اعمال صحابہ اور اکابر تابعین کے فتاویٰ یہ وہ آثار ہیں جن سے علم فقہ مرتب ہوا مجتہدین نے فقہ کے اصول مرتب کیے پھر ان پر تخریجات اور تفریعات ہوتی رہیں۔ فقہاء میں اختلافات بھی رہے اور علمی معرکہ آرائیاں بھی ہوئیں تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ امت مسلمہ کے یہ فقہی ذخائر وہ سرمایہ علم ہیں جن کی نظیر دنیا کی کسی اور قوم کے پاس نہ ملے گی۔ طلبہ اسلامیات کے لیے فقہ کے ان تمام تدریجی مراحل کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

اِسلام میں تشریع کا آغاز

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

ہر معاشرے کو رل مل کر رہنے کے لیے کسی نہ کسی ضابطے کی ضرورت ہوتی ہے اس کے سب افراد اسی ایک گھاٹ سے پانی پیتے ہیں اور اپنے تعلقات اور تنازعات میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں عربی میں شرعۃ اور شریعت اس گھاٹ کو کہتے ہیں جس سے سب افرادِ معاشرہ سیراب ہو سکیں قرآن کریم میں ہے۔

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا (پ:۶، المائدہ:۴۸)

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک کو ہم نے ایک دستور اور راہ پر رکھا ہے۔

ان مجموعہ قوانین کی باضابطہ ترتیب دینے کو تشریع کہتے ہیں ہمارا اس وقت کا موضوع یہ ہے کہ اسلام میں تشریع کا آغاز کب ہوا؟

جب سے مسلم معاشرہ قائم ہوا ہے اسی وقت سے اس میں تشریع کا سلسلہ قائم ہے۔ مسلم معاشرے اور تشریع اسلامی نے ایک ساتھ حرکت کی ہے۔ جب سے آغاز وحی ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کا ایک حلقہ بنتا گیا۔ اسلام کی گنتی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے شروع ہوئی اور پھر یہ قافلہ بڑھتا گیا۔

مسلمانوں کا ایک معاشرہ بنا۔ وحی کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا اور معاشرے کا آغاز حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور حضرت عمرؓ پر اسلام کا پہلا چلا پورا ہوا۔ وحی اور معاشرہ ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے ہیں مکہ ہو یا مدینہ، سفر ہو یا حضر، ہجرت ہو یا غار، زندگی ہو یا مزار، معاشرہ وحی کے سائے میں پلتا رہا اور معاشرے کا ہر فرد اسی فضائے نور میں چلتا رہا اور آگے بڑھتا رہا۔

مکہ مکرمہ میں مسلم معاشرے کی اساس مسلمانوں کے عقائد وعبادات اور اخلاق پر

تھی مدینہ منورہ آ کر یہ معاشرہ اپنی پوری توانائی سے پھیلا اور انسانی زندگی کے ہر دائرہ کو محیط ہوا۔ اب اس کا ایک اپنا تمدن تھا اپنی ثقافت تھی اور اپنی سیاست تھی۔ اب اسلام مسلمانوں کی زندگی کا ایک جامع ضابطہ حیات بن گیا تھا۔

اس ضابطہ زندگی کو تکمیل کب ملی؟ تیئس سال کے بعد۔ دین کب مکمل ہوا؟ جب ۹ ذی الحجہ کو عرفات میں جمعہ کے دن آیت الیوم اکملت لکم دینکم اتری اب دین مکمل ہوگیا اور مدینہ منورہ پہنچ کر کچھ دنوں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر آخرت پیش آ گیا۔

اس تیئس سال کے دوران اسلامی نظام زندگی نے کیسے ترتیب پائی۔ قرآن کریم مختلف ضرورتوں اور مختلف تقاضوں پر اترتا رہا اور اس کے اس تدریجی نزول اور حالات کی مناسبت سے اس کا سمجھنا اس وقت کے لوگوں پر آسان رہا صحابہ کو جب کوئی ضرورت پیش آتی تو:

۱۔ یا اس موقعہ پر کوئی آیت نازل ہو جاتی اور مسئلے کی صورت کھل جاتی۔

۲۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ قرآن کی روشنی میں اجتہاد فرماتے۔

۳۔ یا وحی باطنی سے جو قرآن کے علاوہ بصورت معانی آپؐ کے دل میں القاء کی جاتی تھی آپ اس کا جواب دیتے۔ اسی تیسری صورت نے آگے چل کر سنت کا نام پایا۔

صحابہ کرامؓ نے قرآن حضورﷺ سے سنا۔ (دیکھیے پ۴: آل عمران، آیت:۱۶۴) اور وہ اسے آنحضرت سے لکھتے رہے صحابہ کرامؓ نے قرآن آنحضرتﷺ سے دو طرح سے لیا۔

۱۔ لفظاً وتلاوةً اور ۲۔ تعليماً ودلالةً

جب حضورﷺ قرآن کریم کی تعلیم دیتے تو آپؐ پر قرآن کریم کے مضمرات کھلتے اور کبھی آپؐ اجتہاد سے بھی کام لیتے۔ آپؐ کے اجتہاد میں اور دوسرے مجتہدین کے اجتہاد میں اصولی فرق ہے۔ آپؐ کے اجتہاد پر ہمیشہ خدا کی حفاظت کا سایہ رہا اور اوروں کا اجتہاد صواب اور خطا دونوں میں دائر ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں آپؐ کو اجتہاداً اس کا حل نہ ملے تو پھر آپؐ پر جو وحی غیر متلو اترتی رہی آپؐ اس کی رو سے اس کا جواب دیتے تھے۔ اس دور میں تشریع کا ماخذ قرآن وسنت تھے اور انہی کی روشنی میں اسلامی معاشرہ آگے چلتا گیا اور اسلام کا ضابطہ حیات بنتا گیا۔ آنحضرتﷺ کا قرآن کریم کی روشنی میں اجتہاد کرنا بتلاتا ہے کہ آپ نے قانون

کے ماخذ ہونے کے اعتبار سے قرآن کو ہمیشہ اوّلیت دی ہے۔

۱۔فقہ اسلامی کی پہلی بنیاد کہ احکام میں علتِ حکم پر نظر کی جائے۔

اس کے ذیل میں یہ نقوش سامنے آئیں۔

علتِ حکم سامنے رکھ کر عام کی تخصیص:

قرآن کریم کا حکم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (پ۱۰، توبہ آیت:۵) مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو عام ہے جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علتِ حکم پر نظر کرتے ہوئے بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو اس سے مستثنیٰ بتلایا کہ صرف وہی مشرکین لائق قتل ہیں جو مسلمانوں کو ضرر دیتے ہیں اور انہیں قتل کرتے ہیں۔ بوڑھے بچے اور بیمار وغیرہ چونکہ اس ایذاء دہی پر قادر نہیں انہیں اس حکم سے نکال دیا گیا اور اس عام حکم کی تخصیص کردی۔

ابن شہاب زھری کہتے ہیں:

نھی رسول اللہ بعد ذلک عن قتل النساء والولدان

(سنن ابی داؤد کتاب الجہاد جلد۲، ص۳۶۲)

ترجمہ: رسول اللہﷺ نے اس کے بعد عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا۔

اورآپ نے یہ بھی کہا:

لاتقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً صغیراً ولا امرأۃ

ترجمہ: کسی بوڑھے کو جو عمر پوری کیے ہوئے ہو قتل نہ کرنا اور نہ کسی چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو۔

قاضی شوکانیؒ اس استثناء کی علت یہ بیان کرتے ہیں:۔

ان الشیخ المنھی عن قتلہ فی الحدیث الاوّل ھوالفانی الذی لم یبق فیہ نفع للکفار ولامضرۃ علی المسلمین وقد وقع التصریح بھذا الوصف بقولہ شیخاً فانیاً۔

(نیل الاوطار جلد۸، ص۷۳)

ترجمہ: وہ بوڑھا جس کے قتل سے حدیث میں منع کیا گیا ہے وہ شیخ

فانی ہے جس کے وجود سے کافروں کو کوئی نفع نہ ہو اور مسلمانوں کو اس
سے کوئی خطرہ مضرت نہ ہو اور اس وصف کی تصریح حضورe کے اس
لفظ (شیخ فانی) نے کردی۔

یہ کوئی علیحدہ مستقل حکم نہیں ہے یہ اس حکم سے استثناء ہے جو قرآن میں مذکور تھا۔
آنحضرت ﷺ نے اس کی علت پر نظر رکھتے ہوئے افراد مذکورہ کو اس حکم سے
مستثنیٰ قرار دیا۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مشرکین کے قتل کی علت شرک نہیں بلکہ مشرک صرف
مسلمانوں کے خلاف لڑنے اور انہیں ایذاء دینے کے باعث جنگ کے لائق ہیں۔ اسلام
میں عقیدہ ماننے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

حق الٰہی کا حق العباد پر قیاس کرنا:

قبیلہ جہینہ کی ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ میری والدہ نے
حج کی نذر مانی تھی مگر وہ اسے پورا نہ کرسکی اور چل بسی اب کیا میں اس کی طرف سے حج
کرسکتی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا:۔

حجی عنها أرايت لوكان على امک دين اكنت قاضية
اقضوالله فالله احق بالوفاء. (صحیح بخاری جلد۱، ص۲۵۰)

ترجمہ: تو اس کی طرف سے حج کرلے اگر تیری ماں پر کوئی قرض ہوتا
تو کیا تو اسے ادا نہ کرتی؟ اللہ کا حق بھی ادا کرو اللہ کا زیادہ حق ہے کہ
اسے پورا کیا جائے۔

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصل شرعی پر دوسرے مسئلے کو قیاس
کرنے کی تجویز سامنے رکھی ہے۔ یہ حق الٰہی کے حق العباد پر قیاس کیے جانے کی ایک
مثال ہے۔

دو بہنوں پر پھوپھی اور بھتیجی کو قیاس کرنا:

قرآن کریم نے جن رشتوں کو حرام قرار دیا ان میں دو بہنوں کا ایک وقت میں
ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونا بھی حرام ٹھہرایا۔

وان تجمعوا بین الاختین الاماقد سلف. (پ۴، النساء آیت:۲۳)

ترجمہ: اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو مگر جو پہلے ہو چکا (وہ اور بات ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علت حکم پر نظر کرتے ہوئے اسے پھوپھی، بھتیجی، خالہ اور بھانجی تک وسیع فرمایا اور حکم دیا کہ انہیں بھی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔

لایجمع بین المرأۃ وعمتہا ولا بین المرأۃ وخالتہا.

(صحیح بخاری جلد۲، ص۷۶۶)

ترجمہ: کسی عورت اور اس کی پھوپھی کو اور اسے اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔

کسی حکم کی علت کو وہاں تک لے جانا جہاں تک یہ جاسکے اجتہاد ہے پیغمبر کے اجتہاد پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہے اور یہ شان کسی اور کے اجتہاد میں نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے مسائل میں قرآن کی بالادستی کا ہمیشہ اقرار فرمایا اور کئی ایسے مسائل بیان فرمائے جن میں اصولاً قرآن کی روح صاف کارفرما نظر آتی ہے۔

پھر معاشرت میں ضرورت کو بھی بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

۲۔ اسلامی کی دوسری بنیاد اسلام کا نظریہ ضرورت

اس کے لیے بھی کچھ مثالیں سامنے رکھیے۔

۱۔ پردے کے احکام میں غلام اور باندی میں فرق

عورتیں جن کے سامنے بے پردہ آسکتی ہیں ان کا بیان قرآن کریم میں اسطرح ہے:۔

او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النسآء. (پ:۱۸، نور:۳۱)

ترجمہ: یا وہ جن کے مالک ہوئے ان کے داہنے ہاتھ یا خدمت میں رہنے والے جنہیں کوئی مردانہ حاجت نہ ہو یا وہ لڑکے جنہیں ابھی نسوانی سرائر کا علم نہیں ہوا۔

''مالک ہوئے ان کے ہاتھ'' اس میں بظاہر باندیاں اور غلام دونوں داخل ہیں لیکن جمہور ائمہ مردوں کو ان میں داخل نہیں کرتے۔ سورہ احزاب میں ولا ماملکت ایمانھن (پ:۲۲، آیت:۵۵) کے الفاظ بھی موجود ہیں جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ

غلام پاس آجاسکتے ہیں بشرطیکہ انہیں اپنے کام سے غرض ہو مجلس میں بیٹھنے کے لیے نہیں اپنے کام میں لگے رہیں تاہم ضرورت معاشرے کا ایک اہم مسئلہ ہے۔

۲۔ ایک اور مثال سامنے رکھیے۔

قرآن کریم **طوافون علیکم بعضکم علی بعض** (پ:۱۸، النور:۵۸، ع:۸) میں بھی اس فطری رعایت کا تقاضا ملحوظ ہے۔

اب دیکھیئے یہ ضرورت کس دبے انداز میں اس حدیث میں کارفرما ہے۔

کعب بن مالکؓ کی بیٹی کبشہ کہتی ہیں ابوقتادہؓ آپ کے ہاں آئے اور انہوں نے آپ کے لیے وضو کا پانی تیار کیا بلی آئی اور بلی نے پانی میں منہ ڈال دیا۔ ابوقتادہؓ کبشہ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ وہ متعجب ہو کر انہیں دیکھ رہی ہے۔ اس پر حضرت ابوقتادہؓ نے اسے کہا:۔

اتعجبین یاابنة اخی! میری بھتیجی کیا تو حیران ہو رہی ہے؟

اس نے کہا ہاں اس پر حضرت ابوقتادہؓ نے فرمایا:۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال انها لیست بنجس انما هی من الطوافین علیکم و الطوافات.

(سنن نسائی جلد۱، ص۶۳)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلی نجس نہیں ہے یہ تو ہروقت آنے جانے والوں اور گھومنے والیوں میں سے ہے۔

اس طرح کی صورتوں میں سخت احکام نہیں جو عام ضرورتوں میں انسان کو دی جانے والی سہولتوں سے گھبراتے روکیں؟ ان میں اسلام نے انسانوں کو اس سے محروم نہیں رکھا۔

غلام اور کنیز کے بارے میں پردے کی اگر اسی طرح پابندی رہے جیسا کہ عام احرار اور حرائر کے لیے ہے تو ظاہر ہے کہ عام کاروبار اور نظام زندگی میں بہت دشواری واقع ہوگی اس لیے ان کی اجازت دی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے گھروں میں عام آنے جانے کو اس پر قیاس فرما کر باوجودیکہ یہ چوہے خور ہے اس کے جوٹھے کو نجس نہ کہا کہ معاشرے میں یہاں بھی دشواری پیش تھی طوافون علیکم کی فطری رعایت کو طوافات تک وسیع کر دیا شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔ (تفسیر عثمانی ص ۴۷۸، النور ۵۸)

اوقات مذکورہ بالا کو چھوڑ کر جن اوقات میں عادۃً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں ان میں نابالغ لڑکوں یا لونڈی غلام کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسا پابند کرنے میں بہت تنگی اور کاروبار کا تعطل ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

۳۔ فقہ اسلامی کی تیسری بنیاد "تدریج":

انسان جن امور میں مبتلا ہوں ان کی عادت انسان کی آدھی فطرت بن جاتی ہے ان سے انسانوں کو نکالنا اور راہ سنت پر لانا کوئی آسان بات نہ تھی۔ اس میں اسلامی فقہ کی بنیاد تدریج پر رہی کہ درجہ بہ درجہ ان حالات پر قابو پایا جائے۔

۱۔ اثمھما اکبر من نفعھما (پ:۲، البقرہ آیت :۲۱۹، ع:۲۷) شراب کا گناہ اس کے نفع سے کہیں زیادہ ہے۔

۲۔ لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ (پ:۵ النساء، آیت:۴۳، ع:۷) نشے میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

۳۔ یاایھا الذین امنوا انما الخمر و المیسر و الانصاب والا زلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون

(پ:۷، المائدہ آیت:۹۰، ع:۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب گندے کام ہیں شیطان کے، سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعۃً چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا۔ اس لیے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھائی گئی اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے۔ اللھم بین لنا بیاناً شافیاً۔ آخر کار المائدہ کی یہ آیتیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں فھل انتم منتھون تک نازل کی گئیں

حضرت عمرؓ فھل منتھون سنتے ہی چلا اُٹھے انتھینا انتھینا (ہم رک گئے ہم رک گئے)۔ (تفسیر عثمانی ص۱۵۸)

اسلام میں مؤلفۃ القلوب پر خرچ کرنا دائرہ ملت کی وسعت میں ایک تدریجی قدم تھا قرآن کریم میں ہے :۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللّٰہ وابن السبیل فریضۃ من اللّٰہ (پ:۱۰، التوبہ:۶۰)

مؤلفۃ القلوب وہ ہیں جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں وہ کمزور حالت میں ہوں۔ دائرہ ملت وسیع ہونے پر حضور ﷺ کے بعد صدقات کی یہ صورت باقی نہ رہی۔

اسلام میں جہاد کا حکم بھی ایک دفعہ نہیں دیا گیا۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو ان عادات کی تربیت دی گئی جن سے قومیں بنتی ہیں۔ انہیں صبر و تحمل اور بردباری کی تعلیم دی گئی جفاکشی کا عادی بنایا گیا ثابت قدمی اور استقامت کا خوگر کیا گیا تب کہیں مدینہ منورہ میں انہیں لڑنے کی اجازت دی گئی۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللّٰہ علی نصرھم لقدیر۔

(پ۱۷: الحج، ۳۹)

ترجمہ: حکم دے دیا گیا لڑنے کا ان لوگوں کو جن سے لڑتے ہیں کفار بایں وجہ کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔

اور اس کی حکمت بھی ساتھ ہی بیان کردی گئی :۔

ولو لادفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوت ومساجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرا

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو دوسرے بعض کے ذریعے نہ روکے تو ڈھا دیئے جائیں تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بیشتر۔

یہ تدریج (باری باری حکم کا آنا) کبھی تو زمانی رہی کہ اس کے احکام باری باری آئے اور کبھی یہ تدریج ایک حکم کے کامیاب کرنے میں مختلف اعمال میں لپیٹی گئی کہ ان سب

کا بجالانا اس ایک حکم کی شان تکمیل ہو۔ زنا کو حرام ٹھہرایا گیا اور زنا کے جملہ دواعی بھی حرام ٹھہرے گئے عورتوں کو پردے میں رہنے کا حکم دیا گیا۔ غیر محرم عورت پر دوسری ارادی نظر حرام ٹھہرائی گئی۔ ان اُمور کی پابندی زنا کی حرمت کی وہ تدریجات ہیں کہ ان پر عمل پیرا معاشرہ کبھی زنا کے قریب نہ جاسکے گا یہ زمانے کی تدریج نہیں عمل کی تدریج ہے جس میں بہت سے اعمال گھرے ہوئے ہیں۔

فقہ اسلامی کی یہ تین بنیادیں ہیں جو ہم مختلف مثالوں سے آپ کے سامنے پیش کر چکے۔
ا۔علت حکم پر نظر ہو۔ ۲۔لوگوں پر تنگی نہ ہو اور بلاضرورت کوئی پابندی نہ ہو۔
۳۔عمل میں تدریج اور ہم آہنگی ہو۔
اب ایک اور اصول بھی سامنے رکھیے۔

۴۔شریعت میں تقلیل تکالیف:

جہاں تک ہو سکے پابندیاں کم لگیں ہر ایسے انداز زندگی سے بچو جو تم کو زیادہ پابندیوں میں جکڑے یہاں تک کہ حضورﷺ سے زیادہ سوال بھی نہ کرو تاکہ جواباً تم اوراحکام کے پابند کیے جاؤ۔

یاایها الذین امنو لاتسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم وان تسئلوا عنها حین ینزل القران تبدلکم. (پ:۷ المائدہ:۱۰۱)
ترجمہ: اے ایمان والو: (بے ضرورت) سوال نہ کرو کہ جواب آئے اور وہ تمہیں اچھا نہ لگے (تم پر کوئی اور پابندی آجائے) اور اگر تم زمانہ نُزول قرآن میں ان کے بارے میں پوچھو گے تو وہ باتیں تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔

مثلاً تمہارے سوال کرنے پر کوئی چیز تم پر حرام کردی گئی وہ اس سے پہلے مباحات میں تھی۔ تمہارے اس سوال پر تم پر ایک اور پابندی آگئی اگر تم نہ پوچھو تو ہوسکتا ہے کہ یہ باب نہ کھلے اور تمھیں اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حسب سابق اختیار رہے۔

شیخ الاسلام اس آیت پر لکھتے ہیں:۔

ان آیات میں تنبیہ فرما دی کہ جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں

فرمائیں ان کے متعلق فضول اور دوراز کار سوالات مت کیا کرو جس طرح تحلیل وتحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت وبصیرت ہے اس کا سکوت بھی موجب رحمت وسہولت ہے خدا نے جس چیز کو کمال حکمت وعدل سے حلال یا حرام کردیا وہ حلال یا حرام ہوگئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا، عمل کرنے والے اس کے فعل وترک میں آزاد رہے۔ اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود کرید اور بحث و سوال کا دروازہ کھولا جائے گا بحالیکہ قرآن شریف نازل ہو رہا ہے اور تشریع کا باب مفتوح ہے تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جوابات میں بعض ایسے احکام نازل ہوجائیں جن کے بعد تمہاری یہ آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے پھر یہ سخت شرم کی بات ہوگی کہ جو چیز خود مانگ کرلی ہے اسے نبھا نہ سکیں۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۶۱)

آیت مذکورہ میں اس اصول کی طرف رہنمائی کی گئی ہے کہ اپنے آپ کو زیادہ پابندیوں میں لانا مزاج شریعت کے خلاف ہے فقہ اسلامی نہیں چاہتی کہ انسان اپنے اوپر خود اپنے عمل سے کوئی سختی لائے۔

قانون کا تعلق زیادہ معاملات سے ہوتا ہے۔ انسانی سوسائٹی میں انسان اسی حد تک آزاد ہے جس میں کسی دوسرے انسان کا کوئی حق تلف نہ ہوتا ہو، مباحات کی رعایت اس حد تک ہے۔ عبادات شریعت میں پہلے سے طے ہوچکیں، ان میں قانون سازی نہیں کی جاسکتی۔

نوٹ: مباح وہ چیز ہے جس کے کرنے پر تم پر کوئی مواخذہ نہ ہو اور نہ کرنے پر کوئی گرفت نہ آئے عبادات اور نیکیوں کے کسی درجے کا نام مباح نہیں عبادات اور طاعات فرض، واجب، سنت اور مستحب میں دائر ہیں اور ان پر اپنے اپنے درجے میں اجروثواب ملتا ہے کوئی نیکی نہیں جو مباح درجے میں ہو اور کرنے والے کو اس پر ثواب ملے۔ یہاں جن چیزوں کے مباح رکھنے کی طلب سکھائی گئی ہے ان کا تعلق تمام اعمال سے ہے عبادات سے نہیں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں نیکی پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا کیوں کہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے اقرار زنا کیا۔ آپ ﷺ نے منہ دوسری طرف پھیر لیا مطلب یہ ہے کہ جب اس کے اس عمل پر شہادت شرعی قائم نہیں وہ کیوں اپنے اقرار سے اس پر شہادت لا رہا ہے یہ بات علیحدہ ہے کہ انتہاء تقویٰ اسے اس مقام پر لا رہا تھا تاہم حضور ﷺ کے اس عمل سے مزاج شریعت سامنے آیا کہ اللہ تعالیٰ کسی گناہ پر پردہ ڈال دے تو اس کے حضور سچی توبہ سے حاضری دو اور ستر معصیت کرو اپنے لیے ایسی تنگی کا سامان نہ کرو کہ پھر تم اس سے نکل ہی نہ سکو۔

کعب بن عمرو ابوالیسر ایک عورت سے بوس وکنار میں مبتلا ہوا پھر اسے اپنے گناہ کا احساس ہوا وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آیا اور اپنا ماجرا ذکر کیا آپؓ نے فرمایا:۔

استر وتب ولا تخبر احدًا (جامع ترمذی جلد۲، ص۱۳۹ سورہ ہود)

ترجمہ: اپنے گناہ پر پردہ رکھ اور اللہ کے حضور توبہ کر اور اپنے اس کام کو نشر عام نہ کر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حج کا حکم آیا تو ایک شخص نے پوچھا کیا ہر سال حج کرنا ضروری ہے؟ آپؐ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج کرنا لازم آجاتا پھر آپؐ نے فرمایا:۔

ذرونی ماترکتم فانما ھلک من کان قبلکم بکثرۃ سوالھم واختلافھم علی انبیاء ھم فاذا امرتکم بالشئی فخذوابہ مااستطعتم واذا انھیتکم عن شی فاجتنبوہ (سنن نسائی جلد۲، ص۱)

ترجمہ: جب تک میں تمہیں چھوڑے رہوں تم بھی مجھے جانے دو تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاکت کو پہنچیں کہ وہ اپنے پیغمبروں سے بہت سوال کرنے لگیں اور بحثیں کرنے لگی تھیں۔

اس سے شریعت کے مجموعی مزاج کا پتہ چلتا ہے کہ مسلمان اس میں اپنی طرف سے زیادہ پیچیدگیاں اور مشکلات نہ پیدا کرتے جائیں۔

اسلامی قانون انسانی زندگی کی اساس:

اسلام میں قانون کی اساس انسانی ضرورت، معاشرتی سہولت، فطری تقاضوں شرافت انسانی اور اطاعت ربانی کے اصولوں پر رکھی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے

اوامر کے قبیل میں سے ہوں یا نواہی میں سے ان سب میں یہ پانچ اصول کارفرما ملیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جو کچھ فرمایا اور کیا یا اپنے سکوت سے اسے منظوری بخشی۔ ان سب میں ان پانچ باتوں کی رعایت موجود ہے۔

آگے مجتہدین کتاب وسنت کے وسیع دائرہ احکام میں ان پانچ اصولوں کی روشنی میں چلے اور غیر منصوص مسائل کی ہزاروں جزئیات مرتب کر دیں۔ ان کی محنت اللہ تعالیٰ کو اتنی پیاری لگی کہ یہ کسی جزئیہ میں درست بات نہ بھی پاسکیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اجر کا مستحق ٹھہرایا اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین کو نصوص پر بند نہ رکھنا اور انہیں ان میں لپٹے علل واسباب کے ساتھ مسائل غیر منصوصہ تک وسیع کرنا دین کی کامل شان جامعیت اور اس کی آفاقی کفایت کی ایسی شاہراہ ہے جس پر قیامت تک اہل علم کے قافلے چلتے رہیں گے۔ دین میں ان اصولوں کی روشنی میں چلنا تفقہ کہلاتا ہے اور اس کے بل بوتے کہا جاسکتا ہے کہ بنی نوع انسان کی کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کا حل اسلام میں موجود نہ ہو یہ شریعت آفاقی ہے جملہ بنی نوع انسان کو ہمیشہ کے لیے کافی، شرف انسانی کے ہر تقاضے میں وافی اور آخرت میں نجات کا چشمہ صافی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باب اجتہاد خود کھولا مجتہد درجے کے صحابہؓ کو اس کی اجازت دی اور درسگاہ صفہ میں ایک جماعت تیار کی جو آسانی سے اس دروازے سے آجاسکے۔

سب کے سب تو اس درجے میں نہ تھے دوسروں کے لیے راہ عمل یہ ٹھہری کہ وہ ان کے فیصلوں پر عمل کریں صفوان بن سلیم کہتے ہیں حضور ﷺ کے زمانے میں ان چار صحابہؓ کے سوا کوئی فتویٰ نہ دیتا تھا۔

لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر وعلی ومعاذ وابو موسی الاشعری (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان چار صحابہؓ کے سوا کوئی فتویٰ نہ دیتا تھا حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس وقت کے سب مسلمان اس مقام پر نہ تھے کہ غیر

منصوص مسائل میں (حوادث پیش آمدہ میں) از خود اجتہاد کریں بلکہ وہ اکابر صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے تھے اور فتویٰ زیادہ تر انہی حضرات کا چلتا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ صرف یہی چار علم کے اس درجہ پر تھے کئی اور حضرات بھی اس درجے کے تھے مگر وہ اس کام کے لیے زیادہ وقت نہ دے سکے۔ یہ چار حضرات فتویٰ دیتے وقت ساتھ ساتھ دلائل نہ دیتے تھے۔ ان کے فتاویٰ ان کے علم اور تقویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے قبول کیے جاتے تھے۔ صحابہؓ میں جو اہل علم تھے وہ بھی تقلید اعلم کو (زیادہ علم رکھنے والے کی پیروی کو) احتیاط کے زیادہ قریب سمجھتے تھے۔ یہ حضورﷺ کے زمانہ میں چار فقہاء کی پیروی تھی۔ آپؐ کے عہد میں ان کی فقہ کا نور ہر طرف پھیلتا رہا۔ تاہم یہ اپنے اصول فقہ کسی درجہ میں مرتب نہ کر پائے اور نہ اس وقت انہیں آخری شکل دی جا سکتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مفتیوں کا پایا جانا بتلاتا ہے کہ اس وقت سب کے سب صحابہؓ اس مقام پر نہ تھے کہ انہیں مفتیوں کی ضرورت نہ پڑے۔ صحابہؓ میں فقہاء کا وجود بتلاتا ہے کہ ان کے مقلدین بھی اس وقت لاکھوں ہوں گے جو اُن کے فتاوی پر ان کے علم وتقوی پر اعتماد کرتے ہوئے عمل کرتے تھے ہاں یہ صحیح ہے کہ ابھی ان دنوں تقلید شخصی نے راہ نہ پائی تھی اکابر صحابہؓ کی جو پیروی جاری تھی وہ مطلق تقلید کے درجہ میں تھی اصل منبع شریعت تو حضورﷺ کی ذات گرامی تھی لیکن آپ ہر جگہ تو نہیں ہوتے تھے لوگوں کا ہر بات میں حضورﷺ کی طرف رجوع کرنا عملاً بہت مشکل تھا اس ضرورت کو آپ کے عہد میں یہ چار فقہاء پورا کرتے تھے۔ ان ائمہ اربعہ کی پیروی حضورﷺ کی زندگی میں جاری ہوئی اسے آگے آنے والے مجتہدین نے لیا اسلام کے فقہی مذاہب ان کے نام سے نہیں ان کے کام سے چلے ہیں یہ اس لیے کہ ان کے اصول اگلوں نے مرتب کیے اور انہیں جاری کیا۔ یہ صحیح ہے کہ ان کے اختلافات تقریباً وہی ہیں جو انہوں نے صحابہ سے پائے تھے۔

اسلام ایک نظامِ حیات کے آئینہ میں:

اسلام صرف عقیدہ اور چند شعائر دین کا ہی نام نہیں بلکہ یہ ایک اجتماعی تمدن ہے جس میں اسلام کی ایک اپنی شوکت وصولت ہے اس کی رو سے اسلام کو ایک اساسی علمی اور سیاسی غلبہ چاہیے لیظھرہ علی الدین کلہ۔ یہ غلبہ پہلے تاریخی مرحلہ میں محض اللہ کے فضل

سے عمل میں آیا اور اس کا علمی پہلو نبوت سے روشن ہوا پھر خلفائے راشدینؓ کے دور میں اس کے سیاسی امور ترتیب پاتے رہے یہاں تک کہ اسلام نے شریعت کے مطابق دوسری قوموں کو بھی امن کے عہد و پیان دیے اور اسلام سرکاری سطح پر ایک کامل بین الاقوامی قانون کی حیثیت سے سامنے آیا تاریخ کا یہ وہ دور ہے جب فقہائے اسلام نے پورے نظام اسلام کو ایک عالمی تدوین بخشی اور اسے ایک عالمی حیثیت سے اجاگر کیا اسلام کے یہ ابواب سیر ہیں۔

اب فقہاء کے ہاں دنیا دو حصوں میں منقسم تھی ا۔ دارالاسلام ۲۔ دارالحرب۔ دارالحرب سے مراد صرف لڑائی کا میدان نہیں مطلق دارالکفر بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ جس طرح دنیا میں دو ہی طرح کے انسان ہیں ا۔ مسلم اور ۲۔ کافر لقولہ تعالیٰ ھو الذی خلقکم فمنکم کافرومنکم مؤمن (پ ۲۸، التغابن) دنیا اب بھی دو حصوں میں منقسم ہے دارالاسلام اور دارالحرب ہاں شافعی حضرات نے ایک تیسرا منطقہ بھی تجویز کیا ہے جسے دارالصلح یا دارالعہد کہتے ہیں لیکن فقہاء حنفیہ اس کا وجود تسلیم نہیں کرتے وہ کہتے ہیں دارالکفر کے لوگوں نے اگر اسلامی سلطنت کو سالانہ جزیہ دینے کا عہد باندھ لیا اور اسلامی شوکت تسلیم کر لی تو اب ان کا علاقہ دارالعہد نہیں دارالاسلام سمجھا جائے گا اور مسلمانوں پر ان کی بھی حفاظت لازم ٹھہرے گی۔

واشنگٹن کی جونز ہوپکنز یونیورسٹی کے ڈاکٹر مجید خدوری لکھتے ہیں:۔

ان الاسلام لیس مجرد مجموعة من الفکر والشعائر الدینیة بل هوالی جانب ذلک مجتمع سیاسی له سلطة مرکز یه وهذه السلطة کانت فی بادی امرها مستمدة من اللّٰه وظیفتها تنظیم امورالامة السیاسیة وعلا قاتها مع العالم الخارجی وفقاً للشرع. (القانون الدولی الاسلامی کتاب الیسر ص ۲۰)

ترجمہ: اسلام صرف ایک فکر اور چند شعائر دین کا نام نہیں بلکہ وہ ایک سیاسی نظم بھی ہے جسے ایک مرکزی قوت حاصل ہو۔ یہ غلبہ اپنے پہلے مرحلہ میں خدا کی مدد سے عمل میں آیا اور اس کی ذمہ داری اس امت کے سیاسی امور کی تنظیم اور اس کے عالمی سطح پر دوسری قوموں سے شریعت کے موافق سیاسی تعلقات میں مضمر رہی۔

اقالیم سبعہ اسلام کی نظر میں دوحصوں میں:

جمہور فقہاء کی نظر میں دنیا دو ہی حصوں میں منقسم ہے فقہاء حنیفہ دارالاسلام اور دارالحرب کے سوا کسی تیسرے منطقے کے قائل نہیں ڈاکٹر مجید خدوری لکھتے ہیں:۔

لم یاخذ جمیع الفقهاء بالنظریة التی تقسم العالم الی قسمین دارلااسلام ودارالحرب ولاسیما فقهاء المذهب الشافعی الذین افترضوا وجود منطقة ثالثة هی دارالصلح اودارالعهد ولکن معظم الفقهاء ولا سیما فقهاء المذهب الحنفی لم یعترفوا بدارالصلح وحجتهم فی ذلک انه متی عقد سکان الاقلیم معاهدة الاسلام ودفعوا الجزیة فانهم یصبحون بذلک ضمن دارالاسلام وعلی الاسلام ان یضمن لهم الحمایة. (ایضاً ص۲۳)

ترجمہ: دنیا کی تقسیم دارلااسلام اور دارالحرب کے دومنطقوں میں رہے سب فقہاء اس نظریہ کے قائل نہیں خاص طور پر فقہاء مذہب شافعی جنہوں نے ایک تیسرا منطقہ تجویز کیا ہے دارالصلح یادارالامن لیکن جمہور فقہاء خاص کر فقہاء مذہب حنفی اس دارالصلح کے تصور سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب کسی علاقہ کے لوگوں نے مسلمانوں سے ایک عہد باندھا اور جزیہ ادا کیا تو اب وہ اس غلبہ اسلام کے اعتراف سے دارالاسلام کے ضمان میں آگئے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ اب ان کی پوری حفاظت کریں۔

تقسیم عالم صرف تقلید پر قائم ہے:

تقسیم عالم کے یہ دونوں نظریے کتاب وسنت میں کہیں صریح طور پر مذکور نہیں سو یہاں تقلید سے چارہ نہ تھا فقہا اسلام نے انہیں اپنے ائمہ سے کتاب وسنت کے حاصل کے طور پر نقل کیا ہے کوئی حکومتی قانون بلاتقلید فقہاء مرتب نہیں ہوسکتا اور ظاہر ہے کہ حکومتی سطح پر جو وثاقت اور رزانت فقہ حنفی کو حاصل ہے کسی اور فقہ کو حاصل نہیں فقہ حنفی کی تدوین سے

پہلے اس موضوع کے مسائل صرف کتاب الجہاد اور کتاب الامارہ کے تحت ملتے تھے فقہ حنفی نے انہیں کتاب السیر کے عنوان سے فقہ اسلام کا ایک مستقل موضوع ٹھہرایا۔ فاضل خدوری لکھتے ہیں:۔

ان النظرية التقليدية للقانون الدولى الاسلامى نظرية لاتقوم على نصوص صريحة من القران الكريم ولا على الاحاديث النبوية الشريفة ولكن جواهر القوانين الاساسية التى يتضمنها القانون الدولى الاسلامى مستمد من هذين المصورين القران الكريم والحديث الشريف واحرى بنا ان نقول ان هذا القانون جاء نتيجة لاجتهاد فقهاء المسلمين.

(القانون الدولی الاسلامی ص۳۰)

ترجمہ: اسلام کے سرکاری قانون کا یہ تقلیدی نظریہ ایسا نظریہ ہے جو قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی نصوص صریحہ پر مبنی نہیں لیکن وہ ان بنیادی قوانین کا جوہر ہے جن کو اسلام کا سرکاری قانون شامل ہے۔ یہ قرآن کریم اور حدیث شریف سے سند یافتہ ہے بلکہ ہمیں یوں کہنا چاہیے کہ سلطنت اسلام کا یہ سرکاری قانون فقہاء اسلام کے اجتہاد سے ہی قائم ہوا ہے۔

یہ صورت حال بتلا رہی ہے کہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ ایک باضابطہ قانون کی شکل تبھی اختیار کرتے ہیں جب وہ ایک فقہ کی صورت میں مرتب ہوں کیونکہ قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ بہت کم ضابطوں کو پیش کرتی ہیں یہ کام فقہاء کا ہے کہ ان کی روشنی میں وہ کسی ملک کا قانون مرتب کریں اور مسائل منصوصہ کو مسائل غیر منصوصہ کی وسعت میں لے جائیں۔

دنیائے اسلام میں حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اسلام کے امور سلطنت کو کتاب السیر کی شکل دی اور اس پر سیر صغیر اور سیر کبیر دو کتابیں لکھیں ان سے پہلے حضرت امام ابوحنیفہ اس موضوع کی تدوین فرما چکے تھے لیکن وہ جوہرہ قیمہ وقت کی سیاسی تنگ وتاز میں محفوظ نہ رہ سکا۔ امام اوزاعی اور امام ابویوسف کی بھی اس موضوع پر معرکہ

آرائی رہی لیکن فقہ حنفی کی ظاہر الروایہ میں حضرت امام محمدؒ کی یہ دونوں کتابیں اصل کا درجہ رکھتی ہیں بلند پایہ فقہاء احناف نے ان کی شرحیں لکھیں اور حق یہ ہے کہ فقہ حنفی وہ مجموعہ قوانین ہے جس نے مسلمانوں کو اصول جہانبانی سکھائے۔ اور یہ سب فیضان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی تھا۔

محمد یعنی وہ حرف نخستین کلک فطرت کا
محمد یعنی وہ امضائے توقیعات ربانی
وہ رابط عقل فطرت کو کیا شیر و شکر جس نے
وہ فاروق زہد سے جس نے مٹایا داغ رہبانی

یہ اس فقہ کی وسعت ہے جس کے بل بوتے آج مسلمانوں کا یہ دعویٰ کسی ایوان میں مسترد نہیں ہوا کہ اسلام میں ایک مکمل ضابطہ قانون ہے گو آج امام محمد ہم میں نہیں لیکن ان کے ابواب السیر رہتی دنیا تک قانون الدولی الاسلامی کو روشنی بخشتے رہیں گے۔

مجتہد لوگ مر نہیں سکتے
علم کی تہ میں وہ ہی چلتے ہیں
ان کے نقش قدم سے صدیوں تک
منزلوں کے چراغ جلتے ہیں

واشنگٹن کے ڈاکٹر مجید خدوری نے ان الفاظ میں حضرت امام محمد کو خراج تحسین پیش کیا ہے:۔

یعتبر محمد بن الحسن الشیبانی افضل فقیه عالج موضوع السیر مع العلم انه لم یکن اوّل من عنی بامر ها ولم تکن احکام السیر قبل عهده قد جمعت بعد بشکل مجموعة قوانین تدرس علی انهافرع منفصل عن الشرع کان موضوع السیر قبل یعالج فی کتب الفقه تحت عنوان الجهاد ولم یکن من المواضیع التی کانت تستهوی دراسی الشریعة فی طورها التکوینی. (القانون الدولی الاسلامی ص ۳۴)

ترجمہ: امام محمد سب سے بہترین فقیہ سمجھے گئے ہیں جو سیر کے موضوع

پر یہ بات جانتے ہوئے آئے کہ وہ پہلے شخص نہیں جو اس موضوع کے
درپے ہوئے ہوں۔ آپ سے پہلے سیر کے ابواب اس مجموعہ قوانین
کی شکل میں جمع نہ تھے کہ انہیں پڑھایا جائے ایسے کہ یہ شاخ شجر
اسلام کی فرع دکھائی دے آپ سے پہلے کتب فقہ میں سیر کا موضوع
جہاد وغیرہ کے عنوان سے سامنے آتا تھا اور یہ ان موضوعات میں سے
نہ تھا جو درایۂ شریعت کو اس کے تکوینی پیرایہ میں اپنے اندر لے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ امام ابو یوسف پہلے امام ابو حنیفہ کا نقشہ سلطنت اسلامی کتاب الاصل میں دے چکے تھے امام ابو یوسف نے خود اسلام کے مالی نظام کی جو تفصیل کتاب الخراج میں پیش کی ہے وہ اسلام کے تصور سلطنت کی روح ہے لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ امام محمدؒ ان تمام فقہاء میں جو آپ سے پہلے اس کھیتی میں بیج بوتے رہے آگے بڑھ گئے فاضل خدوری لکھتے ہیں:۔

تکاد مولفات الشیبانی تتناول جمیع نواحی الشریعة و
بصورة واسعة شاملة تفوق جمهورالفقهاء والذین سبقوه
فی هذاالحقل وفی معظم مؤلفاته الفقهیّه یاتی الشیبانی علی
ذکر نبذ تتعلق بالسیر بوجه عام واحیانا بوجه خاص یتنا ول
فیهاناحیة معینة من نواحی هذا الموضوع.

(القانون الدولی الاسلامی ص٥٦)

ترجمہ: امام محمد کی تالیفات شریعت کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمیٹتی
نظر آتی ہیں اور اپنی وسعت میں پہلے تمام فقہاء کی کوششوں کو پیچھے
چھوڑتی ہیں جنہوں نے پہلے سیر کی کھیتی میں فقہ کے بیج بوئے امام محمد
اپنی تمام بڑی کتابوں میں بعض ابواب سیر کا ذکر عام پیرایہ میں کرتے
ہیں اور کبھی خاص پیرایہ میں جو اس موضوع کے کسی خاص حصہ کو
ہر طرف سے شامل رہے۔

امام محمدؒ کے ہاں اساس سلطنت اسلامی زیادہ اختلافات کی متحمل نہیں ہے اسلام کے نظام عبادات میں بے شک بہت وسعت رکھی گئی ہے اس میں بندے کا تعلق خدا سے

غالب رہتا ہے لیکن سلطنت اسلامی کی اساس ایک قوم کے آفاقی معاشرہ پر رکھی گئی ہے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ وحدت کی ضرورت ہے اس میں پھر جتنی کثرتیں ہوں وہ ایک خلافت کے تحت ایک ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کا جو اختلاف آداب عبادات میں ہے وہ آداب سلطنت میں نہیں ہے یہاں ایک قوم بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ وحدت ہے عبادات اور سیر میں یہ ایک جوہری فرق ہے۔

یہ تفصیل ہم نے اسلام کے تصور سلطنت پر گذارش کی ہے اسلام کے آثار تشریع میں اسے جاننے کی بہت ضرورت ہے مسلمانوں میں یہ نظام کیسے مدون ہوا یہ تفصیل آپ کو تدوین فقہ میں ملے گی پھر اس پر تاریخ کے مختلف ادوار میں کون کون سی کتابیں لکھی گئیں ان کا تعارف آپ کو کتب فقہ کے ذیل میں ملے گا یہاں ہم اپنے مقدمہ کو ختم کر کے اپنے اصلی سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

مؤلف

خالد محمود عفا اللہ عنہ

ضرورت فقہ

انحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ جس طرح قرآن کے بعد سنت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح کتاب وسنت کے بعد مسائل غیر منصوصہ کی دریافت کے لیے فقہ کی بھی ضرورت ہے پھر صرف مسائل غیر منصوصہ میں ہی نہیں منصوص مسائل میں بھی جب کبھی روایات مختلف ملتی ہیں کوئی پہلے دور کی اور کوئی پچھلے دور کی تو ان میں تطبیق کی راہ دریافت کرنا اور احکام کو نکھارنا یہ بھی فقہ کے بغیر میسر نہیں آسکتا۔

اپنے پاس نصوص کتنی ہی کیوں نہ ہوں جس قوم کے پاس فقہ نہ ہو وہ ان نصوص سے کبھی اپنا ضابطہ قانون مکمل نہیں کرسکتی مسلمانوں میں ایک گروہ اس کام کے لیے رہنا چاہیے جو فقہ مرتب کریں لوگ ان کی طرف رجوع کریں اور یہ حضرات انہیں حکم شریعت بتاسکیں نصوص کتاب اللہ کی ہوں یا حدیث کی گنتی میں آسکتی ہیں مگر روز روز اٹھنے والی انسانی ضرورتیں لامحدود ہیں وہ گنتی کی نہیں آخر ان کا بھی تو کوئی حل چاہیے اسکے بغیر کسی ضابطہ عمل میں جامعیت پیدا نہیں ہو پاتی۔

فقہ کی ضرورت سب سے پہلے کس کے ذہن میں ابھری؟

اس صورت حال کا احساس سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہن میں آیا۔ کب؟

جب آپ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کررہے تھے آپ نے ان سے پوچھا جب تمہارے پاس مقدمات آئیں گے تو تم کس طرح فیصلے کرو گے؟ اور آپ نے پھر ان سے یہ سوال بھی کیا اگر تمہیں ان کا حکم کتاب وسنت میں نہ ملے تو تم کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا میں اس صورت میں اجتہاد کرونگا (فقہ اجتہاد کے ثمرہ کا ہی دوسرا نام ہے) حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے انکے اس جواب پر خوشی کا اظہار فرمایا اور اس صحیح جواب پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اس سے صاف پتہ چلا کر فقہ کی ضرورت پڑے گی اس کا احساس سب سے پہلے حضور کے ذہن میں ہی اٹھا تھا۔

اس سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ قرآن وسنت اپنی نصوص سے تمام آفاقی اور آنے والی ضرورتوں پر مشتمل نہیں ہیں کچھ ایسے مسائل اور تقاضے بھی ہوں گے جن کا حکم ہمیں کتاب وسنت میں نہ ملے گا اس صورت میں ایک تیسرے ماخذ علم کی مسلمانوں کو عام ضرورت ہوگی ظاہر ہے کہ اب اجتہاد اور فقہ کی ہی ایک راہ ہے جس سے کتاب وسنت کی شاہراہ قیامت تک کے انسانوں کی ہر ضرورت کو پورا کر سکے گی۔ سو علم کے ماخذ یہ تین ہی ہیں۔ کسی مسئلے پر مجتہدین کی اجتہادی رائے اگر ایک ہی ہو تو اسے اجماع کا نام دیا جاسکتا ہے۔ سو اس پیرائے میں یہ ماخذ علم چار ہو گئے۔

۱۔ آیت محکمہ ۲۔ سنت قائمہ ۳۔ اجماع ۴۔ اجتہاد

جن میں پہلے تین کتاب وسنت اور اجماع مسلمانوں کے لائق قبول ہوں گے چوتھے نمبر میں مجتہدین کی راہیں مختلف ہو سکتی ہیں۔

کبھی نص کے سامنے بھی دوسرے عمل کی صورت نکل آتی ہے:

تنگ نظر لوگ کبھی ایک حدیث کو اپنے ظاہر پر بند کر دیتے ہیں اور اسمیں کسی وسعت عمل کی راہ نہیں دیکھتے لیکن مجتہد کی نظر کبھی اس میں بھی علت حکم کو دیکھ لیتی ہے اور اس کا حکم نص کے مقابل نہیں اس کے سامنے ایک وسعت عمل کی صورت میں ظہور کرتا ہے صحیح حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں اپنا سیاسی جانشین بہ طور عبارت کسی کو مقرر نہ فرمایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کھلے اور واضح عمل کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا اس پر کچھ تنگ نظر لوگ تھرا اٹھے اور کہا کہ دیکھو حضرت ابوبکرؓ ایک واضح حدیث کے ہوتے ہوئے اپنی رائے پر کیوں آگئے ہیں؟ نص کے مقابل قیاس کسی طرح جائز نہیں بصیرت سے دیکھا جائے تو حضرت ابوبکر کا یہ موقف ہرگز کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہے مجتہدین ضرورت کے وقت علت حکم کو اسطرح دیکھ لیتے ہیں جسطرح جوہری دور سے ہیرے کی جودت کو دیکھ

لیتا ہے اسلامی فقہ اس دور کی نظر کا ہی ایک جوہری سرمایہ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ عمل حضورؐ کے عمل کے بالمقابل نہ تھا علت عمل پر نظر کرتے ہوئے اس باب میں وسعت عمل کی ہی ایک شاہراہ تھی جس پر حضرت عمرؓ اپنے جانشین کو چھ ناموں میں رکھ کر اپنے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے اسلام میں ہر ضرورت کے وقت فقہ کو اس کا اپنا حق دیا جاتا ہے اور اس سے اسلام کے آفاقی قانون کی ایک جامعیت ظاہر ہوتی ہے۔

اب ہم اس پر قرآن کریم سے یہ چند آیات ہدیہ قارئین کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں فقہ کی ضرورت کا بیان:

وما کان المؤمنون لینفروا کافة فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهو ا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون (پ:۱۱، التوبہ، ۱۲۲)

ترجمہ: اور ایسے تو نہیں کہ سب مسلمان جہاد میں نکل کھڑے ہوں سو کیوں نہ نکلا ہر طبقے سے ایک گروہ جو دین میں تفقہ پیدا کرے (فقہ سنت سیکھیں) اور پھر اپنے لوگوں کے پاس جب وہ واپس پہنچیں تو انہیں خبر دیں تا کہ وہ بچیں (زندگی کی غلط راہوں سے)

قرآن کریم کا یہ حکم کہ امت میں ایک گروہ فقہاء کا ضرور رہنا چاہیے اس فطری تقاضے کو پورا کرتا ہے کہ جو خود اس مرتبے کے نہ ہوں وہ ان فقہاء پر اعتماد کریں اور ان سے دین لیں۔ اجتہاد اور تقلید کی یہی اساس ہے اور ہر شخص مجتہد بنے یہ بھی تو ہو نہیں ہوسکتا۔

امور سلطنت کے بارے میں بھی فرمایا کہ خود فیصلے نہ کرنے لگو امن وخوف کی جب کوئی بات تمہیں پہنچے تو ان لوگوں تک پہنچاؤ جو اہل استنباط ہوں بات سے بات نکال سکیں اور جو خبر انہیں پہنچے وہ اُس کی گہرائی میں اتر سکیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

واذاجاء هم امر من الامن اوالخوف اذاعوابه ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم. (پ:۵ النساء:۸۳)

ترجمہ: اور ان کے پاس جب کوئی امن یا خوف کی بات پہنچے تو وہ اسے یونہی مشہور کیے دیتے ہیں اور اگر وہ اسے اللہ کے رسول کی طرف اور اپنے اولی الامر کی طرف لوٹا دیتے۔ تو جو لوگ ان میں اہل استنباط ہیں وہ اسے سمجھ پاتے (کہ بات کیا ہے)

قرآن کریم کی رو سے استنباط کی حجیت:

قرآن کریم نے استنباط واجتہاد، بات سے بات نکالنے اور حقیقت تک رسائی پانے کی ہر جگہ راہ کھولی ہے اہل حکومت اپنے مسائل میں مجتہد ہیں اور فقہاء کرام شریعت میں مجتہد ہیں دونوں اپنے اپنے دائرہ میں اولی الامر ہیں اور عوام امت کو حکم ہے کہ ہر دائرہ زندگی میں وہ اپنے اولی الامر کے پیچھے چلیں نظم سلطنت میں وہ ارکان سلطنت کی بات مانیں اور نظم شریعت میں فقہاء ومجتہدین کی۔ دونوں طرف اپنے اپنے دائرہ عمل کے اولی الامر ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ اس آیت پر لکھتے ہیں:۔

فثبت ان الاستنباط حجة والقياس اما الاستنباط اوداخل فيه فوجب ان يكون حجة اذاثبت هذا فنقول الاية دالة على امور احدها ان فى احكام الحوادث مالا يعرف بالنص بل باالاستنباط وثانيتها ان الاستنباط حجة وثالثها ان العامى يجب عليه تقليد العلماء فى احكام الحوادث.

(تفسیر کبیر امام رازی جلد ۳، ص ۲۷۲)

ترجمہ: اس سے ثابت ہوا کہ استنباط حجت شرعی ہے اور قیاس یا تو استنباط ہی کا نام ہے یا وہ اس میں داخل ہے سو ضروری ٹھہرا کہ یہ حجت ہو جب یہ ثابت ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ اس آیت سے کئی مسئلے نکلتے ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ بعض ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ ان کا حکم نصوص میں دکھائی نہیں دیتا ان کا حکم استنباط سے جانا جاتا ہے دوسری بات یہ کہ استنباط حجت ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ عامی پر علماء کی تقلید احکام حوادث میں واجب ہے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب کو یہاں تسلیم کرنا پڑا ہے کہ قرآن کی رو سے قیاس جائز ہے اور علم کی ایک وہ قسم بھی ہے جو استنباط سے حاصل ہوتا ہے:۔

فی الایة اشارة الی جواز القیاس وان من العلم مایدرک بالاستنباط (تفسیر فتح البیان جلد۲، ص۲۱۹)

ترجمہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ قیاس جائز ہے اور علم وہ بھی ہے جو استنباط سے حاصل ہوتا ہے (اسے ہی فقہ کہتے ہیں)

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ قیاس شرعی استنباط کا ہی دوسرا نام ہے اور یہ کوئی بری چیز نہیں۔

تقلید اولی الامر کی دوسری دلیل:

یاایھا الذین امنو اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم. (پ:۵ النساء: ۶۹)

ترجمہ: اے ایمان والو: تم کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو اس کے رسول کا اور ان کا جو اولی الامر ہوں تم میں سے۔

اولی الامر سے مراد اہل العلم والفقہ:

اولی الامر کی تفسیر قرآن کریم میں سورۃ نساء کی آیت ۳۸ کی روشنی میں اہل استنباط سے کی گئی ہے سو گو اولی الامر میں اہل حکومت بھی شامل ہیں لیکن پہلے درجہ میں اس سے مجتہدین ہی مراد لیے گئے ہیں۔ حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

ووجه تخصیص المجتهدین انه جاء فی الایة الثانیة ولوردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم ففسر اولی الامر باهل الاستنباط وهم المجتهدون. (احکام القرآن جلد۲، ص۲۵۶)

ترجمہ: اور اولی الامر کی مجتہدین سے تخصیص کی وجہ دوسری آیت ہے جس میں کہا گیا ہے اور اگر یہ لوگ اپنے معاملہ کو اللہ کے رسول اور اپنے اولی الامر کی طرف لوٹاتے تو ان میں جو مجتہد ہیں وہ اس

کے حکم کو پالیتے سو اولی الامر سے مراد اہل استنباط ہیں اور وہ مجتہدین ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی منزلت علمی سے کون واقف نہیں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مرتبہ علمی کو کون نہیں جانتا یہ دونوں بزرگ فرماتے ہیں اولی الامر سے مراد اہل الفقہ ہیں (المصنف لابن ابی شیبہ جلد۶، ص۴۱۸) اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی پیروی امت پر واجب کی ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا امیر اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو وہاں کا صدر مدرس بنا کر بھیجا اور اہل کوفہ کو لکھا کہ تم ان دونوں کی اقتداء کرنا۔ اس سے پتہ چلا کہ حکام بھی اولی الامر میں آتے ہیں اور فقہاء بھی۔ انتظامی امور میں تم امراء کی بات مانو اور علمی امور میں فقہاء کی پیروی کرو۔ آپ نے اہل کوفہ کے نام لکھا:۔

انی قد بعثت الیکم بعماربن یاسر امیرا وعبداللّٰہ بن مسعودمعلما ووزیراو ھما من النجباء من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اھل بدر فاقتدو ابھما واسمعوا من قولھما۔ (اعلام الموقعین جلد۲، ص۲۱۹)

ترجمہ: میں تمہاری طرف عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو (علی الترتیب) امیر اور معلم بنا کر بھیج رہا ہوں اور یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے اونچے درجہ کے صحابہ میں سے ہیں اور اہل بدر میں سے ہیں تم (اپنے اپنے دائرہ میں) ان دونوں کی پیروی کرنا اور ان کی اطاعت کرنا اور ان کے قول کو لینا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولی اولامر کے قول کو لینا ہرگز کوئی تعجب کی بات نہیں جو لوگ اس لفظ سے چڑتے ہیں انہیں حضرت عمر کے اس حکم پر غور کرنا چاہیے۔

اکابر تابعینؒ کی شہادت:

تابعین کرامؒ میں حضرت مجاہدؒ (۱۰۰ھ) حضرت حسنؒ بصری (۱۱۰ھ) اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ (۱۱۴ھ) صف اول کے مفسرین ہیں ان سے اولی الامر کی تفسیر سنیے

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں۔

اصحاب محمد ...... وربما قال اولو االعقل والفقه فی دین الله. (المصنف لابن شیبہ جلد۶،ص۳۱۸)

ترجمہ: اس سے مراد حضورؐ کے صحابہ کرام ہیں اور کئی دفعہ اسے اس طرح بھی بیان کیا کہ اس سے اہل علم اور اہل فقہ دین پر عبور رکھنے والے مراد ہیں۔

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں:۔

اولی الامر اولوا العلم والفقه. (سنن دارمی ص۸۳ بیروت)

حضرت ابوبکر جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) حضرت قتادہؒ (۱۱۸ھ) اور ابن ابی لیلیٰؒ (۱۴۸ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

هم اهل العلم و الفقه. (احکام القرآن جلد۲،ص۲۱۵)

ابو العالیہ (۹۰ھ) نے بھی اس آیت کی تفسیر آیت استنباط کی روشنی میں کی ہے اور آپ نے کہا ہے کہ اس سے مراد علماء ہیں جو احکام کا استنباط اور استخراج کرسکیں۔

واستدل علیه ابوالعالیة بقوله تعالیٰ ولوردوه الی الرسول والی اولی الامرمنهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم فان العلماء هم المستنبطون المستخرجون للاحکام.

(روح المعانی جلد۵،ص۶۵ طبع جدید)

اولی الامر کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ کا ارشاد:

حافظ جصاص رازیؒ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرکے لکھتے ہیں:۔

عن ابی هریره الهم امراء السرایا ویجوزان یکونواجمیعاً مراد ین بالأیة لان الاسم یتنا ولهم جمیعاً لان الامراء یلون امرتد بیرالجیوش و السرایا وقتال العدوو العلماء یلون حفظ الشریعة وما یجوز وما لایجوز.

(احکام القرآن جلد۲،ص۲۱۰)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ اولی الامر سے مراد لشکروں

کے امراء ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں (امراء اور علماء)
دونوں مراد ہوں کیوں کہ اولی الامر کا اسم ان سب کو شامل ہے امراء
ہی لشکروں کی تدبیر اور دشمنوں سے جنگ کرنے کے والے ہیں اور
علماء حفظ شریعت اور یجوز ولایجوز (مسائل فقہ) کے والی اور اہل
ولایت ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں حضرت امام احمد (۲۴۲ھ) سے اسے اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

قال ابن عباس وجا بر والحسن وابو العالية وعطاء
والضحاک ومجاهد والامام احمد هم العلماء. (الجنہ ص ۴)

اس تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام میں قانون سازی کا مدار قرآن وحدیث کے ساتھ فقہ پر ہے فقہ ہی ہے جس سے قرآن پاک کی مختلف آیات میں تطبیق کی راہیں کھلتی ہیں اور فقہ ہی ہے جس سے حدیث کے مختلف مضامین آپس میں ترتیب پاتے ہیں۔ اسلامی قانون سازی میں کتاب وسنت اس کے پہلے ماخذ ہیں اور فقہ ودانش ان کے ساتھ ساتھ شامل رہی ہے۔ آیات کے اختلاف کو حل کرنا اور احادیث کے اختلافات کو ترتیب دینا یہ کام علم اصول کے بغیر انجام نہیں پاتا۔ ہاں مسائل غیر منصوصہ مستنبطہ من الکتاب والسنة جنہیں جزئیات فقہ کہتے ہیں ان کا نمبر کتاب وسنت کے بعد ہے مسائل منصوصہ اور مسائل غیر منصوصہ مستنبطہ کو اپنے اپنے درجہ میں رکھا جائے گا۔

ہم اس وقت اجتہاد پر بات کر رہے ہیں۔ ہم نے یہ بات تفصیل سے آپ کے سامنے رکھ دی ہے کہ قرآن کریم مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کی راہ بتلاتا ہے جو لوگ مجتہد ہیں وہ اس امت کے اولی الامر ہیں اور امت پر ان کی پیروی لازم ہے اس میں صرف یہ دو باتیں ملحوظ رکھنی ضروری ہیں ایک یہ کہ وہ مجتہد معروف درجے کے ہوں ہر ایرے غیرے کو مجتہد نہ سمجھ لیا جائے۔ دوسری بات یہ کہ فقہاء کا کوئی استخراج اور استنباط کتاب وسنت کے کسی فیصلے سے نہ ٹکرائے کچھ بھی ہو فقہ کا مقام کتاب وسنت کے بعد ہے کتاب وسنت کی توضیح وتطبیق میں فقہ انکے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔

فقہ کا اسلام میں کیا مقام ہے ہم یہاں اسکی بھی کچھ تفصیل کیے دیتے ہیں۔

مقامِ فقہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

قرآن وحدیث کے بالمقابل کوئی تیسری چیز نہیں فقہ کا مقام قرآن وحدیث کے بعد تیسرا ہے یہ قرآن وحدیث کے مقابل کی کوئی چیز نہیں انکے ضمن میں یہ انہی کا ایک اجتہادی پھیلاؤ ہے۔ فقہ کتاب وسنت سے ہی کشید ہوتی ہے۔

قرآن کریم کا یہ فیصلہ کہ اس امت میں تفقہ فی الدین کی اشد ضرورت ہے اور چاہیے کہ ایک جماعت فقہ میں لگی رہے اور دوسرے ان سے ان احکام کو اخذ کریں۔ یہ بات اب کھل کر آپ کے سامنے آچکی ہے اس کی رو سے فقہ کتاب وسنت کا غیر نہیں انہی کی گہرائی میں لپٹے مضامین کا نمایاں ہوکر سامنے آنا ہے۔ سو فقہ الٰہی ہدایت اور نبوی شریعت کی ہی ایک استخراجی صورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم بھی مسلمانوں کو فقہ کا احساس دلاتا ہے اور بتلاتا ہے کہ کتاب وسنت کی صحیح مراد سمجھنے کے لیے بھی فقہ کی ضرورت ہے۔

اجتہاد سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ کتاب وسنت کا ایک پھیلاؤ ہے یہ کتاب وسنت پر کوئی اضافہ نہیں ہے آنحضرت ﷺ کی نبوت اس میں جاری وساری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ صراحت سے فرما گئے وہ بھی آپ کی شریعت ہے اور جو بات نئے حالات کی پیش آمدہ ضرورتوں میں قرآن وسنت کی گہرائیوں میں لپٹی ملے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی شریعت شمار ہوگی البتہ یہ ضروری ہے کہ استنباط کرنے والا مجتہد ہو عام آدمی نہ ہو مجتہد صرف مظہر ہوتا ہے وہ اپنے استنباط کردہ مسائل کا موجد نہیں ہوتا۔ دین میں کسی چیز کا ایجاد کرنا اسکی اجازت کسی امتی کو کو ہرگز نہیں ہے۔

قرآن کریم کی رو سے فقہ کا مقام:

قل کل من عند اللہ فما لھؤلاء القوم لایکادون یفقھون

حدیثا (پ:۵، النساء:۷۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیں ہر اچھائی اور برائی اللہ کے فیصلے سے ہے کیا ہو گیا ان لوگوں کو کہ بات سمجھنے کا سلیقہ نہیں رکھتے۔

حدیث بات ہے اور اسے سمجھنے کا سلیقہ فقہ ہے۔ حدیث کے لیے فقہ درکار ہے اور بدوں اس کے لوگ وہ بات سمجھ نہ پائیں گے اوروں کی بات تو اپنی جگہ رہی پیغمبر کی بات ہو تو بھی، اس لیے کہ لوگ اسے سمجھ پائیں۔ انہیں اس کی فقہ حاصل ہونی چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مشہور دُعا کسے یاد نہیں:۔

قال رب اشرح لی صدری ویسرلی امر ی واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی (پ:۱۶ طہٰ: ۲۸۔۲۵)

ترجمہ: اے رب کشادہ کر میرا سینہ اور آسان کر میری منزل اور کھول دے گرہ میری زبان کی پالیں یہ میری بات میں فقہ (سمجھ)

ذوالقرنین جب دو پہاڑوں کے بیچ پہنچا تو ان سے ورے کچھ ایسے لوگ پائے جو اس کی ایک بات نہ سمجھ سکتے تھے ان کی اس بے چارگی کو قرآن کریم اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس کی بات فقہ سے آشنا نہ ہو سکی یعنی کچھ بھی نہ جا سکی۔

حتی اذا بلغ بین السدّ ین وجد من دونھما قوما لایکادون یفقھون قولاً (پ:۱۶، الکہف:۹۳)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے مابین تو ان کے ورے ایسی قوم دیکھی جو ایک بات کی بھی فقہ (سمجھ) نہ رکھتے تھے۔

ہمارے جو دوست فقہ کے نام سے چڑتے ہیں اور یہ لفظ تک سننا پسند نہیں کرتے وہ نہیں دیکھتے کہ قرآن کریم عام سمجھ اور دانش کے لیے لفظ فقہ بار بار لاتا ہے پھر اُن کے اس لفظ سے چڑنے کے کیا معنی رہ گئے؟ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو فقہ و دانش سے محروم نہ کرے اصطلاحاً جسے فقہ کہا جاتا ہے وہ بھی کتاب وسنت کا غیر نہیں کتاب وسنت کی گہرائی میں اتر کر اُن کی مرادات پالینے کا نام ہے۔ فقہ کوئی نئی ایجاد نہیں کتاب وسنت کا ہی استخراج ہے۔

فقہ نہ جاننے والوں کی مذمت:

قرآن کریم نے کافروں کو کہا ہے کہ وہ فقہ سے محروم ہیں۔

۱۔ لانتم اشد رھبة فی صدورھم من اللّٰہ ذلک بانھم قوم لایفقھون. (پ: ۲۸ الحشر: ۱۳)

ترجمہ: البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے ان کے دلوں میں اللہ کے ڈر سے یہ اس لیے کہ وہ لوگ فقہ نہیں رکھتے۔

۲۔ ولقد ذرأنا لجھنم کثیراً من الجن والانس لھم قلوب لایفقھون بھاولھم اعین لایبصرون بھا (پ:۹ الاعراف:۱۷۹)

ترجمہ: اور البتہ پیدا کیے ہیں ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جن اور بہت سے آدمی ان کے دل ہیں جن میں فقہ نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے ہوں۔

۳۔ فطبع علی قلوبھم فھم لایفقھون. (پ:۲۸ المنافقون:۳)

ترجمہ: سومہر لگ چکی ہے ان کے دلوں پر سو اب وہ فقہ سے بالکل بے تعلق ہیں۔

۴۔ ولکن المنافقین لایفقھون. (پ:۲۸ المنافقون:۷)

ترجمہ: اور لیکن منافق اپنے پاس فقہ نہیں رکھتے۔

۵۔ بل کانوالایفقھون الاقلیلا. (پ:۲۶ الفتح:۱۵)

ترجمہ: بلکہ وہ فقہ نہ رکھتے تھے مگر چند لوگ۔

۶۔ بانھم قوم لا یفقھون. (پ:۱۰، الانفال:۶۵، پ:۱۱، التوبہ:۱۸۷)

ترجمہ: وہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس فقہ نہ ہو۔

۷۔ مانفقہ کثیراً مما تقول. (پ:۱۲ ہود:۹۱)

ترجمہ: ہم تمہاری کہی باتوں میں کچھ سمجھ نہیں پاتے۔

۸۔ لوکانوا یفقھون. (پ:۱۰ التوبہ:۸۷)

ترجمہ: کاش کہ وہ فقہ پائے ہوتے۔

آنحضرت ﷺ کے نزدیک فقہ کا مقام:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل روایت کرنے والے تو بہت تھے۔ آپ کی

ہدایت تھی کہ میری ایک بات بھی جسے پہنچی اسے لازم ہے کہ وہ اسے آگے روایت کردے تاکہ دین کی کوئی بات چھپی نہ رہے ہوسکتا ہے جن کے پاس وہ یہ حدیث پہنچائے وہ اس کی نسبت اسے زیادہ سمجھنے والا ہو اہلِ روایت تو سبھی ہوسکتے ہیں مگر اہل فقہ وہی خوش قسمت ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرلے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من یرد اللّٰہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین۔ (ترمذی جلد۲، ص۸۹ وقال حسن صحیح، سنن دارمی جلد۱، ص۸۵ ورواہ مسلم عن معاویہ ص۱۴۳ من المجلد الاول)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس بندے سے خیر کا ارادہ فرمالے اسے دین میں فقیہ بنادیتا ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:۔

الناس معادن فخیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا۔ (صحیح بخاری جلد۱، ص۴۹۶ ص۴۷۳ صحیح مسلم جلد۲، ص۳۳۱)

ترجمہ: لوگ کانیں ہیں جو لوگ جاہلیت میں اچھے تھے اسلام میں بھی وہی اچھے ہوں گے جب وہ فقہ کو جاننے لگیں۔

۳۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا:

ان رجالاً یاتونکم من اقطار الارض یتفقھون فی الدین واذا اتوکم فاستوصوا بھم خیراً۔ (جامع ترمذی جلد۲، ص۸۹ سنن ابن ماجہ۲۲)

ترجمہ: بے شک اطراف عالم سے لوگ تمہارے پاس آئیں گے تاکہ وہ دین میں تفقہ حاصل کریں جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں خیر کی نصیحت کرنا۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔

(رواہ الترمذی جلد۲، ص۹۳ سنن ابن ماجہ ص۲۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اسے اس طرح روایت کرتے ہیں:۔

ماعبداللّٰہ عزوجل بشیٔ افضل من فقہ فی الدین ولفقیہ

واحداشد علی الشیطان من الف عابدولکل شئی عماد وعماد هذا الدین الفقه. (عوارف المعارف جلد۱، ص۲۲۵)

ترجمہ: اللہ کی کوئی عبادت فقہ فی الدین سے بڑھ کر نہیں ہے اور ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں (عبادت گزاروں) سے بھی زیادہ گراں ہے۔ ہر چیز کا ایک ستون ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے۔

۵۔ حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں میں نے حضورﷺ کو فرماتے سنا:

رب حامل فقه غیرفقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه.

(رواہ الشافعی واحمد والدارمی جلد۱، ص۸۶ والترمذی جلد۲، ص۹۰)

ترجمہ: کئی ایسے ہیں جو حامل فقہ (راوی حدیث) تو ہیں لیکن وہ فقیہ نہیں اور کئی حاملین فقہ روایت اس کی طرف لے جاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہو۔

کیا یہ انہی حضرات کا حال نہیں جو اس وقت حضورﷺ کے عہد کے لوگ تھے۔ یہ صحابہؓ ہیں جن میں سے ہر ایک کو حضورﷺ نے راوی حدیث ٹھہرایا اور بعض دوسروں کو فقیہ بتایا۔ ہمیں مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) پر افسوس ہے جو جوش مخالفت میں یہ بات کہہ گئے:۔

صحابہ تمام جس طرح عدول تھے اسی طرح سب فقہاء بھی تھے۔ آپ لکھتے ہیں۔ صحابہ میں فقیہ اور غیر فقیہ کی تفریق شرمناک ہے۔

(تحریک آزادی فکر ص۱۳۵)

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں دو حلقے دیکھے۔ ایک میں لوگ دعائیں مانگ رہے تھے متوجہ الی اللہ ہو رہے تھے اور دوسرے حلقے کے لوگ (یتعلمون الفقه) فقہ میں مشغول تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوسرے حلقے کے لوگوں کے بارے میں فرمایا۔ یہ پہلوں سے افضل ہیں:۔

اماهولاء فیتعلمون الفقه ویعلمون الجاهل فهؤلاء افضل.

(سنن دارمی جلد۱، ص۹۹ مسند ابی داؤد الطیالسی ص۳۶)

ترجمہ: یہ لوگ فقہ حاصل کر رہے ہیں یہ آگے جاہلوں کو تعلیم دیں گے

سو یہ ان پہلوں سے افضل ہیں۔

۷۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو یمن بھیجا حضرت معاذ بن جبلؓ نے وہاں پہنچ کر جو خطبہ دیا۔ اس میں انہیں اسلام کی رغبت دلائی اور تفقہ فی القرآن کی نصیحت کی:۔

فخطب الناس معاذ فحضهم علی الاسلام وامر هم بالتفقه فی القران. (سنن دارمی جلد۱، ص۸۴)

ترجمہ: پس حضرت معاذؓ نے خطبہ دیا اور لوگوں کو اسلام کی رغبت دلائی اور انہیں قرآن حکیم میں فقہ کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا۔

قرآن کریم سے جو مسئلہ بیان کیا جائے دیکھنا ہوتا ہے کہ قرآن کریم اسے عبارۃً بیان کرتا ہے یا دلالۃً یا اشارۃً یا اقتضاء پھر یہ کہ یہ حکم عام ہے یا خاص بصورت اوّل عام مخصوص منہ البعض ہے یا نہیں پھر مجمل ہے تو اس کی تفصیل کیا ہے؟ اسی میں ہے یا کسی دوسرے مقام پر ہے یا اس کی تفصیل سنت سے معلوم کی جائیگی ان سب کے جاننے میں خاصا علم فقہ درکار ہے حضرت معاذؓ نے انہیں تفقہ فی القرآن کا سبق دیا آپ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مجتہد ہونے کی سند پائے ہوئے تھے۔

۸۔ حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

خصلتان لایجتمعان فی منافق حسن سمت ولافقه فی الدین. (رواہ الترمذی جلد۲، ص۹۳)

ترجمہ: دو عادتیں کسی منافق میں جمع نہیں ہو پاتیں ا۔ حسن سیرت۔
۲۔ دین میں فقہ کی گہرائی۔

منافق قرآن کی آیات منافقت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے کلمہ بھی پڑھ سکتا ہے **نشهد انک رسول الله** بھی کہہ سکتا ہے حدیث بھی روایت کرسکتا ہے وہ صحیح ہو یا اپنے پاس سے بنائے لیکن تفقہ فی الدین سے وہ کلیۃً عاری ہوگا یہ ایسا نور ہے جو قلب منافق میں اتر ہی نہیں سکتا اور اس کا کوئی ظاہر نہیں جسے وہ ظاہری طور پر اپنا رکھے فقہ کے ظاہری پیرائے قرآن وحدیث ہیں اور ان میں وہ منافقت سے چل سکتا ہے ہاں فقہ میں منافقت نہیں ہو پاتی البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ فقہی جزئیات کی نقل کرے اور غلط کرے ظاہر ہے کہ وہ

فقیہ نہیں ہوگا صرف فقہ کی کسی بات کا نقل کرنے والا ہوگا۔

۹۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کو جو علم دے کر مبعوث فرمایا اس میں جو شخص فقہ پالے اور پھر قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہ پڑھائے اس کی کیا مثال ہوسکتی ہے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ملاحظہ فرمائیں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مثل مابعثنی اللّٰہ بہ من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاً فکان منھا نقیۃ قبلت الماء فانبتت الکلاء والعشب الکثیرو منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللّٰہ بھاالناس فشربو اوسقو ازرعوا واصاب منھا طائفۃ اخری وانما ھی قیعان لاتمسک ماء ولاتنبت کلاء فذلک مثل من فقہ فی دین اللّٰہ ونفعہ بمابعثنی اللّٰہ بہ فعلم وعلم ومثل من لم یوفع بذلک راساً. (صحیح بخاری جلد ا، ص ۱۸ صحیح مسلم)

ترجمہ: اللہ نے مجھے جو علم اور ہدایت دیکر بھیجا ہے اسکی مثال اس وافر بارش کی ہے جو ایسی زمین پر برسی جو بڑی صاف تھی اس نے پانی کو اپنے میں جذب کیا اور بہت گھاس اور سبزیاں اُگائیں اور ایسی زمین بھی تھی جو پتھریلی تھی اس نے پانی روک رکھا اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو فائدہ پہنچایا وہ اسے پیتے رہے، پلاتے رہے اور کھیتوں کو دیتے رہے۔ اور ایسی زمین بھی تھی جس کے چٹیل میدان تھے یہ نہ پانی کو روک سکی نہ سبزہ اگا سکی یہ مثال اُنکی ہے جو اللہ کے دین میں فقہ حاصل کریں اور اللہ نے جو دین مجھے دے کر بھیجا ہے اس سے نفع حاصل کریں علم سیکھیں اور اسے سکھائیں اور اسکی جس نے اس کھلی بارش پر سر تک نہیں اٹھایا۔

۱۰۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

مجلس فقہ خیر من عبادۃ ستین سنۃ. (رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر)

ترجمہ: فقہ کی ایک مجلس ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

۱۱۔ صحیح بخاری جلد ۱ص ۱۶۱ میں جریج راہب کا قصہ مذکور ہے۔ والدہ نے اسے تین دفعہ آواز دی اور وہ اپنے صومعہ میں عبادت میں لگا رہا ماں کو جواب نہ دیا ماں نے اسے بددعا دی وہ عبادت کے شوق میں لگا رہا یہ نہ سمجھ پایا کہ ماں کی آواز پر پہنچنا کیسا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

لو کان جریج الراهب فقیهاً عالماً لعلم ان اجابة امه خیر من عبادة ربه. (عمدۃ القاری جلد ۷، ص ۲۸۳)

ترجمہ: اگر جریج راہب علم میں فقیہ ہوتا تو اسے پتہ ہوتا کہ ماں کی آواز پر ہاں کہنا خدا کی عبادت سے بہتر ہے۔

اس میں لسان رسالت سے علم فقہ کی عظمت ظاہر ہے ہر عالم فقیہ نہیں ہوتا فقہ صرف اونچے علم والوں کا نصیب ہے دوسرے درجے میں محدثین ہیں جو اس بارش کے پانی کو اپنے ہاں روک لیتے ہیں انکے پاس علم ایک ذخیرہ کے پیرائے میں جمع ہوتا ہے۔

ویسے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سینکڑوں صحابہؓ روز آتے جاتے تھے لیکن ان میں جو فقہ میں گہرائی پا چکے وہ آنحضرت ﷺ کی نظر میں ہوتے تھے۔ درس وتدریس اور فقہ وافتاء کی خدمات انہی کے سپرد ہوتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت زیاد بن لبیدؓ انصاری تھے آپ ﷺ نے انہیں فرمایا:۔

ان کنت لاعدک من فقهاء المدینة.

(رواہ الدارمی عن ابی الدرداء جلد ۱، ص ۹۹ والترمذی جلد ۲، ص ۹۰)

ترجمہ: بے شک میں تو تمہیں مدینہ کے فقہاء میں سے سمجھتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ ایک اعرابی کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره تو وہ اعرابی کہنے لگا حسبی حسبی مجھے یہ کافی ہے مجھے یہ کافی ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:۔

فقه الرجل ...... یہ شخص فقیہ ہو گیا۔ (عوارف المعارف بہامش احیاء علوم الدین جلد ۱، ص ۲۲۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لیے دعا کی تھی:۔

اللهم فقهه فی الدین وعلمه التاویل.

(صحیح بخاری جلد ۱، مسند احمد جلد ۱، ص ۳۲۸ بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۲، ص ۲۵۸)

ترجمہ: اے اللہ ابن عباسؓ کو دین کی فقہ عطا فرما اور اسے علم تفسیر عطا کر۔

آپ نے یہاں علم حدیث کا ذکر نہیں فرمایا کہ وہ ابھی کسی ترتیب میں نہ آیا تھا ہاں حضور ﷺ نے تمام صحابہ کو حکم دے رکھا تھا مجھ سے ایک بات بھی سنو تو اسے آگے پہنچا دو۔

صحابہؓ کے ہاں فقہ کا مقام:

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو اہل الرائے اور اہل الفقہ کو مشورہ کے لیے بلاتے۔ مہاجرین وانصار میں سے اہل علم کو بلاتے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو بلاتے یہی لوگ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو وہ بھی انہیؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور فتویٰ کا مدار زیادہ انہی حضرات پر تھا۔ (کنز العمال جلد ۳، ص ۱۴۴)

حضرت ابوبکرؓ کی مجلس فقہاء ان سات ارکانؓ پر مشتمل تھی۔

کان ابوبکر الصدیق اذاورد علیه حکم نظرفی کتاب الله تعالی فان وجد فیه مایقضی به قضی به وان لم یجد فی کتاب الله نظرفی سنة رسول الله فان وجد فیها مایقضی به قضی به فان اعیاه ذلک سأل الناس هل علمتم ان رسول الله قضی فیه بکذااو کذافان لم یجدسنة سنها النبی جمع رؤس الناس فاستشارهم فاذا اجتمع الیهم علی الشئی قضی به. (کتاب القضاء لابی عبید اعلام الموقعین جلد ۱)

ترجمہ: حضرت ابوبکرؓ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا تو آپ کتاب اللہ پر نظر کرتے اگر اس میں مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر اسے کتاب اللہ میں نہ پاتے تو سنت رسول پاک ﷺ میں اسے تلاش کرتے اگر آپ کو وہ اس میں مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ دیتے اور اگر وہ مسئلہ وہاں بھی نہ ملے تو آپ دوسرے صحابہؓ سے پوچھتے کیا تم نے جانا کہ حضور ﷺ نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ

دیا ہو۔ اگر آپ کو اس طرح بھی حضورﷺ کی کوئی سنت نہ ملتی تو آپ اکابر صحابہؓ کی میٹنگ بلاتے اور ان سے مشورہ کرتے اگر وہ کسی بات پر متفق ہو جاتے تو آپ اس کے مطابق فیصلہ فرماتے۔

اس سے پتہ چلا کہ ادلہ شرعیہ میں کتاب وسنت کے بعد اجماع کا درجہ ہے پھر قیاس مجتہد ہے۔

۲۔ حضرت عمرؓ کی شہادت:

ا۔ حضرت تمیم داریؓ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

فمن سوده قومه على الفقه كان حياة له ولهم ومن سوده قومه على غير فقه كان هلا كا له ولهم. (دارمی جلد ا، ص ۹۱)

ترجمہ: جس شخص کو اس کی قوم نے فقہ پر سرداری دی اس میں اس کے لیے اور اس کی قوم کے لیے زندگی ہے اور جسے اس کی قوم نے فقہ کے بغیر سردار بنایا اس میں اسکی اور اسکی پوری قوم کی ہلاکت ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ کو لکھا:۔

اما بعد فانی امر كم بما امركم به القران وانهاكم عما نهاكم عنه محمد صلى الله عليه وسلم وامر كم باتفاق الفقه والسنة والتفهم فى العربية.

(المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱، ص ۲۱۳)

ترجمہ: میں تمہیں اسی بات کا حکم دیتا ہوں جس کا قرآن کریم نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اور اسی چیز سے روکتا ہوں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے اور میں تمہیں فقہ اور سنت کے جوڑنے اور عربیت میں فہم پیدا کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔

عن عمر بن زيد قال كتب عمر الى ابى موسى امابعد فتفقهوا فى السنة وتفقهوا فى العربية.

(المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۵، ص ۲۴۰)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو لکھا کہ سنت میں فقہ حاصل کرنے کی کوشش کرو اور عربیت میں فقہ کی تلاش کرو۔

حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ خود بھی اونچے علمی پائے کے عالم تھے ان کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ فقہ سنت اور علم ادب ساتھ ساتھ چلیں تب کتاب وسنت کی اصل پر اطلاع ہوسکے گی حضرت عمرؓ نے ایک اور موقعہ پر یہ بھی فرمایا:۔

تفقهوا قبل ان تسودوا.

(صحیح بخاری جلد ۱، ص ۱۷، المصنف لابن ابی شیبہ جلد۔ وراجع لہ فتح الباری جلد ۱، ص ۱۶۶)

ترجمہ: سیادت پر آنے سے پہلے فقہ حاصل کرو۔

حضرت عمرؓ نے جابیہ میں جو خطبہ دیا اس میں کھلے لفظوں میں فقہ کی طرف توجہ دلائی آپ نے فرمایا:۔

یاایها الناس من ارادان یسأل عن القران فلیأ ت ابی بن کعب ومن اراد ان یسأل عن الفرائض فلیات زید بن ثابت ومن ارادان یسأل عن الفقه فلیأت معاذ بن جبل.

(رواہ الطبرانی فی الاوسط وراجع لہ مجمع الزوائد جلد ۱، ص ۱۳۵)

ترجمہ: جو شخص چاہے کہ قرآن کے بارے میں کچھ پوچھے وہ ابی بن کعبؓ کے پاس جائے اور جو شخص وراثت کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابتؓ کے پاس آئے اور جو شخص فقہ کا خواہاں ہو وہ معاذ بن جبلؓ کے پاس آئے۔ (اتحاف شرح الشمائل للدوجی ص ۳۴۲)

آپ نے یہاں تک فرمایا:

لا یبیع فی سوقنا الا من تفقه فی الدین (جامع ترمذی جلد ۱، ص ۴۴۹)

ترجمہ: ہماری منڈی میں (اہل علم کی مجلس میں) وہ شخص آڑھت نہ کرے جو دین میں تفقہ نہ رکھتا ہو۔

۳۔ فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ:

فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی منزلت علمی سے کون آگاہ نہیں آپ اس

زمانے کو فتنے کا زمانہ کہتے ہیں جب قرآن کے الفاظ کو اٹھانے والے زیادہ ہوجائیں گے اور اس کی گہرائی میں اُترنے والے اس کے معانی کے علمبردار کم ہوجائیں گے قرآن پاک کے ظاہر و باطن کو اٹھانے والوں کو آپ اپنے اپنے درجہ میں قراء اور فقہاء کا نام دیتے تھے۔

آپ فرماتے ہیں۔

کیف انتم اذالبستکم فتنة یھرم فیھا الکبیر ویربوافیھا الصغیر اذاکثرت قراء کم وقلت فقھاء کم.

(سنن داری جلد ا، ص ۷۵)

ترجمہ: تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہیں فتنے آلیں گے بڑے بوڑھے ہو جائیں گے اور چھوٹے بڑے ہوجائیں گے قاری زیادہ ہوں گے اور فقہ جاننے والے کم ہوں گے۔

صحابہؓ میں آپ جس کو عالم ربانی سمجھتے کہ وہ بات کتاب وسنت کی مرادات میں گھر کر کہتا ہے تو اسے کہتے یہ فقیہ ہوچکا آپ نے بھی حضرت امیر معاویہؓ کو فقیہ ہونے کی سند دی اور فرمایا:۔

انه لفقیه. (ذکرہ فی المشکوۃ من حدیث البخاری کذافی فتح الرحمٰن جلد ۳، ص ۱۸)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے ہاں فقہ کی کتنی عظمت تھی اور یہ کہ سب صحابہ اس میں ایک جیسے نہ تھے۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا:۔

افضل العبادۃ الفقه فی الدین.

(عوارف المعارف بہامش احیاء جلد ا، ص ۲۲۶)

یہ بہترین عبادت ہے، کہ فقہ میں لگے رہو۔

اور یہ بھی فرمایا:۔

لا یأتی علیکم عام الاو ھوشر من الذی کان قبله ولکن علماء کم وخیارکم وفقھاء کم یذھبون ثم لاتجدون منھم خلفاً وتجی قوم یقیسون الامو برایھم. (سنن داری جلد ا، ص ۷۶)

ترجمہ: تم پر کوئی سال نہ آئے گا مگر یہ کہ وہ اپنے سے پہلے سال سے

بدتر ہوگا۔ لیکن تمہارے علماء اور اچھے لوگ اور فقہاء چلتے بنیں گے پھر تم ان کے جانشین نہ پاؤ گے۔ پھر ایسے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو معاملات اپنے خیال سے طے کریں گے۔

فقہاء مسائل غیر منصوصہ کو علت پر نظر رکھتے ہوئے مسائل منصوصہ پر قیاس کرتے ہیں رائے پر قیاس نہیں کرتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پیشگوئی کی جب اصل فقہاء اٹھ جائیں گے تو وہ لوگ آجائیں گے جو مسائل کو اپنے خیال سے طے کریں گے۔

جب فقہ کی اہمیت نہ رہے تو اسے دور آخر کی علامت سمجھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

عن يحيى بن سعيد ان عبدالله بن مسعود قال لانسان انك فى زمان كثير فقهاء ہ قليل قراء ہ تحفظ فيه حدود القران وتضيع حروفه قليل من يسال كثير من يعطى وسياتى على الناس زمان قليل فقهاء ہ كثير قراء ہ تحفظ فيه حروف القران وتضيع حدوده. (موطا امام مالک ص۲۶ باب جامع الصلوٰۃ)

ترجمہ: تم ایسے دور میں ہو جس میں فقہاء زیادہ ہیں اور قاری کم قرآن کی حدود کی حفاظت ہے اور اس کے حروف (اختلاف قرأت) کی بحثوں میں زیادہ وقت نہیں لگایا جاتا مانگنے والے کم ہیں اور دینے والے زیادہ لیکن لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ فقہ والے کم ہوجائیں گے اور قاریوں کی کثرت ہوگی حروف قرآن پر محنت ہوگی اور قرآن کی حدود کا دھیان نہ رہے گا۔

۴۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت:

لاخير فى عبادة لا فقه فيها ولافى قراءة لا تدبر فيها افلا يتدبرون القران. (اتحاف شرح الشمائل للدوجی ص۳۴۲)

ترجمہ: اس عبادت میں خیر نہیں جس میں فقہ کا دخل نہ ہو اور نہ اس قرأۃ میں جس کے ساتھ تدبر نہیں (قرآن کریم میں ہے) کیا یہ لوگ

قرآن میں تدبر نہیں کرتے یاان کے دلوں پرتالے لگے ہوئے ہیں؟

آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

الفهم الفهم فيما يختلج فی صدرک مما لم يبلغک فی الكتاب والسنة و اعرف الامثال والا شباه ثم قس الامور عند ذلک فاعمد الى احبها الى الله ومشبهها بالحق فيما ترى. (دار قطنی)

ترجمہ: جو چیز تیرے دل میں کھٹکے جس کے بارے میں تمہیں کتاب وسنت سے کوئی بات نہ پہنچی ہو اس میں غور کرو اور اسے جاننے کی کوشش کرو اس کی امثال اور ملتی جلتی صورتوں کو پہچانو قیاس سے کام لو اور وہ پہلو اختیار کرو جو اللہ کو زیادہ پسند ہو اور تمہاری نظر میں حق کے زیادہ قریب ہو۔

۵۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ:

آپ صحابہ کرام میں ممتاز علمی شخصیت رکھے تھے آپ کی زبان سے فقہ کی عظمت سنیے:

عن جابر قال مارايت احدا كان اقرأ كتاب الله ولا افقه فی دين الله ولا اعلم بالله من عمر.

(المصنف لابن ابی شیبہ جلد۶، ص۱۳۹)

ترجمہ: میں نے حضرت عمرؓ سے زیادہ کسی کو قرآن پڑھنے والا دین کی زیادہ سمجھ رکھنے والا (افقہ) اور اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا نہیں پایا۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ:

قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

كونوا ربانيين بما كنتم تعلمون الكتاب وبما كنتم تدرسون

(پ:۳، آل عمران:۸۱)

ترجمہ: تم ہوجاؤ اللہ والے جیسے کہ تم سکھلاتے تھے اللہ کی کتاب اور

جیسے کہ تم خود بھی پڑھتے تھے۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

کونوا حکماء علماء فقهاء. (صحیح بخاری جلد ۱، ص ۱۶)

ترجمہ: تم ہو جاؤ حکماء علماء اور فقہاء۔

قال ابن عباسؓ ما سألنی عن مسئلة الاعرفت فقیه هو او غیر فقیه. (المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۵، ص ۳۱۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں جب بھی کسی نے مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھا میں نے جان لیا وہ فقیہ ہے یا غیر فقیہ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ میں فقہ کا ذکر کس عزت اور عظمت سے کیا جاتا تھا اور فقہ کی اسلام میں کتنی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔

۷۔ حضرت ابوالدرداءؓ:

فقیہ شام حضرت ابوالدرداءؓ (۳۲ھ) فرماتے ہیں:۔

لا تفقه کل الفقه حتی تری للقران وجوهاً کثیرة ولن تفقه کل الفقه حتی تمقت الناس فی ذات الله ثم تقبل علی نفسک فتکون لها اشد مقتاً عنک للناس.

ترجمہ: تم اس وقت تک پورے فقیہ نہیں ہوسکتے جب تک تم قرآن کریم میں وجوہ کثیرہ نہ دیکھو (ان پر تمہاری نظر نہ ہو) اور تم اس وقت تک کامل فقیہ نہ ہوسکو گے جب تک تم اللہ کے لیے لوگوں سے بیزار نہ رہو پھر تم اپنے جی پر نظر کرو اور تم اس کے لیے لوگوں سے بھی زیادہ دوری اختیار کرنے والے ہوجاؤ۔

۸۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ:

حضرت معاویہ جنہیں حضرت ابن عباسؓ نے بھی انه لفقیه کہا ہے انہوں نے طاعون عموس میں جو خطبہ دیا اس میں آپ نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بارے میں فرمایا وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ آپ نےؓ فرمایا:

جب فقہ کی اہمیت نہ رہے تو اسے دورآخر کی علامت سمجھیں۔

۹۔ عن عبید اللہ بن عمر قال اذا اراد اللہ بعبد خیراً فقهه فی الدین والهمه رشده. (المصنف جلد۶،ص۲۴۱)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خیر کا ارادہ فرمائیں تو اسے دین میں فقہ عطا فرمادیتے ہیں اور اس کا رشد و ہدایت ہونا اس کے دل میں القا فرمادیتے ہیں۔

۱۰۔ محمد بن کعبؓ سے بھی فقہ کی عظمت و اہمیت اسی طرح مروی ہے۔

فقہ کی اہمیت اکابر تابعینؒ کی نظر میں

قرآن کریم، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی نظر میں فقہ کا کیا مقام ہے اور اس کی کتنی عظمت ہے یہ آپ دیکھ آئے ہیں۔ اب اس تسلسل میں چند اقوالِ تابعینؒ بھی ایک نظر میں دیکھ لیجیے:۔

۱۔ حضرت عمرو بن میمون الاودیؒ (۷۴ھ) کہتے ہیں یمن میں حضرت معاذ بن جبلؓ ہمارے پاس تشریف لائے۔ فقہ میں ان کی علمی شان میرے دل میں گھر کرگئی میں زندگی بھر ان کا گرویدہ رہا۔ آپ کہتے ہیں:۔

فما فارقته حتى دفنته بالشام ميتاثم نظرت الى افقه الناس بعده فاتيت ابن مسعود فلزمته حتى مات. (سنن ابی داؤد جلد۱، ص ۶۲ مسند امام احمد جلد ۵، ص ۲۳۶)

ترجمہ: میں آپ کے ساتھ عمر بھر لگا رہا کبھی آپ سے جدا نہ ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی میں نے آپ کو شام میں قبر میں اُتارا پھر میں دیکھتا رہا کہ اب آپ کے بعد افقہ الناس کون ہے؟ (علم فقہ زیادہ جاننے والا کون ہے) پھر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور انہی کے ساتھ لگا رہا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

اس روایت سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں علمِ فقہ کی کیا قدر و منزلت تھی اور فقہاء صحابہؓ (جیسے حضرت معاذؓ اور حضرت ابن مسعودؓ) کس طرح امت کے امام سمجھے جاتے تھے اس سے یہ بھی پتہ ملتا ہے کہ بعض تابعینؒ زندگی بھر ایک امام کے پیروی میں رہے اور پھر یہ بھی واضح ہوا کہ تمام مسائل میں کسی ایک امام کی طرف رجوع کرنا ان کے ہاں کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ آج کئی لوگ تقلید شخصی کو عیب سمجھتے ہیں یہ سوچ صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں نہ تھی علم اسی کا اونچا سمجھا جاتا جس کو دین میں فقہ حاصل ہو صرف حدیث کا کثرت

سے بیان کرنا ان کے ہاں کافی نہ سمجھا جاتا تھا۔

۲۔ حضرت ابوتیمہؓ (۷۹ھ) کس درجے کے تابعی ہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری کے شاگرد خاص ہیں حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں۔ هو ثقة حجة عند جميعهم

(تہذیب التہذیب جلد۵، ص۱۲)

آپ ایک مجمع علیہ علمی سند تھے یحییٰ بن معین اور دار قطنی نے انہیں ثقہ کہا ہے آپ کے ہاں صحابہ میں فقہی امتیاز کس درجے میں تھا اسے درج ذیل واقعہ میں ملاحظہ فرمائیں:

آپ کہتے ہیں میں شام آیا اور میں نے دیکھا لوگ ایک شخص کے گرد گھیرا بنائے ہوئے جمع ہیں میں نے کہا یہ کون ہیں؟

قالو هذا افقه من بقى من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم. (اعلام الموقعین جلد۱، ص۱۶)

ترجمہ: اس ہجوم نے کہا حضورؐ کے جو صحابہؓ رہ گئے ہیں ان میں یہ فقہ کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

یہ حضرت عمرو البکالیؓ تھے۔ انہیں افقہ الناس صرف حضرت ابوتیمہؓ نے نہیں کہا تابعینؒ کے ایک جم غفیر نے کہا ہے اس سے اس بات کی قوی شہادت ملتی ہے کہ عہد صحابہؓ و تابعینؒ میں علم فقہ کو کس بلند نظری سے دیکھا جاتا تھا۔ لوگ ان کے گرد صرف روایات سننے کے لیے جمع نہ ہوتے تھے دین سیکھنے کے لیے اکٹھے ہوتے تھے لوگ پوچھتے جاتے تھے اور حضرت جواب دیتے جاتے۔ ان دنوں دین سیکھنا فقہ پر موقوف سمجھا جاتا تھا صرف روایت اس کے لیے کافی نہ سمجھی جاتی تھی۔

۳۔ حضرت مجاہدؒ (۱۰۰ھ) کس اونچے درجے کے تابعی ہیں یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھیے۔ آپ کے نزدیک فقہ کا کیا مقام ہے اور آپ کے نزدیک تمام مسائل میں کسی ایک امام کی طرف رجوع کرنا کیسا تھا۔ اسے خود ان کے الفاظ میں دیکھئے:۔

اذا اختلف الناس فى شئ فانظر و اما صنع عمر فخذوا به.

(اعلام الموقعین جلد۱، ص۱۵)

ترجمہ: جب لوگ کسی مسئلے میں اختلاف کریں تو تم دیکھا کرو کہ اس میں حضرت عمرؓ کا عمل کیا رہا ہے تم ان کے فیصلے پر رہو۔

مسلمانوں کا اختلاف مسائل منصوصہ میں تو نہیں ہوسکتا یہ مسائل غیر منصوصہ کا حل ہے جو حضرت مجاہدؒ تجویز کرر ہے ہیں اور اعلم کی طرف رجوع کرنے کی تلقین فرمارہے ہیں یہ کسی ایک مسئلے میں ان کے قول کو اختیار کرنا نہیں تمام مسائل میں ان کے قول پر اعتماد کرنا اور فیصلہ کرنا ہے اور یہی تقلید ہے۔ تقلید کن کی ہوگی؟ ان کی جو فقہ میں علم وافر رکھتے ہیں وہی اس لائق ہیں کہ آئندہ آنے والے ان کی پیروی میں چلیں۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ تمام مسائل غیر منصوصہ میں کسی ایک امام کی طرف رجوع کرنا اسمیں شرک فی الرسالۃ کا شائبہ نہ ہونا چاہیے یہ ان مسائل میں کسی ایک صاحب علم پر اعتماد کی وجہ سے ہے کسی کے علم پر اعتماد کرنا یہ نہیں بتلاتا کہ وہ اسے ایک خدا کا مقرر کردہ امام سمجھ رہا ہے یہ صرف شیعوں کا موقف ہے جو اپنے اماموں کو خدا کے مقرر کردہ امام بتلاتے ہیں اور خود امامیہ کہلاتے ہیں۔

ہاں یہ ممکن ہے حضرت مجاہدؒ کی نظر میں حضورﷺ کا یہ ارشاد بھی ہو جو حضرت حذیفہ بن یمانؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں حضرت امام احمدؒ روایت کرتے ہیں:۔

> عن حذیفۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انی لاادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر. (جامع ترمذی ص ۲۰۷ و ابن ماجہ واحمد مشکوٰۃ)
>
> ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے حضورﷺ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ کب تک میں تم میں رہوں پس تم میرے بعد دو شخصوں کی پیروی کرنا ایک ابوبکرؓ کی اور دوسرے عمرؓ کی۔

اس حدیث میں کیا حضورﷺ نے ان دونوں بزرگوں کی تقلید شخصی کی تعلیم نہیں دی؟ یہاں امور حکومت مراد نہیں امور حکومت قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق امرھم شوری بینھم کے تحت رکھے گئے ہیں۔ ان میں کسی کو مطلق العنان نہیں رکھا جاسکتا نہ ان کی تقلید کی جاسکتی ہے۔ تقلید دیگر علمی اور فقہی مسائل میں ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی پیروی کا نام ہے اس کا تعلق غیر منصوص مسائل سے ہوتا ہے اور وہ اہل علم کے اعتماد پر قبول کیے جاتے ہیں اور ان سے ہر موقع پر دلائل کی بحث نہیں کی جاتی۔

تقلید انکی بغیر طلب دلیل پیروی کا نام ہے اس سے یہ سمجھنا کہ یہ کسی بے دلیلی بات کی پیروی ہے درست نہیں ہے۔

کیا حضورﷺ یہاں یہ فرمار ہے تھے کہ تم ابوبکرؓ اور عمرؓ سے دلیل لے کر ان کی پیروی کرنا؟ نہیں اسلام میں اس طرح دلیل لے کر پیروی تو کسی کی بھی جاسکتی ہے پھر ان کی تخصیص کیا؟ یہاں جو پیروی ہے وہ ان کے اقوال کو ان کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے بلا طلب دلیل قبول کرنا ہے اور یہی تقلید کا حاصل ہے۔

۴۔ یکسوئی سے عبادت میں لگے رہنا افضل ہے یا دین میں فقہ کی راہیں معلوم کرنا؟ اسے حضرت امام ابراہیم نخعیؒ (۶۹ھ) سے سنیے:

قال النخعی وغیرہ تفقه ثم اعتزل ومن اعتزل قبل التعلم فهوفی الاکثر مضیع اوقاته بنوم اوفکر فی هوس.

(احیاء علوم الدین جلد۲)

ترجمہ: پہلے علم فقہ حاصل کرو پھر بے شک عبادت میں یکسو ہو کر بیٹھو جس نے علم حاصل کیے بغیر یکسوئی اختیار کی وہ زیادہ تر اپنے اوقات سونے میں کھوئے گا یا خواہشات کی فکر میں لگا رہے گا۔

۵۔ حضرت ضحاک تابعی کبیرؒ (۱۰۶ھ) جلیل القدر مفسر قرآن ہیں آپ آیت ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب (پ۳ سورۃ آل عمران ۷۹) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

حق علی کل من قرا القران ان یکو ن فقیها.

(سنن دارمی جلد۱، ص۱۰۷)

ترجمہ: ہر وہ شخص جو قرآن پڑھ لے اس پر لازم ہے کہ (کسی نہ کسی درجہ میں) فقہ کا بھی علم رکھنے والا ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے دور میں علم، فقہ کو ہی سمجھا جاتا تھا قرآن سمجھنے کے لیے بھی تفقہ کی ضرورت ہے اور حدیث سمجھنے کے لیے بھی تفقہ درکار ہے کتاب وسنت پر فقہی نظر رکھنے والا عالم ہی حوادث احکام میں حکم شرعی بتلاسکتا ہے اور یہی وہ حضرات ہیں جو مسائل غیر منصوصہ کی نظیریں مسائل منصوصہ میں پالیتے ہیں۔

۶۔ حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) کس درجے کے تابعی ہیں اور کس درجے کے امام ہیں یہ کسی سے مخفی نہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں ان کے سامنے عمران المنقری نے کسی بات پر کہا لیس ھکذا یقول الفقھاء (فقہاء تو یوں نہیں کہتے) اس پر آپ نے اسے کہا۔

ویحک ورأیت انت فقیھا قط. (شرح السنۃ جلدا، ص)

ترجمہ: تجھے کیا ہو گیا کیا تو نے کبھی فقیہ دیکھا بھی ہے؟

یعنی تمہیں کیا پتہ فقیہ کیا ہوتا ہے اس کی تو بڑی اُونچی علمی منزلت ہے۔

۷۔ حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ (۱۱۵ھ) کی فقہی دقت نظر دیکھئے عورتوں اور مردوں کی فطری ساخت کے پیش نظر دونوں کی نماز میں کچھ فرق ہونا چاہیے عورتیں کانوں تک ہاتھ نہ اٹھائیں اس سے ان کی چھاتیاں زیادہ نمایاں ہوں گی۔ ہاتھ بھی اس طرح باندھیں کہ چھاتیوں کا پردہ رہے اب آپ کی فقہی دقت نظر ملاحظہ فرمائیں۔

ان للمراۃ ھیئۃ لیست للرجال. (المصنف جلدا، ص۲۳۹)

وکان من اجل الفقھاء (اکمال ص۶۱۵)

حضرت عطاء امام ابوحنیفہ کے استاد تھے اور کئی بلند پایہ فقہاء کے استاد تھے۔

۸۔ ابن شہاب زہریؒ (۱۲۴ھ) دین میں فقہ حاصل کرنے کو بڑی اونچی عبادت کہتے ہیں آپ نے فرمایا:۔

ما عبداللہ بمثل الفقه. (سنن دارمی جلدا، ص۲۷۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی عبادت جس طرح فقہ دین سے ہو سکتی ہے کسی اور انداز سے نہیں۔

۹۔ یحییٰ بن سعید الانصاریؒ (۱۴۳ھ) کس طرح اپنے دور کے فقہاء کا ذکر کرتے ہیں آپ نے فرمایا:۔

ما ادرکت فقھاء ارضنا الایسلمون فی کل اثنتین من النھار.

(صحیح بخاری جلدا، ص۱۵۵)

ترجمہ: میں نے اپنے علاقے کے فقہاء کو اس طرح پایا ہے کہ وہ دن کی نمازوں میں ہر دو رکعت کے مابین تشہد کرتے ہیں۔

۱۰۔ اعمشؒ (۱۴۷ھ) تابعی ہیں اور عظیم محدث ہیں آپ نے فقہ وحدیث کا تقابل

کرتے ہوئے فقہاء کو کہا:۔

یامعشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة.

(سنن دارمی جلد۱، ص۱۰۷)

ترجمہ: اے گروہ فقہاء تم اطباء Physicians ہو اور ہم عطار Chemists ہیں۔

یعنی ہم دوائیں جمع رکھنے والے ہیں لیکن ان کا استعمال فقہاء ہی بتا سکتے ہیں۔ علم وہی ہے جس کے پیچھے کوئی گہرائی ہو اس کے سوا جو کچھ ہے وہ ہنر اور تجربہ ہے قرآن و حدیث علم کا چشمہ ہیں تو فقہ اس کی گہرائی ہے کسی چشمہ کو اس کی گہرائی جانے بغیر جانا نہیں سکتا قرآن وسنت میں فقہ سے کام لیں تو علماء ان کی مرادات پا لیتے ہیں ان کی نظائر جانتے ہوئے غیر منصوص مسائل کو بھی حل کر لیتے تھے جس علم میں فقہ نہیں وہ علم ہی کیا؟ علم کی سمجھ کا نام ہی تو فقہ ہے۔

فقہ کی اہمیت محدثین کی نظر میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مسئلہ چلا کہ قبر مبارک بصورت لحد کھودی جائے یا بصورت شق۔ صحابہؓ جنہوں نے دن رات حضور ﷺ کی مجلس پائی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی جنازے بھی پڑھے تھے موجود تھے بایں ہمہ ان کی نظران بزرگوں پر تھی جو فقہاء سمجھے جاتے تھے۔ مشہور محدث جلیل القدر تابعی ہشام بن عروہؒ (۱۴۶ھ) کہتے ہیں فقہاء کرام نے اسے بصورت لحد تجویز کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں فقہاء کی اہمیت اور برتری شروع سے مسلم چلی آرہی ہے۔

۱۔ مشہور محدث حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) المصنف باب اللحد للمیت میں اس واقعہ کی ایک سند اس طرح لائے ہیں:۔

حدثنا جرير عن هشام بن عروة عن فقهاء اهل المدينة قال كان بالمدينة رجلان يجعلا ن القبور قال فكان احدهما يشق والاخر يلحد فلما توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ. (المصنف جلد۳، ص۱۳)

۲۔ سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) فرماتے ہیں فقیہ ایک بھی ہو تو کئی علماء پر بھاری ہے:۔

لو ان فقيها على رأس جبل لكان هو الجماعة.

(شرح السنۃ جلد۱، ص۲۷۹)

ترجمہ: اگر ایک فقیہ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہو تو (گو وہ ایک ہے) وہ جماعت شمار ہوگا۔

۳۔ لیث بن سعد مصریؒ (۱۷۵ھ) فرماتے ہیں:۔

الحديث مضلة الاللعلماء. (ترتیب المدارک جلد۱، ص۹۶)

ترجمہ: حدیث رستے کو بھلا دینے والی ہے مگر علماء ہیں جو اسے سمجھ

پاتے ہیں۔

یعنی حدیث اپنے پیرایہ تاریخ میں یا اختلاف کے بھنور میں اور پس منظر اور پیش منظر کے مباحث میں کبھی رستے سے دور بھی جا لڑھکتی ہے یہ صرف فقہ جاننے والے ہیں جو اس کی مراد کو پالیتے ہیں حضرت سفیان بن عیینہؒ یہاں علماء کا معنی فقہاء ہی مراد لے رہے ہیں۔

۴۔ امام مالکؒ (۱۷۹ھ) نے اپنے دو بھانجوں ابوبکر اور اسماعیل کو کہا تم حدیث سننے اور لکھنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہو اگر تم چاہتے ہو کہ اس علم سے نفع پاؤ اور دوسروں کو پہنچاؤ تو حدیث روایت کرنا کم کرو اور حدیث میں فقہ حاصل کرنے میں محنت کرو یعنی جمع روایت میں تم صرف محدث بنو گے لیکن فقہ سے تم صحیح عالم بن پاؤ گے۔ آپ کے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

اوصی الامام مالک ابنی اختہ ابابکرواسمعیل ابنی ابی اویس فقال لھما اراکماتحبان ھذا الشان جمع الحدیث وسماعہ وتطلبانہ قالا نعم قال ان احببتما ان تنتفعا بہ وینفع اللہ بکما فاقلا منہ وتفقھا ھا۔

(رواہ الرامہرمزی فی المحدث الفاصل ص ۲۴۳ ص ۵۵۹ والخطیب فی الفقیہ والمتفقہ جلد۲ ص ۸۲)

امام مالکؒ کی یہ نصیحت بھی یاد رکھیں:۔

سلموا للائمۃ ولاتجادلوھم فلوکناکلما جاء رجل رجل اجدل من رجل لخفنا ان نقع فی ردما جاء بہ جبریل علیہ السلام۔

(المیزان الکبریٰ للشعرانی جلد۱، ص۵۱)

ترجمہ: اماموں کی بات مان لیا کرو ان سے جھگڑا نہ کرو ہمارے پاس جب بھی بڑے سے بڑا مناظر آیا ہمیں اندیشہ ہوا کہیں ہم قرآن کی تردید کے درپے نہ ہو جائیں۔ (اعاذنااللہ عنہ)

۵۔ عبداللہ بن وہبؒ (۱۹۷ھ) امام لیثؒ اور امام مالکؒ کے نامور شاگرد ہیں۔ آپ کہتے ہیں:۔

کل صاحب حدیث لیس لہ امام فی الفقہ فھو ضال ولولا ان اللہ انقذنا بمالک واللیث لضللنا۔

ترجمہ: ہر اہلحدیث جس کا فقہ میں کوئی امام نہیں وہ راہ بھٹکا ہے اور

اگر اللہ تعالیٰ ہمیں امام مالکؒ اور حضرت لیث ...... کے ذریعہ اس الجھاؤ سے (جو حدیث میں پیش آتا ہے) نہ نکالتا تو ہم بھی بھٹک جاتے۔

۶۔ حضرت سفیان بن عینیہؒ (۱۹۷ھ) بھی کہتے ہیں۔

الحدیث مضلۃ الاللفقہاء. (کتاب الجامع للقیروانی جلد ص ۱۱۷)

ترجمہ: حدیث فقہاء کے سوا سب کو رستے سے بھٹکا دیتی ہے۔

حضرت لیث نے یہ بات اس طرح کہی تھی الحدیث مضلۃ الا للعاکحاء

حضرت سفیان یہ بھی فرماتے ہیں:۔

التسلیم للفقہاء سلامۃ فی الدین. (ایضا ص ۱۱۸)

ترجمہ: فقہا کی بات تسلیم کرنا دین کی سلامتی کی ضمانت ہے۔

۷۔ حضرت امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ) لکھتے ہیں:۔

حدیث یتداولہ الفقہاء خیر من ان یتداولہ الشیوخ.

(معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱)

ترجمہ: حدیث فقہاء کے ہاتھ لگے اس سے بہتر ہے کہ اسے حدیث کے اساتذہ ہی روایت کرتے رہیں۔

۸۔ حافظ ابن قیمؒ حضرت امام احمد (۲۴۱ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

عن الامام احمد قال اذاکان عند الرجل الکتب المصنفۃ فیھا قول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم واختلاف الصحابۃ والتابعین فلایجوز لہ ان یعمل بماشاء ویتخیر فیقضی بہ ویعمل بہ حتی یسأل اھل العلم مایوخذ بہ فیکون یعمل علی امر صحیح. (اعلام الموقعین جلد ۱، ص ۴۴)

ترجمہ: امام احمد سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس حدیث کی کتابیں ہوں جن میں حضورﷺ کے بھی ارشادات ہوں اور صحابہ تابعین کے اختلافات بھی ہوں تو اس کے لیے جائز نہیں کہ جس پر چاہے عمل کرلے اور جو قول چاہے اختیار کرلے اور اس کے مطابق فیصلہ دے جب تک وہ علماء سے نہ پوچھ لے کہ کون سی بات اختیار

کرنی ہے اس صورت میں اس کا عمل صحیح طریق پر ہو سکے گا۔

یہاں اہل علم سے کون لوگ مراد ہیں محمد عوایہ لکھتے ہیں:۔

لابدمن سوال اهل العلم وهم اهل الفقه والمعرفة هل يوخذ بهذا الحديث اولا. (اثر الحدیث الشریف ص١٧)

ترجمہ: اہل علم سے مراد اہل فقہ ہیں وہی بتا سکتے ہیں کہ اس حدیث پر عمل کیا جائے گا یا نہ۔

۹۔ امام شافعیؒ کے شاگرد امام مزنیؒ جو امام طحاویؒ کے استاد اور ماموں تھے فرماتے ہیں:۔

فانظرو ارحمكم الله على احاديثكم التى جمعتموها واطلبوا العلم عند اهل الفقه تكونو افقهاء.

(الفقیہ والمتفقہ جلد۲، ص۱۵)

ترجمہ: اللہ تم پر رحم کرے ان احادیث پر جو تم نے جمع کیں نظر رکھو اور علم اہلِ فقہ سے حاصل کرو تم خود بھی فقہاء بن جاؤ گے۔

۱۰۔ پہلے دنوں وہ اہل علم جن کی بات سند سمجھی جائے فقہاء کہلاتے تھے ابن جریجؒ روایت کرتے ہیں مجھے ابن ابی لیلیٰ (۱۴۸ھ) نے ایک مسئلہ سنایا:۔

عن ابن جريج قال قال لى ابن ابى ليلى عن فقهائهم لسيد العبدما اصدقها غلامه ياخذه منها عجلةً قبل ان تعلم.

(المصنف لعبد الرزاق جلد۷، ص۲٦۲)

ترجمہ: ابن ابی الیلیٰ نے اپنے فقہاء سے نقل کیا ہے وہ مال جو کسی غلام نے اپنی بیوی کو مہر میں دیا ہے اس غلام کے مالک کا ہے وہ اسے اس عورت سے لے لے پیشتر اس کے کہ اس عورت کو پتہ چلے کہ وہ غلام تھا۔

اس سے پتہ چلا کہ ان دنوں لوگ کس طرح اپنے علاقوں کے فقہاء کو جانتے تھے اور ان سے فتویٰ لے کر چلتے تھے احادیث کو روایت کرنا اور بات ہے اور اسے سمجھنا اور بات ہے اور حق ہے کہ فقہاء ہی حدیث کے معانی کو بہتر جانتے ہیں۔

۱۱۔ امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) ایک بحث میں حضرت امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں

وکذلک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث.

(جامع ترمذی جلد۱، ص۱۱۸)

ترجمہ: اور یہی بات فقہاء نے کہی ہے اور فقہا ہی حدیث کے معنی بہتر جانتے ہیں۔

۱۲۔ حضرت ابوبکر بن عیاش صحیح بخاری کے راوی ہیں (دیکھئے جلد۲، ص۷۲۵) آپ کے ہاں علم کا آخری فیصلہ فقیہ کا ہی فیصلہ ہے جب تک کسی مسئلے پر فقیہ کا عمل نہ ہو آپ کے ہاں وہ مسئلہ ہی نہیں آپ ایک مقام پر کہتے ہیں:۔

مارایت فقیھا قط یفعلہ (طحاوی جلد۱، ص۱۱۲) میں نے کسی فقیہ کو اس پر عمل کرتے نہیں دیکھا۔

۱۳۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

فان علم الحلال والحرام انما یتلقی من الفقھاء.

(فتح الباری جلد۹، ص۳۱)

ترجمہ: سو حلال وحرام کا علم فقہاء سے ہی حاصل کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۰ھ) اپنے رسالہ الطبیۃ النافعہ میں لکھتے ہیں:۔

اما الائمہ وفقھاء اھل الحدیث فانھم یتبعون الحدیث الصحیح حیث کان اذا کان معمولاً بہ عند الصحابۃ ومن بعدھم اوعندطائفۃ منھم فاما ماتفق علی ترکہ فلایجوز العمل بہ لانھم ماترکوہ الاعلی علم انہ لایعمل بہ قال عمربن عبدالعزیزخذوامن ای ماکان یوافق قبلکم فانھم کانو اعلم منکم. (فضل علم السلف علی علم الخلف ص۹)

ترجمہ: ائمہ اور فقہاء اہل حدیث حدیث صحیح کی پیروی کرتے ہیں وہ جہاں بھی ہو بشرطیکہ وہ صحابہ اور تابعین کے ہاں یا ان کے کسی ایک حلقے میں معمول بہ رہی ہو لیکن جب اسے سب نے چھوڑ رکھا ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ ان حضرات نے اسے کسی علم کی بناء ہی چھوڑا ہوگا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہیں سے حدیث لو بشرطیکہ وہ

تم سے پہلے لوگوں میں قبول کی گئی ہو وہ بے شک تم سے زیادہ جاننے والے تھے۔

۱۵۔ علامہ سیوطیؒ الحاوی میں لکھتے ہیں:۔

قالت الاقد مون المحدث بلا فقه كعطار غير طبيب فالا دويةحاصلة في دكانه ولا يدري لماذا يصلح والفقيه بلا حديث كطبيب ليس بعطار يعرف ماتصلح له الادوية الاانهاليست عنده. (الحاوی جلد۲،ص۳۹۸)

ترجمہ: پہلے اہل علم نے کہا ہے وہ محدث جوفقہ نہ جانتا ہواس عطار کی طرح ہے جو طبیب (ڈاکٹر) نہ ہو سب دوائیں اس کی دوکان میں موجود ہوئی ہیں اور وہ نہیں جانتا کہ وہ کس مرض کا علاج ہیں اور فقیہ بلاحدیث اسی طرح ہے جیسے وہ طبیب جو جانتا تو ہے کہ یہ دوائیں کس مرض کی ہیں مگروہ اسکے پاس نہیں ہیں۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فقہ اورحدیث میں کوئی تضادنہیں فقہ حدیث کا غیرنہیں حدیث قالب ہے اور فقہ اسکی روح ہے فقہاء نے کبھی قیاس اور استنباط کونص پرمقدم نہیں کیا۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں ایک مضمون الموافقه بين الحديث والفقه بھی ہدیہ قارئین کردیں مضمون کی مناسبت سے اگرکوئی بات دوبارہ آجائے تواس سے درگزر فرمائیں۔ محدثین کے ہاں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔

الموافقہ بین الحدیث والفقہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

امت محمدیہ کے علماء دوحصوں میں منقسم ہوئے کچھ محدثین اور کچھ فقہاء ہوئے محدثین اپنے عقیدہ وعمل کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ تک پہنچاتے ہیں اور جن اُمور میں انہیں کتاب وسنت سے دلیل نہ ملے ان میں وہ کامل الفقہ مجتہدین کی پیروی کرتے ہیں اور جو اہل فقہ ہیں وہ ان مسائل میں جن میں کتاب وسنت کی بطریق عبارت راہنمائی نہ ملے وہ ان کا حل کتاب وسنت کی روشنی میں دریافت کرتے ہیں مسائل غیر منصوصہ کا حکم استنباط واستخراج کی راہ سے معلوم کرنا اجتہاد کہلاتا ہے اور اجتہاد وہ کرسکتا ہے جو اس کا اہل ہو۔

علامہ ابوسلیمان الخطابی (۳۶۰ھ) لکھتے ہیں:۔

رایت اھل العلم فی زماننا قد حصلوا حزبین وانقسموا فرقتین اصحاب حدیث واثر واھل فقہ ونظر کل واحدة منھما لاتتمیزعن اختھا فی الحاجة. (معالم السنن جلد۱،ص۳)

ترجمہ: میں نے اپنے زمانہ کے اہل علم کو دوحصوں میں بٹا پایا ہے اور علماء دو گروہوں میں تقسیم ہیں ایک اصحاب حدیث اور دوسرے اہل فقہ ایک طبقہ حدیث واثر کا اور دوسرا فقہ ونظر کا ان میں سے کوئی بھی ضرورت کے وقت ایک دوسرے سے علیحدہ ہوکر نہیں رہتا۔

اس سے پتہ چلا کہ چوتھی صدی میں اہلحدیث علماء کا ایک طبقہ تھا۔ یہ کسی فقہی مسلک یا ان پڑھ نمازیوں کے کسی گروہ کا نام نہ تھا نہ ان دنوں کسی جاہل میں ہمت تھی کہ اپنے آپ کو اہلحدیث کہے اور اپنے آپ کو محدثین میں شمار کرے۔

ان دوطبقوں میں زیادہ اونچے درجے کے لوگ کون تھے ماہرین فقہ یاماہرین فن رجال؟ اس کے لیے امام ابوزرعہ الرازی (ھ) کی اس تصریح پر غور فرمائیں۔ حافظ ابن عساکر دمشقی اپنی تاریخ میں امام ابوزرعہ کے ترجمہ میں ان سے نقل کرتے ہیں آپ نے کہا۔

تفکرت لیلة فی رجال فاریت فیما یری النائم کان رجلاً ینادی یا اباززعة فهم متن الحدیث خیرمن التفکرفی الموتی۔ (تاریخ ابن عساکر)

ترجمہ: ایک رات میں راویانِ حدیث پرغور کررہا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ایک شخص آواز دے رہاہے اے اباززعہ حدیث کے متن کو سمجھنا (اس کی فقہ حاصل کرنا) راویان حدیث میں غور کرنے کی نسبت کہیں زیادہ افضل ہے (یعنی ضرورت دونوں کی ہے لیکن حدیث کی فقہ پروقت لگانا اس کے ثبوت پروقت لگانے کی نسبت کہیں زیادہ آگے کا کام ہے۔)

دونوں کمالات ایک جگہ اکٹھے:

کیا ایسا بھی ہوا ہے کہ یہ دونوں طرح کے کمالات ا۔فہم حدیث جسے فقہ کہتے ہیں اور۲۔علم رجال پرنظر جوفن حدیث کا موضوع ہے یکجا جمع ہوں اس صورت میں فاضل گروہ کون سا سمجھا جائے گا؟

الجواب :ہاں ایسا بھی ہوا ہے حضرت امام بخاری اور امام ابوداؤدمحدث بھی تھے، اور فقیہ بھی امام بخاری اصول فقہ میں زیادہ امام شافعی کے اصول پرچلے ہیں اورامام ابوداؤد،حضرت امام احمد کی راہ پر۔لیکن اس سے انکارنہیں کیا جاسکتا کہ فقہ واجتہاد میں جومقام ائمہ اربعہ کا ہے امام بخاری اور امام ابوداؤد کے اجتہادات امت میں کبھی اس پائے کے نہیں سمجھے گئے جوپایہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے اجتہادات کا ہے۔اتنی بات توغیر مقلدین حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں حافظ محمد عبداللہ روپڑی ایک جگہ لکھتے ہیں:

محدثین صحاح ستہ کے اجتہاد کوائمہ کے اجتہاد پرترجیح نہیں ہے۔

(فتاویٰ اہلحدیث جلد۱،ص۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین کتنے ہی بلند پایہ کیوں نہ ہوں؟ جو گوئے سبقت ائمہ اربعہ لے گئے امت میں ان کی ضرورت اور قدر تاریخ کی ہرنئی کروٹ میں اور زیادہ محسوس ہوتی رہے گی۔

ہمارے بعد ہمارے ہی تذکرے ہوں گے
ہمارے بعد ہی محسوس اک کمی ہوگی

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس امت کے اہل علم دو حصوں میں کیوں بٹے؟ اور پھر ایک تیسرا محروم القسمت گروہ بھی آنکلا جو لوگ نہ محدثین بنے نہ فقہاء اور نہ وہ کسی فقیہ کی پیروی میں چلے؟ امت کی یہ زمین تین حصوں میں کیوں بٹ گئی؟ یہ غیر مقلدین کہاں سے آنکلے؟

الجواب: یہ فطری تقسیم ہے اور فطرت اس میں اپنے تمام تقاضے ظاہر کرتی ہے ہر علم اپنا حق اور وقت مانگتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے وہ باران رحمت تھی جو اس امت پر برسی۔ مگر اس حقیقت سے بھی کوئی انسانی نگاہ انکار نہ کر سکے گی کہ:

۱۔ زمین کچھ زرخیز حصے ہوتے ہیں یہ زمین پانی پیتی ہے اور خوب پیتی ہے اور پھر یہ فصلیں اُگلتی ہے اور پورے پھیلاؤ میں شادابی اور بہار لاتی ہے اس زمین نے پانی اپنے اندر سمویا اور اپنے سے پھر وہ دولت پیدا کی کہ عام انسانی نگاہ اس کا تصور نہ کر سکتی تھی کہ یہ مٹی اس طرح کے رنگ رنگ کے پھول اور مختلف ذائقوں اور خوشبوؤں کے پھل اس کثیر مقدار میں اگلے گی۔

۲۔ ایک اور زمین بھی تھی جو اپنے اندر پانی جذب نہ کر سکی مگر اس کے پتھریلے کناروں نے پانی کو اپنے اندر روک لیا اور پھر وہ انسانوں اور جانوروں اور دوسری زمینوں کے کام آتا رہا۔ اس زمین نے پانی کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کرلیا۔ یہ دوسرے درجہ کی زمین تھی۔ اور یہ بھی اپنی جگہ بہت لوگوں کے کام آئی۔

پہلے درجے کے اہل علم اس امت کے فقہاء مجتہدین ہیں دوسرے درجے کے اہل علم محدثین ہیں۔ جو حدیث کو جمع کرتے ہیں اور اسے ترتیب دیتے ہیں۔ اگر یہ دین باران رحمت ہے اور یقیناً ہے تو اس میں فقہاء اور محدثین دونوں طرح کے علماء ہونے چاہئیں۔ ہاں جو لوگ محدث نہ ہوں نہ فقیہ اور نہ کسی فقیہ کے پیرو ہوں یہ وہ حصہ زمین ہے جو نہ قابل کاشت ہے اور نہ قابل ذخیرہ یہ اس امت کے وہ محروم القسمت ہیں جو دین فطرت

کی راہ پر نہیں چلے باران رحمت سے حصہ نہیں لے سکے نہ محدث ہوئے نہ فقیہ اور نہ کسی فقیہ کے پیرو۔

اس فطری اور تجرباتی تقسیم کو اب اس ایک حدیث میں بھی مطالعہ کریں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ (۴۴ھ) کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

مثل ما بعثنی اللّٰہ بہ من الھدیٰ والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاً فکان منھا نقیہ قبلت الماء فانبتت الکلآء والعشب الکثیر وکانت منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللّٰہ بھاالناس فشربوا وسقوا وزرعواواصاب منھا طائفۃ اخریٰ انما ھی قیعان لاتمسک ماء ولا تنبت الکلاء فذلک مثل من فقہ فی دین اللّٰہ فنفعہ بما بعثنی اللّٰہ بہ فعلم وعلم ومثل من لم یرفع بذلک رأساولم یقبل ھدی اللّٰہ الذی ارسلت بہ. (صحیح بخاری جلد ا، ص ۱۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علم اور راہ دے کر بھیجا ہے اس کی مثال کثیر بارش کی سی ہے جو کسی زمین پر برسی اس میں ایسا صاف اور عمدہ قطعہ بھی تھا جس نے بارش کو اپنے اندر جذب کر لیا اور گھاس اور رنگارنگ کے پودے اگائے اور ایسے پتھریلے قطعے بھی تھے جنہوں نے (اپنے میں پانی جذب تو نہ کیا تاہم) پانی کو اپنے اندر روک لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا انہوں نے وہاں سے پانی پیا مویشیوں کو بھی پلایا اور دوسرے کھیتوں کو بھی دیا اور بارش ایسے چٹیل قطعات پر بھی آئی جو اپنے میں نہ پانی روک سکیں نہ گھاس اگا سکیں سو یہ مثال اس کی ہے جس کو دین میں مقام فقہ ملا اور اسے اس علم سے نفع پہنچا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر مبعوث کیا ہے اس نے سیکھا بھی اور سکھایا بھی اور اس کی بھی یہ مثال ہے جس نے ادھر سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے۔

جس طرح زمین اپنے خزانے اُگلتی ہے فقہاء کرام کتاب وسنت کی حدود سے اس کے دبے خزانوں کو باہر نکالتے ہیں اور اپنے استنباط سے ہرنئی پیش آمدہ ضرورت کو پورا کرتے ہیں پانی کو ذخیرہ رکھنے والی زمین اس امت کے محدثین ہیں اور جو لوگ نہ اس طرف رہیں کہ فقہاء کے پیچھے چلیں اور نہ اُس طرف کے ہوں کہ علم حدیث حاصل کریں یہ وہ سادہ لوح لوگ ہیں جو علم حدیث نہیں رکھتے اور اسکے باوجود اپنے آپ کو اہل حدیث محدث اور محقق سمجھتے ہیں یہ زمین نہ قابل کاشت ہے نہ پانی کو روک رکھنے والی ہے۔ ان محروم القسمت غیر مقلدین کو بس اسی طرح سمجھیں جنہوں نے اس آسمانی ہدایت کی طرف سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جو آپؐ دے کر بھیجے گئے۔

پانی کو روک رکھنے والی زمین کے متعلق علامہ سندھی فرماتے ہیں:۔

قسم ينتفع بعين علمه ذلك كاهل الحفظ والرواية.

ترجمہ: یہ وہ قسم ہے جو آپ کے علم کے چشمہ سے نفع اٹھاتی ہے جیسے حفظ روایت کے لوگ ہیں۔

اور پہلی قسم کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

قسم ينتفع بثمرات علمه ونتائجه كاهل الا جتهادو الاستخراج.

ترجمہ: یہ وہ قسم ہے جو آپ کے علم کے پھلوں اور اس کے نتائج سے نفع اٹھاتی ہے جیسے مسائل کا کتاب وسنت کی روشنی میں استنباط کرنے والے۔

لسانِ شریعت نے اس امت کے اوّل درجے کے علماء، فقہأ مجتہدین کو اور دوسرے درجے کے علماء، محدثین کو قرار دیا ہے۔ رہے تیسرے درجے کے لوگ تو یہ غیر مقلدین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس آسمانی ہدایت کی طرف سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحیح بخاری کی اس حدیث نے واضح کردیا کہ اس امت میں دو طرح کے لوگ ہوں گے محدثین اور فقہاء لیکن اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ حافظ حدیث اور فقیہ میں سے شیطان پر کون زیادہ بھاری ہے۔ حضورﷺ فرما چکے:

فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد.

ترجمہ: ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

اس کی تفصیل اس وقت ہمارا موضوع نہیں حضرت امام شافعیؒ اپنے رسالہ میں اس موضوع کی ایک حدیث پر ایک نہایت مفید بات کہہ گئے ہیں:۔

دل علی انه قدیحمل الفقه غیر فقیه یکون له حافظا ولایکون فیه فقیهاً. (الرسالہ ص ۵۵)

ترجمہ: اس حدیث سے پتہ چلا کہ کبھی حامل فقہ (حدیث روایت کرنے والا) ایسا بھی ہوتا ہے جو خود فقیہ نہ ہو وہ حافظ حدیث تو ہو سکتا ہے لیکن وہ فقیہ کے مرتبے کو نہیں پہنچتا۔

حق یہ ہے کہ کیا محدثین اور کیا فقہاء، دین اسلام کی دونوں ضرورت ہیں۔ اگر محدثین اسلام کا علمی سرمایہ ہیں تو فقہاء اسلام کی علمی شاہراہ ہیں اور ظاہر ہے کہ شاہراہ کے بغیر کسی راہ پر چلا نہیں جاسکتا۔ حافظ ابن قیمؒ نے ایک جگہ تفقہ اور استنباط کے توافق پر ایک نہایت مفید نوٹ تحریر کیا ہے ہم اس کا ترجمہ پیش کیے دیتے ہیں۔

ایک قسم وہ حفاظ ہیں جن کا کام صرف روایت کو یاد رکھنا ہے اور جیسی روایات سنی ہیں انہیں ویسے ہی آگے پہنچا دینا ہے۔ ان کا کام مسائل معلوم کرنا اور استنباط کرنا نہیں ہے دوسری قسم ان علماء کی ہے جن کا کام محفوظ سرمایہ سے مسائل نکالنا اور ان کے احکام مستنبط کرنا ہے۔ پہلی قسم جیسے حافظ ابوزرعہ ابوحاتم اور دوسری قسم جیسے امام مالک اور امام شافعی وغیرہ ہیں۔ خود صحابہؓ میں بھی حفظ روایت اور استنباط مسائل کے لحاظ سے یہ تقسیم موجود تھی غور فرمائیے عبداللہ ابن عباسؓ حبر امت اور قرآن کے ترجمان ہیں مگر اس کے باوجود آپ کی ان حدیثوں کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں ہے جن میں ذاتی سماع اور حضور ﷺ کے دیکھنے کی تصریح ہو مگر حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ کے فتاوے کئی ضخیم جلدوں میں جمع کیے ہیں حافظ ابن حزمؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ان کے بحر فقاہت کی ایک مٹھی ہے ذلک فضل الله یؤتیه من یشاء ان کے مقابلے میں حضرت ابوہریرہؓ ہیں حفظ روایت میں علی الاطلاق حافظ امت ہیں مگر تفقہ اور استنباط میں حضرت ابن عباسؓ کے برابر نہیں حفظ روایت اور استنباط مسائل میں امت کو یہ تقسیم صحابہؓ سے ملی ہے۔ (الوابل الصیب ص ۸۷ مختصراً)

اسلام میں الفاظ حدیث کی روایت اور حفاظت اپنی جگہ ضروری ہے لیکن الفاظ

حدیث کی گہرائی میں اترنا اوران میں لپٹے معانی کا استنباط یہ بھی علم کا کوئی کم اہم باب نہیں ہے ہردو اسلام کی اصل اصیل اوروجہ وجیہ ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

آنحضرتؐ کی طرف سے دین کو آگے لیجانا دوطرح سے ہے ۱۔ الفاظ نبوت کی تبلیغ اور ۲۔ معانی کی تخریج اور نفس مسئلہ کو آگے پہنچانا۔ دوسری قسم فقہائے اسلام کی ہے جومسائل نکالنے کا ملکہ رکھتے ہیں ان حضرات نے پہلے حلال وحرام کے ضابطے مستنبط کیے اصول فقہ مرتب کیے۔ فقہاء کا مقام زمین پر ایسا ہے جیسے ستارے آسمان میں۔ ان کے ذریعے ہی تاریکیوں میں بھٹکے لوگ رستہ معلوم کرتے ہیں۔ لوگوں کو ان کی (فقہاء کی) ضرورت کھانے پینے سے بھی زیادہ ہے اور ان کی اطاعت قرآن کی رو سے والدین کی اطاعت سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ (اعلام الموقعین ص ۸ مختصراً)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی یہی بات لکھ گئے ہیں۔

التخريج على كلام الفقهاء وتتبع لفظ الحديث لكل منهما اصل اصيل في الدين (حجۃ اللہ البالغہ جلد۱،ص۵۲)

ترجمہ: کلام فقہاء پر مسائل کی آگے تخریج کرنا اور الفاظ حدیث کا تتبع ان دونوں کی دین میں ایک بنیادی حیثیت ہے۔

صحابہؓ میں عہد نبوت میں یہ دونوں طبقے موجود تھے۔ ایک دفعہ اسلام میں کچھ نئے داخل ہونے والوں نے حضورؐ کے سامنے ایک بات کہی جو حضورؐ کو اچھی نہ لگی اس پر پرانے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضورؐ ہمارے فقہاء نے تو یہ بات نہیں کی۔

قال له فقهاء هم اماذووا رأينا يارسول الله فلم يقولوا شياء واما اناس مناحديثة اسنا نهم فقالوا يغفرالله لرسول الله صلى الله عليه وسلم. (صحیح بخاری جلد۱،ص۴۴۵)

ترجمہ: ان میں جو فقہاء درجے کے تھے انہوں نے حضورؐ سے کہا حضور ہم میں جو اہل الرای ہیں انہوں نے تو یہ بات نہیں کہی ہاں ہم میں ایسے بھی ہیں جو کم عمر ہیں جو نئے نئے ہیں انہوں نے یہ بات

کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور کو معاف فرمائے۔

اس سے پتہ چلا کہ ان دنوں بھی اعتبار فقہاء کی بات کا ہی ہوتا تھا حدیثہ الاسنان لوگوں کا نہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایک دفعہ ایک بات میں حضرت عمرؓ سے عرض کی۔

فامهل حق تقدم المدينة فانها دارالهجرة والسنة فتخلص باهل الفقه واشراف الناس. (صحیح بخاری جلد۲، ص۱۰۰)

ترجمہ: سو کچھ ٹھہریں یہاں تک کہ آپ مدینہ پہنچیں وہ دارالہجرت ہے اور سنت کا گھر ہے وہاں آپ اہل فقہ سے اور بڑے لوگوں سے علیحدگی میں مل سکیں گے۔

علم حدیث ایک فنکار کے پیرائے میں

علم حدیث میں اشتغال ایک بڑی نعمت ہے حدیث پر اس اعتبار سے نظر کہ یہ کس کس سند سے آتی ہے اور اس پہلو سے اس پر نظر کرنا کہ یہ مقاصدِ شریعت کی تکمیل میں کہاں تک مفید ہے یہ دو بالکل علیحدہ علیحدہ موضوع ہیں۔ دوسرے پہلو سے حدیث پر غور کرنے والے فقہاء ہوتے ہیں۔ ان کا علم حدیث میں اشتغال ایک حافظ حدیث کی حیثیت سے نہیں ہوتا یہ اس پر مقاصدِ شریعت کے ایک پہرے دار کی حیثیت میں نظر کرتے ہیں۔ مقاصدِ شریعت پر اطلاع اور ان کے استنباط واستخراج کا ملکہ یہ علم کی وہ دولت ہے جس سے فقہاء محدثین سے ممتاز ہوتے ہیں اس درجہ کے لوگ زیادہ روایت کرنا پسند نہیں کرتے وہ اسے ایک فن سمجھتے ہیں اور اس کی ضرورت کا انکار نہیں کرتے۔ امام سفیان الثوری (۱۶۱ھ) اپنے دور کے عام اہلحدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

آج کل حدیث پڑھنا موت کی تیاری کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کو دل بہلا دے اور مشغلہ کے طور پر پڑھا جاتا ہے۔ (تذکرہ جلد۱، ص۱۷۳)

اس پر حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

میں کہتا ہوں بخدا امام سفیان نے صحیح کہا ہے حدیث کا علم حاصل کرنا اور حدیث کو طلب کرنا حدیث سے ایک الگ چیز ہے کیونکہ طلب حدیث کا اطلاق کچھ زائد امور پر بھی ہوتا ہے جو نفس حدیث سے

مختلف ہوتے ہیں ان میں چند ایک یہ ہیں جن میں حدیث کا علم حاصل کرنے والے خصوصی دلچسپی لیتے ہیں ۱۔ عمدہ کلام لکھنا ۲۔ عالی سندوں کے حصول کی کوشش کرنا۔ ۳ زیادہ سے زیادہ اساتذہ کا تلمذ چاہنا ۴۔ مختلف القاب سے ملقب ہونے پر خوش ہونا ۵۔ عمر طویل کی خواہش تا کہ کثیر تعداد لوگوں تک احادیث کی روایت کی جاسکے ۶۔ اور بعض امور میں منفرد رہنے کی چاہت تو یہ تمام چیزیں نفسانی اغراض کا پتہ دیتی ہیں انہیں اعمال ربانی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

(تذکرہ جلد ۱، ص ۱۷۴)

اس امت میں فقہاء محدثین پر کیوں چھائے رہے؟ یہ محض اس لیے کہ وہ مقاصد شریعت کے ساتھ ساتھ چلے ہیں اور الفاظ کے نام ونمود کی انہیں کچھ خواہش نہیں رہی ہے۔

علامہ ذہبیؒ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

خدا کی قسم صحابہؓ وتابعین کو ان علوم (علم منطق جدلیات وغیرہ) سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ امام اوزاعی، سفیان ثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام ابن ابی ذئب اور امام شعبہ ان میں سے کسی علم کو قابل التفات سمجھتے تھے۔

ائمہ اربعہ نے علم حدیث میں ایک فنکار کا پیرایہ اختیار نہیں کیا اور نہ امام احمد کے سوا کسی نے حدیث کثرت سے روایت کی ہے ان کی نظر کثرت نقل پر نہیں مقاصد شریعت پر رہتی تھی اور انہیں سے علماء مجتہد بنے ہیں۔ علامہ شاطبی لکھتے ہیں۔

انما تحصیل درجة الاجتهاد لمن اتصف بوصفين احدهما فهم مقاصد الشريعة على كمالها والثانى من الاستنباط.

(الموافقات جلد ۱، ص ۲۴)

ترجمہ: اجتہاد کا درجہ اسے ہی ملا جو ان دو وصفوں سے موصوف ہوا۔ ایک مقاصد شریعت کو پورے کمال سے سمجھ پانا اور دوسرا اپنے اندر ملکہ استنباط رکھنا (جس سے مسائل کا استخراج کیا جاسکے)۔

مجتہدین گو اپنی جگہ محدث بھی ہوتے ہیں لیکن علم حدیث میں ان کی نظر مقاصد شریعت پر ہوتی ہے کثرت طرق، تعدد اسناد، سند عالی اور حفظ کی شہرت ان کے سامنے نہیں

ہوتی۔ حضرت امام احمد اس لحاظ سے دوہری منقبت کے لائق ہیں کہ باوجود کثرت روایت کے محدثین کے ان اطوار سے جن کی نشاندہی علامہ ذہبی نے کی ہے یکسر کنارہ کش رہے وہ محدث ہونے کے باوجود کامل مجتہد بھی تھے اور مقاصدِ شریعت پر ان کی گہری نظر بھی تھی۔ جو علم مقاصدِ شریعت کی تکمیل کرے وہ جملہ مجتہدین کو بخوبی حاصل رہا ہے۔ وہ مجتہد ہی کیا جس کے پاس حدیث کا ضروری علم موجود نہ ہو۔ رہے کثرت طرق تو نہ ان پر شریعت کا مدار ہے نہ ان میں اجتہاد کا انحصار ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی مجتہد ہوئے ہیں اس میں وہ امت میں کبھی کوئی اختلافی شخصیت نہیں رہے۔ پوری امت نے انہیں بالاتفاق علمی درجے میں کامل مجتہد مانا ہے اور یہ درجہ علم حدیث پر پورے تمکن کے بغیر کسی کو نہیں مل سکتا علامہ شاطبی لکھتے ہیں:۔

> وکان متمکنا من الاطلاع علی مقاصد ھا کما قالوا فی الشافعی وابی حنیفۃ فی علم الحدیث۔ (الموافقات جلد۱، ص۱۰۸)
>
> ترجمہ: اور مقاصد شریعت پر پختہ اطلاع رکھتا ہو جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے علم حدیث پر علماء کی رائے متفقہ ہے۔

علماء اسلام کی اس متفقہ رائے کی روشنی میں حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علم حدیث کے بارے میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا اور ان حضرات کے بارے میں کوئی ایسا تصور بھی ہرگز راہ نہیں پاتا جس کے تحت ان ائمہ کبار کی نظر مقاصد شریعت پر کمزور نظر آئے۔ یہ حضرات دینی علم کے کسی پیرائے میں کسی شبہ کا شکار نہیں ہوئے ان کے اس مرتبہ امامت پر ہمیشہ سے پوری امت کا اجماع رہا ہے۔ ان کے اجتہادی مسائل سے کسی کو اختلاف ہو تو ہو لیکن اُن کے مقام اجتہاد میں کسی صاحب علم کو کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔

محدثین اور فقہاء کی مختلف ذمہ داریاں

حضرت مولانا کرامت علی جونپوری (۱۲۶۹ھ) خلیفہ حضرت سید احمد شہید وشاگرد حضرت مولانا احمد اللہ الصدیقی شاگرد شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی اپنے وقت کے ایک بڑے مصلح اور داعی گزرے ہیں بنگال کے حق میں خدا کی کھلی رحمت تھے اور تاثیر وہدایت میں آیۃ من آیات اللہ (خدا کی ایک نشانی) تھے آپ اپنے رسالہ حجت قاطعہ میں لکھتے ہیں:۔

فقہاء دین کے حاکم ہیں دین کے معاملے میں حکم دینے کا ان کو اختیار ہے اور

محدث لوگ دین کے چوکیدار ہیں دین کی امانت کو یعنی حدیث کو حفاظت کے ساتھ رکھ کر اس کے لائق لوگوں کے پاس بجنسہ پہنچا دیتے ہیں ان کو حکم دینے کا اختیار مطلق نہیں ہوتا۔ اس قاعدے کے صحیح ہونے پر امۃ کا اجماع ہے کیونکہ کسی نے اس قاعدے سے انکار نہیں کیا اور سارے فقہاء اور محدثین اور مفسرین، متکلمین وصوفیہ فقہ پر عمل کرتے چلے آئے ہیں اور فقہ پر عمل کرنے کی تاکید سب نے کی ہے۔ چنانچہ الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ بزازی نے اپنی کتاب مناقب میں ان چار چیزوں کو ذکر کیا ہے سوان سب چار چیزوں کے بیان کے بعد امام بخاری نے کہا پھر اگر طاقت نہ رکھے اس سب مشکل بوجھ کے اٹھانے کی تو اس پر واجب ہے فقہ کا اختیار کرنا جس کا سیکھنا ممکن ہے اپنے گھر بیٹھے بیٹھے اور فقہ سیکھنے میں نہ تو دور و دراز سفر کرنے کا محتاج ہے نہ ملک ملک پھرنے کا اور نہ جہاز وکشتی پر سوار ہو کے دریا کی سیر کا اور باوجود اس آسانی کے فقہ جو ہے سو پھل اور مقصد اصلی حدیث کا ہے اور فقیہ کا ثواب اور اس کی عزت محدث کے ثواب سے اور اس کی عزت سے کم نہیں یہاں تک کہ بخاری کی بات ختم ہوئی سو اس بات سے فقہ کے مرتبہ اور بلندی کو دریافت کرو۔

(حجت قاطعہ ص ۱۰۱/۱۰۲ مشمولہ ذخیرہ کرامت حصہ اول طبع ۱۳۴۴ھ کانپور)

انبیاء سے مشابہت کن کے حصے میں آئی:

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں۔

پس مشابہ بانبیاء دریں فن مجتہدین مقبولین اند پس ایشاں را از ائمہ فن باید شمرد مثل ائمہ اربعہ...... پس گویا مشابہت تامہ دریں فن نصیب ایشاں گردیدہ بناء علیہ درمیان جماہیر اہل اسلام از خواص وعوام بلقب امام معروف گردیدند و بقوت اجتہاد موصوف۔ (منصب امامت ص ۵۳)

ترجمہ: پس اس فن میں انبیاء کے مشابہ مجتہدین مقبولین ہوئے ہیں انہیں ائمہ فن میں شمار کرنا چاہیے جیسے کہ چار امام ہوئے اس فن میں مشابہت تامہ انہی کو نصیب ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ عامہ اہل اسلام میں وہ خواص ہوں یا عوام یہ حضرات ملقب بامام ہوئے۔

فکر کرنے کی ایک دردمندانہ درخواست:

قارئین سے غور کرنے کی درخواست ہے وہ لوگ جو ائمہ اربعہ کے مقام امامت

سے بغض رکھتے ہیں اور مجتہدین کو محدثین سے اُونچے درجے کے علماء تسلیم کرنے میں انہیں جھجک محسوس ہوتی ہے آپ خود فیصلہ کریں وہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے کیسے ہم مسلک ہوسکتے ہیں؟

اعمال میں چار مذہبوں کی متابعت جو اہل اسلام میں رائج ہیں بہت عمدہ ہے لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جاننا چاہیے بلکہ آپ کا علم تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے۔ (صراط مستقیم ص ۹۷)

پھر یہ بھی کہتے ہیں:۔

مجتہد ایسا ہو کہ جس کا اجتہاد امت کے اکثر عالموں نے قبول کیا ہو جیسے امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور قیاس بھی فاسد نہ ہو۔ (یعنی قیاس کسی نص سے متصادم نہ ہو۔)

(تذکیر الاخوان ص ۱۸۴)

یہ تحریرات تیرہویں صدی کی ہیں ان میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کو جلی لفظوں میں امام اعظم کہا گیا ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ تیرہویں صدی تک محدثین اور فقہاء میں کوئی تعارض اور تصادم نہ تھا مجتہدین کے بارے میں محدثین ہمیشہ تسلیم کرتے آئے ہیں کہ علم نبوت کی گہرائی میں یہی لوگ اترتے ہیں اور نہ صرف ان کے علم کی شان ہے کہ مسائل غیر منصوصہ میں یا مسائل منصوصہ (بظاہر) متعارضہ میں حکم جاری کرسکیں۔ مجتہدین کے اس حق کا محدثین نے بھی کبھی انکار نہیں کیا یہ صرف ہندوستان کے چودھویں صدی کے خار مغیلاں ہیں جنہوں نے علم فقہ کے خلاف بلا اسے سمجھے اپوزیشن کی دیوار کھڑی کررکھی ہے اور ایک نیا فرقہ قائم کرلیا ہے اسلاف میں تو ایسا نہ تھا۔ یہ ترک تقلید کی ہوا اسی دور میں چلی ہے جس کے نتیجے میں نیچریوں، منکرین حدیث اور قادیانیوں کو اپنے نئے نئے دائرے بنانے کا موقعہ مل گیا ہے۔ افسوس صد افسوس:

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس خدشے کا اظہار پہلے سے کردیا تھا۔

سات فقہاء کا نظریہ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد:

جس طرح فقہ اور حدیث میں نسبت تضاد نہیں۔ محدثین اور فقہا بھی ایک دوسرے کے ہم دوش چلے ہیں ان میں بھی آپس میں کوئی تخالف نہیں۔ بعض کم علم لوگ فقہ کو اس طرح حدیث کا مخالف، بتاتے ہیں جس طرح بعض دوسرے کم فہم حدیث کو قرآن کے مقابل لا کھڑا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث ایک عجمی سازش ہے جو لوگوں کو قرآن سے دور کرنے کے لیے کی گئی ہے۔ (معاذ اللہ)

ہم یہاں محدثین اور فقہاء دونوں کو ایک ساتھ ملا کر بیان کرتے ہیں اس سے علمی دنیا میں ہم آہنگی پیدا ہوگی واللہ هو الموفق

ہم سب سے پہلے سات بڑے فقہاء کا نظریۂ حدیث پیش کرتے ہیں جس سے پتہ چلے گا کہ وہ رائے کو حدیث کے سامنے کس طرح مسترد کرتے تھے۔

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ)
۲۔ حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ)
۳۔ حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ)
۴۔ حضرت امام ابویوسفؒ (۱۸۲ھ)
۵۔ حضرت امام زفرؒ (۱۵۸ھ)
۶۔ حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)
۷۔ حضرت امام احمدؒ (۲۴۱ھ)

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) فرماتے ہیں:

اذاجاء نا الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ناخذبه

واذا جاء نا من الصحابة تخيرنا واذا جاء نا عن التابعين زاحمناهم. (الانتقاء لابن عبدالبرص ۱۴۱)

ترجمہ: جب ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث پہنچے تو ہم اس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اور صحابہؓ سے جب کوئی روایت پہنچے تو ہم ان میں سے کسی کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور جب ہمیں کوئی بات تابعینؒ سے آئے تو ہم ان کے برابر اپنی بات لاتے ہیں۔ (خود اجتہاد کرتے ہیں)

حضرت امام ابوحنیفہؒ یہ بھی فرماتے ہیں:۔

اخذ بكتاب الله فمالم اجد فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم والا ثار الصحاح عنه التى فشت فى ايدى الثقات فان لم اجد فبقول اصحابه اخذ بقول من شئت واما اذاانتهى الامرالى ابراهيم والشعبى والحسن والعطاء فاجتهد كما اجتهدوا. (المناقب للذہبیؒ ص ۲۰ ولم یوبدہ مافی تاریخ بغداد جلد ۱۳، ص ۳۶۸)

ترجمہ: میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں اگر مجھے وہاں بات نہ ملے تو پھر حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آثار صحیحہ جو ثقہ راویوں کے پاس ثقہ راویوں سے پہنچے ہوں ان کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں اگر میں وہاں بھی بات نہ پاؤں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے جس کی بات چاہوں لے لیتا ہوں لیکن جب معاملہ ابراہیم نخعیؒ، علامہ شعبیؒ، حسن بصریؒ اور عطابن ابی رباحؒ تک پہنچے تو میں اسی طرح اجتہاد کرتا ہوں جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا ہے۔

ان حضرات سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اپنی اور اپنے اساتذہ کی رائے پر حدیث اور آثار صحابہؓ کو بہرحال مقدم کرتے ہیں اور آپ حدیث کے ہوتے ہوئے محض رائے سے دین کی بات کہنا جائز نہ سمجھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

لم تزل الناس فی صلاح مادام فیهم من یطلب الحدیث فاذا طلبوا العلم بلا حدیث فسدوا. (میزان کبریٰ للشعرانی جلد۱، ص۵۱)

حضرت امام ابوحنیفہؒ یہ بھی فرماتے ہیں:۔

ایاکم والقول فی دین اللّٰہ بالرأی وعلیکم بالسنة فمن خرج عنها ضل. (میزان کبریٰ للشعرانی جلد۱، ص۵۰)

ترجمہ: دیکھنا! اللہ کے دین میں رائے سے بات کہنے سے بچنا تم پر سنت کی اتباع لازم ہے جو سنت سے نکلا اس نے رستہ کھودیا۔

سنت کا ثبوت کمزور سند سے بھی ملے تو رائے سے مسئلہ بتانے سے بہتر ہے۔

خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس کسی نے شکایت کی کہ امام ابوحنیفہ حدیث کی پرواہ نہیں کرتے ابو جعفر نے حضرت امام صاحب سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:۔

اے امیر المومنین! تم نے غلط سنا ہے میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں اس کے بعد سنت رسولؐ پر اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فیصلوں پر پھر باقی صحابہؓ کے فیصلوں پر جب صحابہ کرامؓ کسی مسئلے میں مختلف ہوتے ہیں تو بحالت مجبوری قیاس کرتا ہوں (اور ان میں سے کسی کی بات کو ترجیح دیتا ہوں۔ (ایضاً جلد۱، ص۷۷)

جو شخص یہ کہے کہ امام ابوحنیفہؒ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے تھے اس کے بارے میں علامہ شعرانی لکھتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ کلام اس شخص کا ہے جو امام ابوحنیفہؒ سے تعصب رکھنے والا اور اپنے دین میں دلیر ہے اور بات چیت میں احتیاط کرنیوالا نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے غافل ہے کہ بیشک کان آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں اس شخص سے پرسش کی جائے گی۔ (ایضاً جلد۱، ص۱۷۴)

آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

اگر اس پر بھی کوئی اعتراض کرنے سے باز نہ آئے تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کا سبب سوائے اس کے کہ وہ قلبی بینائی سے

کور ہے اور کچھ نہیں۔ (ایضاً ص۱۹۲)

پیش نظر رہے کہ علامہ شعرانی (۹۷۶ھ) کوئی حنفی المذہب بزرگ نہیں ہیں کہ اپنے امام کا دفاع کرر ہے ہوں آپ شافعی المذہب تھے یہ آپکی انصاف پسندی ہے کہ حق بات کو حق کہہ گئے آپ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

ایک مرتبہ امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ ہم کو حدیث سے علیحدہ کرو امام صاحب نے اس کو سختی سے ڈانٹا اور فرمایا اگر حدیث نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی آدمی قرآن مجید کو نہ سمجھ پاتا پھر آپ نے اس شخص سے سوال کیا کہ بندر کے گوشت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو کیا قرآن میں اس کی حرمت یا حلت کی کوئی دلیل ہے؟ وہ شخص لاجواب ہوگیا اور ساکت ہوگیا پھر اس شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی اس میں کیا رائے ہے آپ نے جواب دیا کہ بندر بھیمۃ الانعام یعنی چار پایہ جانوروں میں سے نہیں ہے (یعنی وہ حلال نہیں) (المیزان جلد۱، ص۱۵۸)

۲۔ امام ربانی حضرت امام محمد بن حسن الشیبانی (۱۸۹ھ)

امام محمد کی کتابیں فقہ حنفی کی اصل سمجھی جاتی ہیں حدیث میں آپ کی تالیفات کو الگ رکھیے آپ اپنی فقہ کی کتابوں میں بھی اسطرح احادیث وآثار کی روشنی میں چلے ہیں کہ صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آثار صحابہ ہی اصل دین ہیں آپ اپنی فقہ کی کتابوں میں محدثین کی طرح اپنی سند سے احادیث روایت نہیں کرتے لیکن مسائل کے بیان میں کہیں کہیں اسطرح احادیث وآثار کے اشارے دیتے ہیں کہ ان میں آپ کا نظریہ حدیث نہایت روشن دکھائی دیتا ہے ہم یہاں آپکی کتاب الاصل سے چند مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں یہ کتاب علامہ ابوالوفا افغانی کے حاشیے سے پانچ ضخیم جلدوں میں بیروت سے شائع ہوئی ہے اسکے یہ چند مقامات ملاحظہ ہوں۔

> انما نتبع فی ھذہ السنۃ والآثار المعروفۃ کتاب الاصل جلد۱، ص۴۰۰ وکذلک جاء الاثر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد۲، ص۱۹۲ بلغنا عن رسول اللہ صلی

اللّٰہ علیه وسلم انه کان یقول جلد۲، ص۲۵۱ بلغنا ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لم یزل یلبی حتی رمی جمرة العقبه جلد۲، ص۳۵۳ بلغنا عن رسول اللّٰہ انه تعجل من العباس بن عبدالمطلب زکٰوة سنین جلد۲، ص۶۷ بلغنا عن رسول اللّٰہ نحو ذلک جلد۲، ص۱۱۷، ص۱۲۱ عن عکرمة ان اعرابیا شهد عند رسول اللّٰہ فی رؤیة الهلال جلد۳، ص۸۳ وعمر بن الخطاب شهد عنده ابوموسیٰ الاشعری ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال اذا استاذن احدکم ثلثا فلم یوذن له فلیرجع فقال البت معک بشاهد علی ذلک فهذا افضل والواحد مجزی جلد۳ ص۷۵ بلغنا نحوذلک عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم جلد۵، ص۶۳ عن ابی سعید الخدری عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال الذهب بالذهب مثل بمثل یدبید والفضل الربا جلد۵، ص۵ بلغنا عن رسول اللّٰہ انه نهی عن بیع الغرر عن بیع العبد الابق جلد۵ ص۸۹ حدثنا ابوحنیفه رفعه الی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم انه نهی عن شرطین فی بیع جلد۵ ص۱۱۲ ص ۸۹ بلغنا عن ابی بکر انه حسن ولی جلد۲ ص۱۵۷ بلغنا عن عمر بن الخطاب جلد۲ ص۱۳۲ عن عمر بن الخطاب نحوذلک جلد۲ ص۱۶۳ بلغنا عن عائشه ان امراة سالتها جلد۵ ص۱۹۳ کذلک بلغنا عن علی بن ابی طالب جلد۲ ص۲۲۷ ص ۷۸ وکذلک جاء الاثر عن علی بن ابی طالب جلد۲ ص۸۴ عن علی جلد۲ ص۱۶۶ ص۲۳۲ ص۳۲۸ عن

عمر بن الخطاب انه اتی بصدقة فلبعث بها الی اهل بیت واحد جلد۲ ص۱۲۶ بلغنا ذلک عن عبداللّٰه بن عباس جلد۵ ص۹۱ بلغنا عن عمرو عبداللّٰه بن مسعود جلد ۲ ص ۳۸۰ بلغنا عن عبداللّٰه بن مسعود جلد ۲ ص ۴۵۲

یہ امام محمدؒ کی صرف ایک کتاب ہے جو فقہ میں ہے ہم نے ان کا عام پیرایہ بیان نقل کیا ہے یہ پیرایہ بیان حضرت امام محمدؒ کے اصحاب الحدیث میں سے ہونے پر کھلی شہادت دے رہا ہے کیا اس میں آپ کے اہل الرائے میں سے نہ ہونے کی واضح خبر نہیں ہے؟ اگر اہل الرائے سے مراد وہ لوگ ہوں جو احادیث وآثار کے مقابل محض اپنی رائے اور قیاس سے چلتے ہیں تو حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد یقیناً ان میں سے نہ تھے۔ لیجیے ہم حضرت امام محمدؒ کی ایک دوسری کتاب سے ایک یہ حوالہ بھی ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ جو ان ائمہ حدیث سے اہل الرائے ہونے کی عام تہمت کو یکسر پیوست خاک کردیتا ہے۔

حضرت امام محمدؒ اس بحث میں کہ نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

لولاما جاء من الاثار کان القیاس علی ماقال اهل المدینة ولکن لاقیاس مع اثر ولاینبغی الاان ینقادللاثار.

(الحجۃ علی اہل المدینہ جلد۱، ص۲۰۴)

ترجمہ: اگر وہ آثار نہ ہوتے جو وارد ہو چکے تو قیاس وہی چاہتا ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس جائز نہیں اور اس موقع پر اس کے سوا کوئی راہ نہیں کہ احادیث کے سامنے سر تسلیم کردیا جائے۔

اس سے پتہ چلا کہ ائمہ احناف کے ہاں حدیث بہرحال مقدم رکھی جاتی تھی اور اس کے ہوتے ہوئے رائے اور قیاس سے کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

۳۔ حضرت امام مالکؒ:

قال معن بن عیسی سمعت مالکا یقول انما انا بشراخطئ

واصیب فانظروا فی رای فکل ماوافق الکتاب والسنة فخذوابه وکل مالم یوافق الکتاب والسنة فاترکوہ.
(ترتیب المدارک جلد۱،ص۱۸۲،ص۱۸۹)

ترجمہ: معن بن عیسیٰ کہتے ہیں میں نے امام مالک کو کہتے سنا ہے میں ایک انسان ہوں درست فیصلے بھی کرپاتا ہوں اور کبھی چوک بھی جاتا ہوں تو میرے فتوی پر غور کیا کرو جو کتاب وسنت کے موافق ہو اسے لے لیا کرو (مجتہد کے فیصلے کو لینا کوئی بری بات نہیں) اور جو فیصلہ کتاب وسنت کے موافق نہ ہو تو اسے چھوڑ دیا کرو۔

ابن ابی حاتم حضرت امام مالکؒ سے اور وہ ربیعہؒ سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا:۔

ان اللّٰہ تعالی انزل علیکم الکتاب مفصلا وترک فیه موضعا للسنة وسن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وترک فیها موضعا للقیاس. (الدرالمنثور جلد)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالی نے تمہاری طرف کتاب مفصل بھیجی اور اس میں سنت کے لیے جگہ رکھ لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں قائم کیں اور ان میں اجتہاد کی راہیں رکھ لیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ فقہاء نے اجتہاد اور قیاس کو کبھی سنت کے مقابل نہیں رکھا اسے ہمیشہ سنت کے تحت جگہ دی ہے۔

۴۔ حضرت امام ابو یوسفؒ:

حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) نے خلیفہ ہارون الرشید کو حضرت عمرؓ کا یہ خطبہ یاد دلایا۔

اللهم انی اشهدک علی امراء الامصار فانی انما بعثتهم لیعلموا الناس دینهم وسنة نبیهم (ص۱۴) انی لم ابعثهم الا لیفقهو الناس فی دینهم (کتاب الخراج ص۱۱۸)

حاصل اینکہ اے امیر المؤمنین: اپنے عمال کو حکم دے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدینؓ کی سنت کے مطابق فیصلہ دیں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا وہ خط بھی تھا جو آپ نے خلیفہ وقت ابو جعفر منصور کو لکھا تھا:۔

میں پہلے قرآن کے مطابق پھر سنت رسول کے مطابق، پھر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ دیتا ہوں پھر دوسرے صحابہؓ کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں ان میں اگر اختلاف ہو تو پھر اپنی رائے سے ان میں کسی کا قول اختیار کر لیتا ہوں۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ ص ۶۲)

۵۔ حضرت امام زفرؒ:

حضرت امام زفرؒ بن الہذیلؒ (۱۵۸ھ) حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ قیاس کے ماہر ہیں آپ بھی فرماتے ہیں:۔

لا ناخذ بالرأی مادام الاثر واذا جاء الاثر ترکنا الرأی.

(جواہر المضیہ جلد ۲، ص ۵۳۴، الفوائد البہیہ ص ۷۶))

ترجمہ: جب حدیث موجود ہو ہم رائے پر نہیں چلتے اور جب حدیث آجائے تو ہم نے رائے قائم بھی کی ہو تو اسے چھوڑ دیتے ہیں۔

جب امام زفرؒ بھی رائے اور قیاس کو حدیث اور اثر کے مقابل کچھ نہیں سمجھتے تو اور کوئی فقیہ قیاس کو اس سے اونچا درجہ کیا دے سکتا ہے۔

گیارہویں صدیں تک یہی آواز سننے میں آرہی ہے کہ حدیث اور اثر کے سامنے رائے اور قیاس کوئی وزن نہیں رکھتے محدث کبیر شارح مشکوۃ مجدد مائۃ وہم ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری لکھتے ہیں:

ان مذهبهم القوی تقديم الحديث الضعيف على القياس المجرد الذی يحتمل التذييف نعم من رای ثاقبهم الذی

ھو معظم مناقبھم انھم ما تشبثو بالظواھر بل دققوا النظر فیھا بالبحث عن السرائر. (مرقات جلد۱، ص۳)

ترجمہ: فقہائے احناف کا قوی مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف بھی ہوتو اسے اس قیاس پر جو بے بنیاد ہو مقدم کیا جائے ہاں ان کی روشن رائے بھی رہی ہے اور اس میں ان کی بڑی منقبت ہے کہ وہ ظاہر حدیث سے تمسک نہیں کرتے بلکہ اس کے اندر لپٹے معنی پر بھی غور کرتے ہیں اور دقت نظر سے کام لیتے ہیں۔

یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ صرف اکابر ائمہ فقہ کے فیصلے تھے فقہاء مابعد بھی ان کے مطابق ہی چلے ہیں۔ لیجیے ہم فقہ حنفی کے مزاج شناس علامہ شامیؒ (۱۲۵۲ھ) کے حوالے سے بات آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ دوسری صدی میں جو کچھ کہا گیا تھا اسی کی آواز گیارہویں اور تیرہویں صدی میں بھی سنی جارہی ہے ملاحظہ فرمایئے:۔

نقل العلامہ بیری فی اول شرحہ علی الاشباہ عن شرح الھدایۃ لابن شحنۃ ونصہ اذا صح الحدیث وکان علی خلاف المذھب عمل بالحدیث ویکون ذلک مذھبہ ولایخرج مقلدہ عن کونہ حنفیا بالعمل بہ فقد صح عنہ انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذھبی وقدحکی ذلک ابن عبدالبر عن ابی حنیفۃ وغیرہ من الائمۃ ونقلہ ایضا الامام الشعرانی عن الائمۃ الاربعۃ. (ردالمحتار جلد۱، ص۳۵۸)

ترجمہ: علامہ بیریؒ نے الاشباہ کی شرح کے شروع میں علامہ ابن شحنہ کی شرح ہدایہ سے نقل کیا ہے کہ جب حدیث صحیح طریق سے ثابت ہوجائے اور وہ اپنے فقہی مذہب کے خلاف ہو تو عمل حدیث پر کیا جائیگا اور یہی آپ کا مذہب شمار ہوگا اور حدیث پر عمل کرنے سے کوئی شخص حنفی ہونے کے دائرہ سے نہیں نکلتا کیونکہ امام ابوحنیفہؒ سے صحیح

طریق سے یہ بات پہنچی ہے آپ نے فرمایا جوکوئی حدیث صحیح طریق
سے ثابت ہو جائے تو اسے ہی میرا مذہب سمجھو علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ
نے بھی امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے ائمہ فقہ سے یہ بات نقل کی ہے اور
علامہ شعرانیؒ یہ بات ائمہ اربعہ سے نقل کرتے ہیں۔
نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ بھی لکھتے ہیں:۔

وذکر ابن حزم الاجماع علی ان مذھب ابی حنیفه ان
ضعیف الحدیث اولی عنده من الرأی والقیاس.

(دلیل الطالب ص ۸۷)

ترجمہ: ابن حزمؒ لکھتے ہیں اس بات پر اجماع ہے کہ ابوحنیفہؒ کے ہاں
ضعیف حدیث بھی رائے اور قیاس پر مقدم ہے۔

۶۔ حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)

حضرت امام شافعیؒ مجتہد مطلق تھے آپ نے حدیث کی کوئی بڑی کتاب (جیسے بخاری شریف اور صحیح مسلم) نہیں لکھی مسند امام شافعیؒ ایک چھوٹی سی کتاب ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام شافعیؒ علم حدیث میں ان محدثین سے کم تھے آپ کی زندگی کا موضوع فقہ رہا ہے اس لیے بطور فن کار محدث کے آپ حدیث کی کوئی بڑی کتاب نہ لکھ سکے۔ تاہم آپ کی ''کتاب الام'' میں سینکڑوں احادیث آپ نے روایت کی ہیں آپ ہمیشہ سنت کے علمبردار رہے تحامل امت کو آپ نے ہمیشہ حدیث کے بعد رکھا ہے۔

حضرت علامہ ذہبیؒ (۷۴۸ھ) آپ کو امام العلم حبر الامۃ اور ناصر السنۃ لکھتے ہیں
حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

کان اصحاب الحدیث رقود احتی ایقظهم الشافعی. (توالی التاسیس ص ۵۹)

ترجمہ: اصحاب الحدیث سوئے ہوئے تھے امام شافعیؒ نے انہیں جگا دیا۔
یعنی محدثین روایت حدیث میں مصروف رہے پڑھنے پڑھانے کا کام فقہاء کرتے

رہے امام شافعیؒ نے محدثین کو جگایا وہ اس فن کے لیے اٹھے اور اس کی باقاعدہ تدوین کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کتابیں اس کے بعد لکھی گئی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے علم حدیث کم تھا پچھلوں نے پہلوں ہی سے علم لیا ہے نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ امام شافعیؒ صرف حدیث کو دیکھتے تھے تعامل امت کو نہ لیتے تھے ایسا ہرگز نہیں آپ نے بیس رکعات تراویح کا فیصلہ تعامل امت سے ہی تو کیا ہے

حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:۔

قال الشافعیؒ هکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة. (جامع ترمذی جلد ۱، ص ۱۳۹)

ترجمہ: امام شافعیؒ کہتے ہیں اسی طرح میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے ہی پایا ہے۔

امام شافعیؒ اپنے زمانے کی بات جس انداز میں لکھ رہے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان سے سالہا سال پہلے بھی مسجد حرام میں بیس تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔

۷۔ حضرت امام احمدؒ بن حنبل (۲۴۱ھ)

حضرت امام احمد نے امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی شاگردی کا شرف پایا ہے آپ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور امام ابوداؤدؒ کے استاد ہیں ائمہ اربعہؒ میں آپ چوتھے امام ہیں سعودی عرب کے علماء آل شیخ سب آپ کے مقلد ہیں۔ آپ کا نظریہ حدیث امام ابوحنیفہؒ کے نظریہ حدیث سے ملتا ہے ابن عبدالبر لکھتے ہیں:۔

فتقدیم الحدیث الضعیف واثار الصحابة علی القیاس والرأی قوله وقول احمد. (جامع بیان العلم ۲ص)

وقد قدم الحدیث الضعیف علی القیاس. (ایضاً جلد ۱، ص ۳۱)

ترجمہ: حدیث ضعیف بھی ہو تو اسے اور آثار صحابہ کو رائے اور قیاس سے مقدم کیا جائیگا یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ دونوں کا مذہب ہے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دین میں رائے سے کام لینا یہ امام ابوحنیفہؒ کا

طریقہ نہ تھا حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ دونوں کا نظریہ حدیث ایک تھا کہ قیاس اور رائے کو کسی صورت میں حدیث پر مقدم نہیں کیا جا سکتا گو وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔

یہ اجلہ فقہاء کا نظریہ حدیث آپ کے سامنے آگیا ہے اب ذرا محدثین کی جوابی روش بھی دیکھ لیں کہ وہ کس طرح فقہاء کے ساتھ مل کر چلے ہیں اور ان کے سایہ میں چلے ہیں وہ حضرات آج کل کے اہل حدیث کی طرح فقہاء سے ہرگز کوئی بغض نہ رکھتے تھے۔

محدثین فقہ کے سائے میں

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

یہ نہ سمجھا جائے کہ جب پہلے دور کے بعد محدثین اٹھے وہ گویا فقہ کے مقابل ایک دوسری تحریک تھی ایسا نہیں یہ عظیم المرتبت محدثین اپنے عملی پہلو میں کسی نہ کسی مجتہد کے سائے میں ہی چلتے تھے ہر مسئلے میں نہ صحیح بیشتر مسائل میں ان کا رجوع کسی ایک امام کی طرف ہی ہوتا تھا اور اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ محدثین کے اپنے اجتہادات ائمہ اربعہ کے اجتہاد کو نہ پہنچتے تھے۔ حضرت امام بخاری ایک درجے میں مجتہد تھے لیکن انکے اجتہادات حضرتؒ امام احمدؒ کے اجتہادات کو نہیں پہنچتے ہم یہاں صرف پانچ محدثین کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ)

علامہ ذہبی آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

ممتاز حافظ حدیث اور چوٹی کے اماموں میں سے ایک امام، پختہ کار عالم دین، عراق کے جلیل القدر محدث۔

امام یحییٰ بن معینؒ (۲۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ وکیع اپنے زمانے میں ایسے تھے جیسے اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) اپنے زمانہ میں۔ ...

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے وکیع سے افضل کوئی آدمی نہیں دیکھا رات کو قیام کرتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔

عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں آج دونوں شہروں کے بڑے عالم وکیع بن الجراحؒ ہیں۔ (تذکرہ الحفاظ جلد۱، ص۲۳۹)

حضرت امام وکیع بن جراحؒ اپنے عملی پیرایہ میں ائمہ حنفیہ میں سے تھے (مفتاح السعادۃ جلد۲، ص۱۷ اموںی طاش وادہ کبریٰ) اور آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ

دیتے تھے۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

ویفتی بقول ابی حنیفۃ (تہذیب جلد ۱۱، ص ۱۲۷، تذکرۃ الحفاظ جلد ۱، ص ۲۸۲ جامع بیان العلم جلد ۲، ص ۴۹)

آپ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

۲۔ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ (۱۹۸ھ)

علامہ ذہبیؒ آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں مجھے عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (۱۶۰ھ) نے کہا تھا کہ تم اپنی آنکھوں سے یحییٰ بن سعیدؒ جیسا کوئی آدمی نہ دیکھو گے۔

علی بن المدینیؒ (۲۳۳ھ) کہتے ہیں میں نے ان سے بڑا اسماء الرجال کا ماہر نہیں دیکھا۔

ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ آپ ثقہ حجۃ مامون اور اونچے درجے کے حامل علم ہیں۔

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر امام مالکؒ، شعبہؒ اور یحییٰ بن سعید القطانؒ اللہ تعالیٰ کے امین ہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ علم میں پختگی امام یحییٰ بن سعیدؒ پر ختم ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱، ص ۳۳۴ اُردو)

حضرت امام یحییٰ بن سعید القطانؒ بھی فقہ میں حنفی تھے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے یحییٰ بن معینؒ (۲۳۳ھ) نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

(تاریخ بغداد جلد ۱۳، ص ۴۷۱)

علامہ ذہبیؒ (۷۴۸ھ) حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) اور حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) کہتے ہیں کہ:۔

کان یحیی القطان یفتی بقول ابی حنیفۃؒ

یحییٰ بن سعید القطانؒ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱، ص ۲۸۲، البدایۃ جلد ۱۰، ص ۱۰۸ تہذیب جلد ۱۱، ص ۱۲۷)

۳۔ امام شعبہ بن الحجاجؒ (۱۶۰ھ)

امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) کے بقول آپ امیرالمومنین فی الحدیث ہیں آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی علمی عظمت اور جلالت شان کے قائل تھے آپ کو جب حضرت امام کی وفات کی خبر پہنچی تو فرمایا آج کوفہ میں علم کا چراغ گل ہوگیا ہے

حافظ موصلی تہذیب الکلام میں لکھتے ہیں:۔

كان شعبة حسن الرأى فى ابى حنيفة

ترجمہ: امام شعبہؒ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

(عقود جواہر الحنفیۃ ص ۸)

محدث ابن حجر مکیؒ (۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

امام شعبہؒ کہتے تھے جو لوگ حضرت امام ابوحنیفہؒ پر طعن کرتے ہیں وہ خدا کے یہاں اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔

۴۔ حضرت امام لیث بن سعد مصریؒ (۱۷۵ھ)

آپ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کے استاد حضرت یحیٰی بن بکیرؒ (۲۳۱ھ) کے استاد ہیں صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ہیں آپ کی جلالت علم اور ثقاہت پر علماء کا اجماع ہے آپ بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے اور آپ کے شاگرد تھے حضرت علامہ بدرالدین العینیؒ (۸۵۵ھ) شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:

كان الليث اماما كبيرا مجمعاً على جلالته وثقته وكرمه وكان على مذهب الامام ابى حنيفة قاله القاضى ابن خلكان

(عمدۃ القاری)

ترجمہ: حضرت لیثؒ بڑے امام تھے آپ کی جلالت ثقاہت اور بزرگی مجمع علیہ ہے آپ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر تھے یہ قاضی ابن خلکانؒ نے کہا ہے۔

نواب صدیق حسن خاںؒ لکھتے ہیں:۔

وے حنفی مذہب بود وقضائے مصر داشت (اتحاف النبلاء المتقین ص ۲۳۷)

ترجمہ: آپ حنفی مذہب کے تھے مصر کی قضا آپ ہی کے سپرد تھی۔
حضرت امام نووی ؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔
آپ مصر کے سب سے بڑے مفتی تھے۔ (تہذیب الاسماء جلد ا، ص ۲۷)
آپ حضرت امام ابو یوسف ؒ (۱۸۲ھ) کے بھی شاگرد تھے عبداللہ بن وہب ؒ کہتے ہیں:۔

اخبرنی اللیث عن یعقوب عن النعمان عن موسی بن ابی عائشہ عن عبداللہ بن شداد عن جابربن عبداللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لہ امام فقراء ۃ الا مام قرأۃ لہ۔ (طحاوی جلد ا، ص ۱۲۸)

ترجمہ: مجھے لیث بن سعد ؒ نے امام ابو یوسف ؒ سے انہوں نے امام ابو حنیفہ ؒ سے انہوں نے موسیٰ بن ابی عائشہ ؒ سے انہوں نے عبداللہ بن شداد ؒ سے انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کا پڑھنا اس کا ہی پڑھنا ہے۔

۵۔ امام یحیٰ بن معین ؒ (۲۳۳ھ)

آپ جرح وتعدیل کے مشہور امام ہیں عبداللہ بن مبارک، وکیع اور عبدالرزاق بن ہمام کے شاگرد اور امام احمد کے ہمعصر اور امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد کے استاد ہیں۔ آپ حنفی المذہب تھے امام ابو حنیفہ کو ثقہ کہتے اور آپ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳، ص ۳۴۷) آپ نے حضرت امام محمد سے جامع صغیر لکھی تھی اس سے بھی آپ کے فقہی مسلک کا پتہ چلتا ہے

محدثین فقہاء کو اپنے سے آگے رکھتے تھے:

محدثین اپنے آپ کو حامل فقہ سمجھتے اور فقہاء کو اپنے سے آگے کے درجہ میں رکھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد رب حامل فقہ غیر فقیہ ہروقت ان کے پیش نظر تھا کہ راوی حدیث ہونا اور بات ہے اور فقیہ ہونا اور بات ہے

۱۔ حضرت علامہ شعبی ؒ (۱۰۰ھ) کس انکساری سے کہتے ہیں:۔

انا لسنا بالفقهاء ولکنا سمعنا الحدیث فر ویناه الفقهاء

(تذکرۃ الحفاظ جلد۱، ص۱۷۹)

ترجمہ: ہم فقہاء نہیں ہیں ہم حدیث سنتے ہیں اور آگے بیان کردیتے ہیں۔

۲۔ امام اعمش (۱۴۸ھ) آپ نے ایک دفعہ فقہاء سے کہا:۔

یامعشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن صیادلة

ترجمہ: اے گروہ فقہاء طبیب تم ہو ہم تو صرف دوائیں لگائے بیٹھے ہیں۔

۳۔ حضرت امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) کس درجے کے محدث ہیں یہ علامہ ذہبیؒ سے معلوم کیجیے:۔

آپ نامور فقیہ اور سید الحفاظ ہیں آپ سے عبداللہ بن مبارکؒ، یحیٰی بن سعید القطانؒ، ابن وہبؒ، وکیعؒ اور دوسرے بہت سے لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا۔ امام شعبہؒ، یحیٰی بن معینؒ اور محدثین کی ایک جماعت آپ کو امیر المومنین فی الحدیث کہتی تھی۔ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں میں نے ایک ہزار ایک سو شیوخ سے علم حاصل کیا ان میں ایک کو بھی سفیان ثوریؒ سے افضل نہیں پایا۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد۱، ص۱۷۳ اُردو)

آپ فقیہ کو کیا مقام دیتے ہیں یہ ان سے سنیئے:۔

لوان فقیها علی رأس جبل لکان هو الجماعة.

(شرح السنۃ جلد۱، ص۲۷۹)

ترجمہ: ایک فقہ جاننے والا پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہو تو وہ اکیلا ایک بڑی طاقت ہے۔

۴۔ حضرت حسن بصریؒ

محدثین نے عمران المنقری اور حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے پہلے عمران نے ایک مسئلہ میں کہا لیس هکذا یقول الفقهاء یعنی فقہا اس طرح نہیں کہتے اس پر حضرت حسن بصریؒ نے کہا:۔

ویحک ورأیت انت فقیها (سنن دارمی جلد۱، ص۲۷۹)

ترجمہ: تیری بربادی کیا تو نے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں فقہاء کتنی عزت سے دیکھے جاتے تھے۔

۵۔ حضرت ابن شہاب زہریؒ (۱۲۴ھ) کس مرتبے کے محدث ہیں یہ بات کسی صاحب علم سے مخفی نہیں آپ کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمایئے:۔

ماعبدالله بمثل الفقه. (شرح السنۃ جلد۱، ص۲۷۹)

ترجمہ: اللہ کی عبادت کا بہترین پیرایہ دین میں تفقہ ہے۔

۶۔ حضرت امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ) لکھتے ہیں:۔

حديث يتداوله الفقهاء خير من ان يتداوله الشيوخ.

(معرفت علوم الحدیث ص۱۱)

ترجمہ: حدیث فقہاء کے ہاتھ لگے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شیخ الحدیث کے ہاتھ لگے۔

۷۔ مشہور محدث ابن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) تاویل الاحادیث میں فقہاء کو ہی عالم کہتے ہیں آپ نے المصنف میں یہ باب باندھا ہے۔

ماحفظت فيمن عبر من الفقهاء. (المصنف جلد۶، ص۱۸۳)

ترجمہ: جو فقہاء شمار ہوئے ہیں میں نے ان سے کیا کچھ لیا ہے۔

۸۔ امام بخاری (۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری میں جہاں انہیں کوئی حدیث نہیں ملی فقہاء کے اقوال کثرت سے نقل کیے ہیں صحیح بخاری امام ابراہیم نخعی، امام حسن بصری، امام عطاء بن ابی رباح اور امام اہل کوفہ حماد بن ابی سلیمان اور دوسرے فقہاء کے فتووں سے بھری پڑی ہے۔

۹۔ حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) فقہ کی عظمت کا اقرار ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

وكذلك قال الفقهاء وهم اعلم بمعانى الحديث.

(جامع ترمذی جلد۱، ص۱۱۸)

ترجمہ: اور اسی طرح فقہاء نے کہا ہے اور وہ حدیث کے معنوں کو زیادہ بہتر جاننے والے ہیں۔

۱۰۔ امام ابوداؤدؒ (۲۷۵ھ) کو دیکھئے کس شرح صدر سے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

رحم اللہ ابا حنیفہ کان اماما. (الانتقاء تذکرہ جلد۵،ص۱۶۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ پر رحم فرمائے آپ بے شک امام تھا۔

۱۱۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن الجوزیؒ (۵۹۷ھ) محدث جلیل کو کون نہیں جانتا آپ فقہاء کو کیا مقام دیتے ہیں ملاحظہ کیجیے:۔

اعلم ان فی الحدیث دقائق وافات لایعر فہا الاالعلماء الفقہاء. (دفع شبیہ التشبیہ ص۲۶)

ترجمہ: جان لو کہ حدیث میں کئی باریکیاں اور پیچیدگیاں لپٹی ہیں جنہیں وہ علماء ہی پہچان سکتے ہیں جو فقہاء ہوں۔

۱۲۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) کی محدثانہ شان کس سے چھپی ہے؟ آپ بھی فقہاء کو ہی اونچا مقام دیتے ہیں۔

فان علم الحلال والحرام انما یتلقی من الفقہاء

ترجمہ: حلال وحرام کا علم فقہاء ہی سے لیا جا سکتا ہے۔

(فتح الباری جلد۹،ص۳۱)

حضرت امام ابن ماجہؒ (۲۷۳ھ) اور امام دارمیؒ (۲۵۵ھ) دونوں حضرات امام احمدؒ کے مذہب پر چلتے تھے (دیکھئے الانصاف) اور فقیہ کے سائے میں چلنا ان کے ہاں کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا یہ دونوں امام حدیث تھے مگر حنبلی مذہب رکھتے تھے ان دنوں محدث ہونا انہیں کسی امام فقہ کی پیروی سے نہ روکتا تھا۔

امام عبدالرحمٰن نسائیؒ (۳۰۳ھ) کو لیجیے انہوں نے مناسک حج پر فقہ کی ایک کتاب لکھی ہے یہ انہوں نے امام شافعیؒ کے مذہب پر ترتیب دی ہے۔ نواب صدیق حسن خانؒ نے آپ کو شافعی المذہب لکھا ہے۔ (ابجد العلوم ص۸۱)

امام ابوجعفر الطحاویؒ (۳۲۱ھ) نے معانی الآثار اور مشکل الآثار جیسی عظیم کتابیں حدیث پر لکھی ہیں مگر آپ حنفی المذہب تھے (دیکھئے لسان المیزان جلد۱،ص۲۷۶) مولانا مبارک پوریؒ لکھتے ہیں آپ حنفی تھے (دیکھئے مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۹۲) آپ کئی مقامات پر حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف بھی کرتے ہیں آپ مجتہد فی المسائل تھے اتنے بڑے محدث ہو کر آپ کس طرح امام ابوحنیفہؒ کے سائے میں چلے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ)

بہت سے مسائل میں شافعی المذہب ہیں لیکن کئی مقامات پر انہوں نے امام شافعیؒ کی مخالفت بھی کی ہے اور فقہ حنفی کے مطابق رائے قائم کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ ایک درجے میں مجتہد ہیں آپ کی فقہ آپ کے تراجم ابواب میں ملتی ہے فقہ کی عظمت آپ کے ذہن میں کتنی تھی اس کا پتہ آپ کی اس روایت سے چلتا ہے جو آپ نے حضرت ابن عباسؓ سے کونو اربانیین کی تفسیر میں نقل کی ہے:۔

کونوا حکماء علماء فقهاء. (صحیح بخاری جلد ا، ص ۱۶)

تم ہو جاؤ حکمت کے حاملین، علم کے جانشین اور فقہ کے خوشہ چین

محدثین فقہ کے سائے میں ہی علمی ترقی کرتے رہے

۱۔ حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) اپنے مؤطا میں جہاں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی پیروی امت میں جاری ہوئی تو وہاں آپ ان اہل علم کے لیے یہ الفاظ اختیار کرتے ہیں:۔

انه لم یر احدا من اهل العلم والفقه یصومها.

(مؤطا امام مالک ص ۲۹۰ مصر)

ترجمہ: آپ نے اہل علم فقہاء سے کسی کو یہ روزے رکھتے نہیں دیکھا۔

اس طرح کی کئی مثالیں آپ کو مؤطا میں ملیں گی۔

۲۔ حضرت امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) کے پاس ۱۹۸ھ میں کچھ محدثین مسجد خیف میں آئے آپ نے انہیں فقہ کی تعلیم پر آمادہ کیا آپ وہاں حج کے مسائل پر فتوے دیے رہے تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین کے ہاں فقہ اونچے درجے کا علم شمار ہوتا تھا بلکہ اس سے حدیث کی بھی صحیح معرفت ملتی تھی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی لکھتے ہیں:۔

جاء ه اصحاب الحدیث فجعل یعلمهم الفقه والحدیث ویفتی الناس فی المناسک. (تالیفات شیخ محمد بن عبدالوہاب ص ۲۵۶)

ترجمہ: حضرت امام احمد کے پاس اصحاب الحدیث آتے اور آپ انہیں فقہ اور معرفت حدیث کی تعلیم دیتے اور آپ مسائل حج میں فتوے صادر فرماتے تھے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ فقہاء حضرات نے بھی ہمیشہ محدثین کی سرپرستی کی ہے۔

۳۔ حضرت امام بخاری (۲۵۶ھ) صحابہ کرامؓ میں بھی اونچے درجے کے لوگ انہی کو کہتے تھے جو فقہاء تھے۔

فلما اجتمعو اجاء هم رسول الله فقال ماكان حديث بلغنى عنكم قال له فقهاء هم امادوو ا رأينا يارسول الله فلم يقولوا شيئا رواه البخاری عن انس بن مالک.

(صحیح بخاری جلد۱، ص۴۴۵)

قال يحيى بن سعيد الانصارى ماادركت فقهاء ارضنا الايسلمون فى كل اثنتين من النهار. (صحیح بخاری جلد۱، ص۱۵۵)

ترجمہ: ہم نے اپنے بلاد کے فقہاء کو اسی پر پایا ہے کہ وہ دن میں پڑھی ہر دو رکعت کے مابین تشہد کرتے تھے۔

۴۔ حضرت امام مسلم (۲۶۱ھ) ابو عبید سے حدیث روایت کرتے ہیں اور ان کے فقیہ ہونے سے اپنی روایت میں قوت لاتے ہیں:۔

قال حدثنى ابوعبيد وكان من القراء واهل الفقه.

(صحیح مسلم جلد۲، ص۳۵۲)

۵۔ امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) اپنی سنن میں نقل کرتے ہیں۔

فكلمنى فقهاء اهل مكة. (سنن ابی داؤد جلد۲، ص۲۷۸)

۶۔ امام ترمذی (۲۷۹ھ) کو لیجیے باب الرخصۃ فی الاقعاء میں لکھتے ہیں۔

وقد ذهب بعض اهل العلم الى هذا الحديث من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم لايرون بالاقعاء بأسا وهوقول بعض اهل مكة من اهل الفقه والعلم. (جامع ترمذی جلد۱، ص۳۸)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

قال عمر بن الخطاب لايبيع فى سوقنا الامن تفقه فى الدين رواه الترمذى ص ۹۴۴/ج ۱ فى فضل الصلوة على النبى.

(ایضاً جلد۱، ص۶۴)

اور ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں۔

وكذلك قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الحديث.

(جامع ترمذی جلد ۱، ص ۱۱۸ باب غسل میت)

ترجمہ: اور اسی طرح فقہاء کہتے ہیں اور وہ حدیث کو بہتر جاننے والے ہیں۔

وقال بعض اهل العلم من فقهاء التابعين منهم الحسن البصری و ابراهيم النخعي وعطاء ابن ابی رباح.

(جامع ترمذی جلد ۱، ص ۱۷۶)

عن سفيان الثوری قال فقهاء نا. (ایضاً ص ۲۰۵)

۷۔ امام نسائی (۳۰۲ھ) کتاب الخنائم میں ایک یہ فقرہ بھی لکھ گئے ہیں۔

ويعطى منه عن رای من فيه غناء ومنفعة لاهل الاسلام ومن اهل الحديث والعلم والفقه والقرآن. (سنن نسائی جلد ۲، ص ۱۶۰)

پہلا درجہ اہل حدیث کا ہے اس سے مراد نقل حدیث کرنے والے ہیں پھر اہل علم کا اس سے مراد حدیث سمجھنے والے ہیں پھر اہل فقہ کا اس سے مراد حدیث کی فقاہت رکھنے والے اور پھر سب پر قرآن فائق ہے۔

۸۔ فقہاء مدینہ میں ابوالزناد (۱۳۱ھ) مشہور علمی شخصیت ہیں آپ جب کبھی فقہاء کی بات لیتے تو فرماتے کہ ان سے آگے جانے کی کوئی راہ نہیں ان پر بات ختم ہوتی ہے امام بیہقی سنن کبریٰ میں اسے ان سے اسطرح نقل کرتے ہیں۔

عن الفقهاء الذين ينتهى الى قولهم من اهل المدينة.

(سنن کبریٰ جلد ۸، ص ۵)

ترجمہ: یہ بات فقہاء سے مروی ہے اہل مدینہ ان پر علم کی انتہاء ہوتی ہے۔

۹۔ امام ابن ماجہ کے ہاں بھی علم اور قرآن سیکھنا بغیر فقہ کے نہیں ہے آپ اپنی سنن میں باب ذہاب القرآن والعلم میں حضرت زیاد بن لبید سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو کہا:۔

ان كنت لاراك من افقه الرجل بالمدينة

میں تمہیں مدینہ میں سب سے زیادہ سمجھدار سمجھتا تھا۔

یعنی قرآن کا باقی رہنا صرف اس کے پڑھنے اور تلاوت سے نہیں یہ فقہ سے ہے

جتنا کوئی فقیہ ہوگا اتنا ہی وہ علم قرآن کی حفاظت کرنے والا محافظ ہوگا۔

حدیث کی اور کتابوں میں بھی فقہ کی ہی سربراہی ملتی ہے المصنف لعبد الرزاق (۲۱۱ھ) المصنف لابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) سنن دارمی (۲۲۵ھ) مسند ابی یعلی (۳۰۷ھ) اور المستدرک للحاکم (۴۰۵ھ) میں اس طرح کی متعدد جزئیات ملیں گی جن سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین اور فقہاء کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں رہے محدثین زیادہ تر روایات نقل کرتے ہیں اور فقہاء انہیں پوری طرح سمجھ پاتے ہیں اور پھر ان میں بھی کوئی عام فقیہ ہوتے ہیں اور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کوئی فقہ کی بات زیادہ افقہ تک پہنچ جائے تو سمجھتے ہیں کہ ایک بڑا کام ہوگیا علم کی نشانیاں کئی ہوتی ہے۔

حضرت امام بخاری کے سامنے مسائل آئے کہ کیا حمام میں قرآن پڑھ سکتا ہے اور بغیر وضو اس کی آیات لکھ سکتا ہے مردہ پرندے کے پر پاک ہیں یا نہ؟

آپ کے پاس ان مسائل پر احادیث موجود نہ تھیں آپ ان میں حضرت امام ابراہیم نخعی (۹۴ھ) اور امام حماد بن ابی سلیمان (۱۲۰ھ) کے اقوال پر فیصلے دیتے اور بلا طلب دلیل ان مجتہدین کے فتووں پر چلتے تھے۔

عن ابراهيم لاباس بالقراة فى الحمام ويكتب الرسالةعلى غيروضوء وقال حماد عن ابراهيم ان كان عليه ازار فسلم.

(صحیح بخاری جلد ۱، ص ۳۰)

ترجمہ: ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حمام میں قرآن پڑھ سکتا ہے اور بغیر وضو آیات لکھ سکتا ہے اور حماد نے امام ابراہیم نخعی سے روایت کیا کہ یہ اس صورت میں ہے کہ اس نے ازار باندھا ہو۔

پھر آگے ص ۳۷ پر لکھتے ہیں:۔

قال حماد لاباس بريش الميتة.

حماد کا قول ہے کہ مردہ پرندے کے پروں سے کوئی خدشہ نہیں۔

اور پھر ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

قال حماد الاخرس والاصم ان قال براسه جاز.

(ایضاً جلد ۲، ص ۷۲۹)

یہ حماد بن ابی سلیمان کون ہیں؟ امام اہل عراق امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) اور سفیان الثوری (۱۶۱ھ) دونوں کے استاد امام ابوحنیفہ دار العلوم کوفہ میں انہی کے جانشین تھے جب امام بخاری جیسے محدث جلیل بھی فقہاء عراق کے اقوال سے فیصلے دیتے ہیں اور اس طرح صحیح بخاری کی تکمیل کرتے ہیں تو ان نادانوں پر تعجب ہے جو ہر جگہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہمیں قرآن اور حدیث کے بعد اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اماموں کے اقوال سے کچھ لینا نہیں وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ فقہ کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا اور اس پر امام بخاری کا بھی عمل رہا ہے۔

امام ابوداؤدؒ (۲۷۵ھ) حنبلی المذہب ہیں آپ صحابہؓ کے اقوال کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ امام احمد کے ہاں صحابہ کے فیصلے درست پائے جاتے ہیں۔ امام ابوداؤد انہیں نظر انداز نہیں کرتے اختلاف حدیث میں صحابہؓ کے عمل کو فیصلہ کن ٹھہراتے ہیں۔

اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ۔ (سنن ابی داؤد جلد ۱، ص ۳۷۶)

ترجمہ: جب حضورؐ سے کسی موضوع پر دو مختلف روایتیں ملیں تو دیکھا جائیگا کہ آپ کے صحابہؓ نے آپ کے بعد کس پر عمل کیا ہے۔

کیا فقہاء حدیث دان بھی ہوتے ہیں:

حدیث بیان کرنے والے اور حدیث دان دو علیحدہ علیحدہ منصب ہیں ضروری نہیں کہ جو حدیث بیان کرے وہ حدیث دان بھی ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اس میں فرق بتلا چکے ہیں آپ نے فرمایا:

رب حامل فقہ الی من ھو افقہ (رواہ الشافعی مشکوٰۃ ص ۳۵)

ترجمہ: کئی لوگ فقہ بردار (راوی روایت) ہیں یہ روایت انہیں دیتے ہیں جو اسے اچھی طرح سمجھ پائیں۔

ہاں فقہاء حدیث دان بھی ہوتے ہیں حدیث نہ جاننے والا کیسے فقیہ بن سکتا ہے؟ صاحب ہدایہ (۵۹۳ھ) ہی کو لیں حافظ جمال الدین زیلعیؒ (۷۶۲ھ) جیسے جلیل القدر محدث ان کی کئی روائتیں تلاش کرتے کرتے تھک گئے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) کئی جگہ سپر انداز ہوتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ یہ حدیث مجھے نہیں مل سکی

معلوم نہیں صاحب ہدایہ نے کہاں سے لی ہے۔ ہدایہ کی کئی احادیث بڑے حفاظ حدیث کو نہیں ملیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب ہدایہ کی بہت دور تک نظر تھی۔

علامہ علاؤالدینؒ صاحب درمختار (۱۰۸۸ھ) کس درجے کے اونچے فقیہ ہیں مگر دیکھئے وہ ساتھ ساتھ صحیح بخاری کے شارح بھی ہیں۔ علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) جہاں ہدایہ کے شارح ہیں وہ صحیح بخاری کے شارح کی حیثیت سے بھی معروف ومشہور ہیں۔ علامہ شامیؒ (۱۲۵۲ھ) صاحب درمختار کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ولہ تعلیقة علی صحیح البخاری تبلغ نحوثلاثین کراسا وعلی تفسیر البیضاوی. (ردالمحتار للشامی جلدا، ص ۱۳)

ترجمہ: آپ کی صحیح بخاری پر تعلیقات ہیں جو تیس اجزاء میں ہیں اور تفسیر بیضاوی پر بھی آپ کے حواشی ہیں۔

یہ کہنا کہ فقہاء احناف کی حدیث پر وسیع نظر نہ تھی یا یہ کہ صاحب درمختار صرف فقہ کے عالم تھے ہرگز درست نہیں۔

حدیث اور فقہ میں محل خطر کہاں ہے؟

۱۔ فقہ کی عبارت حدیث کی نسبت زیادہ سلیس ہوتی ہے۔

۲۔ فقہ اپنے موضوع میں تدریجی مراحل سے نہیں گزری حدیث اپنے موضوع میں تدریجی مراحل سے گزری ہے اور اس نے ۲۳ سال میں تکمیل پائی ہے۔

۳۔ حدیث میں ناسخ ومنسوخ کی بحث چلتی ہے لیکن فقہ میں کسی جگہ ناسخ ومنسوخ کے فاصلے نہیں ہیں۔

۴۔ حدیث میں غلطی لائق درگزر نہیں فقہ میں نادرست اجتہاد پر بھی ایک اجر کا وعدہ ہے۔

اس صورت حال میں آپ خود اندازہ کرسکتے ہیں کہ حدیث اور فقہ میں محل خطر کہاں ہے فقہ کے آزاد مطالعہ میں خطرے کم ہیں جب کہ حدیث کے آزاد مطالعے میں خطرے زیادہ ہیں علماء نے فقہ السنہ میں تو محنت کی ہے اور اس عنوان پر کتابیں لکھی ہیں لیکن فقہ تعامل کا عنوان کہیں کسی کا نظر سے نہ گزرا ہوگا۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ) کس پائے کے محدث ہیں اسے حافظ ذہبیؒ کی

زبانی سنیے:

آپ امام، حجت، حافظ حدیث، وسیع العلم اور جلیل القدر انسان تھے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ نہ ہوتے تو حجاز سے علم حدیث ختم ہو جاتا امام عبدالرحمٰن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عیینہؒ اہل حجاز کی حدیث کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا ہے فرماتے تھے ابن عیینہؒ حماد بن زیدؒ سے بڑے حافظ حدیث ہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں میں نے ان سے زیادہ حدیث کا جاننے والا کوئی نہیں دیکھا۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ا، ص ۲۱۱ اُردو)

آپ حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) اور حضرت امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) دونوں کے استاد ہیں فرماتے ہیں۔

الحدیث مضلة الاللفقهاء.

ترجمہ: حدیث میں بھٹک جانے کی بہت راہیں ہیں مگر فقہاء کے لیے یہ خطرہ نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی فرماتے ہیں:۔

ما انت بمحدث قوما حديثا لا تبلغه عقولهم الا كان لبعضهم فتنة. (صحیح مسلم جلد ا، ص ۹)

ترجمہ: تم کسی قوم کے پاس کوئی حدیث بیان کرو جو ان کی سمجھ سے بالا ہو تو وہ ان میں سے بعض کے لیے فتنہ بن جائے گی۔

بعض کے لیے کیوں کہا؟ وہ ان سب کے لیے جو اسے نہ سمجھتے ہوں فتنہ کیوں نہ بنے گی؟ یہ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ بعض اس پر براہ راست عمل نہ کریں وہ فقہ کے سائے میں چلنے والے ہوں اور کسی فقیہ کی پیروی میں وہ اس فتنہ سے بچ جائیں اور جو بعض براہ راست عمل بالحدیث کے قائل ہوں وہ اس گڑھے میں آ گریں گے کیونکہ کسی فقیہ کی رہنمائی میں چلنا وہ عیب سمجھتے ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر الزام کہ انہوں نے حدیث کو فتنہ کہا ہے:

بعض حضرات جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس لیے ناراض ہیں کہ وہ نماز میں رکوع کے وقت رفع الیدین نہ کرتے تھے ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے حدیث کو فتنہ کہا ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے انہوں نے حدیث کو فتنہ نہیں کہا بلکہ اس شخص کے عمل بالحدیث کو فتنہ کہا ہے جو علم نہ رکھتا ہو اور جہاں اسے کوئی حدیث ملے وہ اس پر عمل کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اسے فقیہہ درجے کے علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ان سے پوچھے بغیر وہ ظاہر حدیث پر عمل نہ کرے اس میں بقول حضرت سفیان بن عیینہؒ اس کے گمراہ ہونے کا بہت اندیشہ ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں امام مالکؒ سے کہا گیا کہ سفیان بن عیینہؒ کے پاس کئی ایسی احادیث ہیں جو آپ کے پاس نہیں آپ نے کہا اگر میں لوگوں کو وہ تمام احادیث روایت کروں جو میں نے سنیں تو میں احمق ہوں گا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں انہیں گمراہ کر رہا ہوں آپ نے فرمایا۔

انی ارید ان اضلهم اذا ولقد خرجت منی احادیث لوددت انی ضربت بکل حدیث منها سوطاولم احدث بها.

(ترتیب المدارک جلد۱، ص۱۸۸)

ترجمہ: سو میں اس صورت میں ان کو گمراہ کرنیوالا بنوں گا مجھ سے کئی ایسی احادیث بیان ہو چکی ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے ایک ایک کے بدلے ایک کوڑا لگ جاتا اور میں نے انہیں روایت نہ کیا ہوتا۔

آپ کے شاگرد محمد بن عیسی الطباع کے بیان سے امام مالکؒ کے اس اصول کا پتہ چلتا ہے۔

کل حدیث جائک عن النبی لم یبلغلک ان احدا من الصحابة فعله فدعه. (الفقیہ والمتفقہ للخطیب جلد۱، ص۱۳۲)

ترجمہ: ہر حدیث جو تمہیں نبیؐ سے ملے اور اس پر کسی صحابی کا عمل نہ ہوا سے چھوڑ دو۔

اس سے پتہ چلا کہ حدیث اپنی اسناد میں کیسی ہی صحیح نہ ہو عمل صحابہ کے دیکھے بغیر

اس پر عمل نہ کیا جاسکے گا۔

مجتہد علماء کے لیے کسی امام مجتہد کی پیروی ضروری نہیں:

مجتہد اپنے سے بڑے مجتہد کی پیروی کرے یہ جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کس اونچے درجے کے مجتہد تھے مگر آپ حضرت عمرؓ کی پیروی میں چلتے تھے ان کے اجتہاد کے سامنے اپنے اجتہاد کو چھوڑ دیتے تھے۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ خود مجتہد تھے مگر زیادہ تر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی پیروی میں چلتے تھے یہ جائز ہے لیکن اگر کوئی ایسا نہ کرے تو ہم اسے ملزم نہ گردانیں گے۔

قاسم بن محمد الاندلسی القرطبیؒ (۲۷۶ھ) حضرت امام شافعیؒ کے پیرو تھے جب فقہ میں مہارت حاصل کرلی اور امامت اور اجتہاد کے منصب پر فائز ہوئے تو تقلید چھوڑ دی۔ لوگوں کو امام شافعیؒ سے ہٹانے کے لیے کتاب الایضاح فی الرد علی المقلدین لکھی۔ حضرت علامہ محمد بن جریر الطبریؒ (۳۱۰ھ) بھی شافعی المذہب تھے آپ نے اجتہاد کے دائرہ میں قدم رکھا تو کسی خاص مسلک کی تقلید سے کنارہ کش ہوگئے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ غیر مجتہد بھی کسی امام مجتہد کی پیروی سے نکلنے کا مجاز ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ ظاہر حدیث پر عمل کرنا اس کے لیے فتنہ بن جائے۔

حدیث علم کا خزانہ ہے اور کھرا سونا ہے فقہ اس کے کھرا رکھنے اور اسے غلط آلائش سے بچانے کی ایک علمی ضمانت ہے حدیث اور فقہ میں بیشک اول درجہ حدیث کا ہے مگر محدثین اور فقہاء میں فقہاء پہلے ہیں اور بقول امام ترمذیؒ وہ حدیث کے معنی سمجھنے میں محدثین سے آگے ہیں۔

تاہم یہ بات علی وجہ البصیرت کہی جاسکتی کہ محدثین اور فقہاء میں کوئی علمی فکری اور اعتقادی فاصلہ نہیں ہے۔ تاریخ میں ہر دو طبقے ساتھ ساتھ چلے ہیں۔ ابن حزمؒ ظاہری کے بعد آٹھ سو سال تک کسی نے فقہ کی ضرورت کا انکار نہیں کیا پہلا شخص جس نے برٹش انڈیا میں فقہ کے خلاف آواز اٹھائی وہ ہری چند کھتری تھا جو پہلے ہندو تھا اور معلوم نہیں کس ارادے سے مسلمانوں میں گھس آیا تھا۔

فقہاء اور محدثین پوری تاریخ اسلام میں ساتھ ساتھ چلے ہیں علم میں دونوں سے

استنادر ہے تو انسان بھٹکتا نہیں ورنہ بلافقہ جانے مطالعہ حدیث میں خطرے ہی خطرے ہیں۔
امام ابن وہبؒ امام مالکؒ کے جلیل القدر شاگرد ہیں کیا پتہ کی بات کہہ گئے ہیں:۔

کل صاحب حدیث لیس له امام فی الفقه ضال ولو لا ان الله انقذنا بما لک واللیث لضللنا. (ترتیب المدارک جلد۲،ص۴۲۷)

ترجمہ: ہر اہل حدیث جو فقہ میں کسی امام کا پیرو نہیں رہتے سے بھٹکا ہوا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں امام مالک اورلیث بن سعد مصری کے ذریعہ اس مشکل سے نہ نکالتے تو ہم بھٹک جاتے۔

امام ابن تیمیہؒ گہری بصیرت سے نصیحت فرماتے ہیں۔

ایاک ان تتکلم فی مسئلة لیس لک فیها امام.
(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد۱۰ص۳۲۰ سیر اعلام النبلاء جلد۱۱ص۲۹۶)

ترجمہ: خبردار! اس سے بچنا کہ تم کوئی مسئلہ بتاؤ اور اس میں تمہارا کوئی امام نہ ہو۔

کئی ایسی احادیث بھی ہیں جن پر فیصلہ نہیں دیا جاسکتا۔ امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) فرماتے ہیں:۔

قد جاء ت احادیث لا یؤخذ بها. (شرح العلل جلد،ص۲۹)

جو مجتہد نہیں وہ اجتہادی مسائل میں تقلید کرے:

ہر ایک شخص مجتہد درجے کا ہو یہ عادۃً محال ہے اس سے دوسرے سب کام رک جائیں گے اور یہ فطرت کے خلاف ہے شیخ شنقیطی لکھتے ہیں:۔

ولو کلف الناس کلهم الاجتهاد وان یکونوا علماء فضلاء لضاعت مصالح العباد وتعطلت السنن والمتاجر وکان الناس کلهم علماء مجتهدین و هذا مما لا سبیل الیه شرعاً والقدر قد منع من وقوعه. (اضواء البیان جلد۷،ص۵۰۳)

ترجمہ: اگر لوگ سب کے سب اجتہاد کے مکلف ٹھہرائے جائیں اور یہ کہ وہ سب عالم فاضل بنیں تو اس سے تمام مصالح عباد جاتی

رہیں گی اور رفتارِ عمل اور کاروبار کی منڈیاں سرد پڑ جائیں گی اور سب لوگ بس مجتہد ہی ہوں گے اس کا نہ شرع تقاضا کرتی ہے اور قضاء قدر نے ایسا ہونے بھی نہیں دیا۔

قرآن پاک میں صرف ایک طبقے کو مجتہد بننے کے لیے کہا گیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ باقی سب لوگ ان کی تقلید کریں۔

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدين وهذا تقليد منهم للعلماء (اضواء البيان للشنقیطی)

ترجمہ: یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر طبقے سے کچھ لوگ دین میں فقہ کی تعلیم کے لیے نکلیں یہ ان طبقوں کے لیے ان اہل علم کی تقلید کی ہدایت ہے۔

یعنی جب وہ فقہ کی تعلیم لے کر آئیں تو پھر اپنی قوم کو اللہ کے خوف سے ڈرائیں اور انہیں شریعت کے احکام بتائیں اور یہ جو خود عالم نہیں بن سکے ان کے پیچھے چلیں۔ یہی تقلید کی راہ ہے جو ان کے اعتماد سے عمل میں آتی ہے۔

حقیقت الفقہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

قرآن کریم میں فقہ کا کیا مقام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیا اہمیت دی ہے یہ آیات اور احادیث آپ دیکھ آئے ہیں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ نے اسے کس نظر سے دیکھا یہ بات بھی آپ سے ڈھکی چھپی نہیں اب یہ بات جاننے کی ضرورت ہے کہ کتاب وسنت میں فقہ کی حقیقت کیا ہے اور کس طرح فقہ کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔

فقہ کی حقیقت معلوم کرنا اس کی جزئیات کی تلاش نہیں یہ اس جہت کو جاننا ہے جس سے فقہاء نے کتاب وسنت کے لہلہاتے باغ کے گرد اجتہاد کی آبیاری کی ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (۶۳۲ھ) لکھتے ہیں:۔

علمائے تفسیر وائمہ حدیث اور فقہائے اسلام نے اپنے اپنے علم سے کتاب وسنت کا احاطہ کیا اور ان سے احکام کا استنباط کیا اور حوادث نو بہ نو کو نصوص الٰہیہ کی اصل کی جانب راجع کیا پیدا ہونے والے مسائل اور معاملات کو اپنے تفقہ اور علم کی بدولت نصوص الٰہیہ کی طرف راجع کیا اور اس سے ان مسائل ومعاملات کے فیصلے کیے جو قرآن و حدیث میں منصوص نہ تھے۔

اللہ تعالی نے ان علماء کے ذریعے دین کی حمایت اور حفاظت فرمائی۔ علمائے تفسیر نے تفسیر کے اسباب دریافت کرائے۔ علم تاویل سے روشناس کرایا اور لغت عرب کے طریقوں سے واقف کرایا۔ صرف ونحو کے عجائبات وغرائب بیان کیے قصص قرآنی کے اصول قرا‌‌آت سبعہ اور اس کے اختلاف کے اسباب و وجوہ بیان کیے اور ان علماء تفسیر نے ان

موضوعات پر بہت سی تصانیف پیش کیں۔ علماء کرام کی ان کاوشوں سے امت مسلمہ پر علوم قرآنی بہت وسیع اور کشادہ ہو گئے۔ یہ خدمات تو علمائے فن تفسیر کی تھیں اور دوسری طرف ائمہ حدیث نے احادیث صحیح و حسن میں تمیز کی (اس کا ایک معیار مقرر کیا) اور راویان حدیث کی چھان بین اور ان کے حالات سے آگاہی حاصل کر کے فن اسماء الرجال کی تدوین کی اور وہ اس فن میں یکتائے زمانہ شمار کیے گئے (کہ ان سے قبل کسی قوم میں یہ کام نہیں ہوا تھا) اور انہوں نے جرح و تعدیل کے اصول وضع کر کے احادیث پر (صحت وعدم صحت) کے حکم لگائے تا کہ صحیح و سقیم میں تمیز ہو سکے اور کج و راست میں امتیاز کیا جا سکے اور اس طرح روایت اور سند حدیث کا طریقہ (تحفظ سنت کے لیے) مصئون و محفوظ رہے۔

فقہائے اسلام کا دائرہ عمل:

فقیہان عظام نے اس امر میں کوشش شروع کی کہ احکام الہٰی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام کا استنباط کریں مسائل کی تفریع کی جائے اور تعلیل کی معرفت حاصل کی جائے (یعنی فقہی مسائل کو کس طرح اخذ کیا جائے) ان کی فرع کی کیا صورت نکالی جائے اور تعلیل مسائل کی کیا صورت رکھی جائے تا کہ فروع کو اصول علت ہائے جامعہ سے ثابت کرنے میں اور فروع کو اصول کی طرف راجع کرنے میں آسانی ہو۔ انہوں نے اس امر میں کوشش کی کہ نئے مسائل کو نصوص کے احکام سے کامل کریں (جو نت نئے مسائل فقہی پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کو نصوص قرآنی سے کس طرح ثابت کیا جائے اور اس سلسلہ میں کون کون سی صورتیں ہو سکتی ہیں جن کے ذریعے ان مسائل کو نصوص سے ثابت کیا جا سکتا ہے) چنانچہ جب ان مسائل پر تنقیح اور ان اصول کی تشریح و توضیح کی گئی تو علم فقہ و احکام سے علم اصول فقہ اور علم خلاف پیدا ہوئے۔

اسی علم خلاف سے علم جدل نکلا۔ (علم جدل جب قرآن کے حکم کے تحت ہو وجادلھم بالتی ھی احسن تو اس سے کج بحثی اور شر پیدا نہیں ہوتا یہ علم مناظرہ ہے اور یہ ایک فن ہے جس پر کتابیں لکھی گئی ہیں)۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ علم اصول دین سب سے زیادہ علم اصول فقہ کا ضرورت مند ہے۔ اسی طرح علم فرائض کا تعلق بھی علم فقہ سے ہے

اورعلم فرائض کے باعث علم حساب اور علم جبرومقابلہ (الجبرا) وغیرہ کی ضرورت پڑی۔ جب ان علوم پر کتابیں تصنیف کی گئیں توشریعت اسلامیہ کی خوب ترویج وتوسیع ہوئی اور ان کو استواری اور استحکام حاصل ہوا دین اسلام جو ایک سچا اور سیدھا دین ہے مستقیم اور قائم ہوگیا (ان علوم یعنی تفسیر وحدیث وفقہ سے اس کو مزید استحکام حاصل ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے لیے جو نظام رشدوہدایت لے کر تشریف لائے تھے اس کی جڑیں دور دور تک پھیل گئیں اور وہ خوب ہی شاخ درشاخ اور برگ آور ہوا (دور دور تک اس کی شاخیں پھیل گئیں)۔

فقہاء کی محنتوں پر آنے والے پھل:

اس وقت قلوب علماء کی سرزمین سے جس نے ہدایت اور علم کے آب حیات سے سیرابی حاصل کی تھی عجیب عجیب حسین اور سرسبز وشاداب چراگاہیں اور سبزہ دار پیدا ہوئے (علمائے کرام نے تفقہ فی الدین کے جوہر دکھائے اور اپنی تصنیفات متنوعہ سے آغوش اسلام کو مالا مال کردیا) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

انزل من السماء ماء فسالت اودیة بقدرھا (پ۱۳، الرعد:۱۷)

ترجمہ: اس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر بہہ نکلے رودخانے اپنے اپنے ظرف کے مطابق۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پانی علم ہے اور رودخانے (ندی نالے) لوگوں کے دل ہیں۔

دریائے نور کی ایک جھلک:

حضرت ابوبکر واسطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑا موتی پیدا کیا جو بڑا صاف وشفاف تھا۔ پھر اس نے اپنی چشم جلال سے اس موتی کا نظارہ کیا تب وہ حیا کے مارے پانی پانی ہوگیا اور بہہ نکلا پس اس کے بارے میں فرمایا کہ انزل من السماء ما فسالت اودیة بقدرھا تب دلوں کو یہ پانی پہنچا اور وہ صاف وشفاف ہوگئے۔ حضرت ابن عطاءؒ فرماتے ہیں کہ "انزل من السماء ماء" ایک ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندے کے لیے فرمائی ہے وہ اس طرح کہ جب سیل آب رودخانوں سے گزرتی ہے تو ان

رودخانوں میں جس قدر اور جس قسم کی نجاست ہوتی ہے وہ سیل سب کو بہالے جاتی ہے اسی طرح جب نور کا سیلان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بندوں میں تقسیم فرمایا ہے تو اس سیل نور کے بہاؤ (سیلان) میں نہ کوئی غفلت باقی رہتی ہے اور نہ کوئی ظلمت۔ سیل نور سب کو بہا کر لے جاتی ہے۔

انزل من السماء ماء یعنی اتارا آسمان سے حصہ نور کا فسالت اودیة بقدرھا یعنی انوار دلوں میں بہہ نکلے بقدر اس کے جتنا اللہ تعالیٰ نے روز ازل ان کے لیے مقسوم کیا تھا فاما الزبد فیذ ھب جفآء پس اگر کف (جھاگ) ہے یعنی اس پر باطل کا جھاگ موجود ہے تو جاتا رہے گا (باطل کا جھاگ بہہ جائے گا) پھر قلوب اس طرح روشن اور منور ہوجاتے ہیں کہ ان میں کسی طرح کا میل اور کثافت باقی نہیں رہتی۔ واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض ناحق اور ناچیز مٹ جاتے ہیں اور حقیقتیں باقی رہتی ہیں (جو لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتا زمین پر نہیں ٹھہرتا")

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ انزل من السماء ماء کے معنی ہیں کہ انواع واقسام کی برکات آسمان سے اتاریں۔ اس صورت میں ہر قلب نے اپنا حصہ اور اپنا نصیب لے لیا پھر علمائے تفسیر وحدیث اور فقہ کے دلوں کے دریا اپنے اپنے اندازے سے بہہ نکلے اسی طرح قلوب صوفیہ کے رودخانے جاری ہوگئے کہ یہ صوفیہ دنیا پر دھیان لگائے نہیں بیٹھے ہیں یہ اپنے اندازے کے مطابق حبائل تقویٰ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور جس کے باطن میں دنیا کا لوث اور گندگی دنیا کی محبت ،مال وجاہ کی آرزو اور طلب مناصب وعلوم رتبت کی خواہش جاگزیں ہے تو ایسے شخص کے دل کا دریا اپنے حال میں رواں ہے (ان تمام کدورتوں کے ساتھ بہہ رہا ہے) ایسے شخص نے ایک جزو صالح عمل تو حاصل کیا لیکن حقائق علوم سے بہرہ مند نہیں ہوا اور وہ شخص جس نے دنیا کی طرف توجہ نہیں کی اور اسے دنیا کی طرف رغبت نہیں ہوئی تو ایسے شخص کی دل کی وادی کشادہ ہوگئی ایسے دل میں علم کا پانی جمع ہوا اور وہ تالاب سے جھیل بن گیا۔

متفقہ اور فقیہ میں فرق:

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ فقہاء نے (اس امر میں)

ایسا ہی کہا ہے تو آپ نے فرمایا اے شخص تو نے کبھی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ فقیہ وہ ہے جس کو دنیا کی طرف کبھی رغبت نہ ہو جب صوفیہ کرام نے علم ورست سے حصہ حاصل کیا اور ان کو اس علم ورست نے علم کے ساتھ ساتھ عمل کا فائدہ دیا (انہوں نے اس علم ورست پر عمل کیا) اور انہوں نے جب ان چیزوں پر عمل کیا جو ان کے علم میں آئیں تو عمل سے بھی ان کو علم وراثت کا فائدہ حاصل ہوا اس طرح وہ تمام علوم میں علماء کے شریک ہو گئے اور چونکہ ان کے پاس علماء سے زیادہ علوم ہیں اس طرح وہ علماء کے شریک علم ہی نہیں بلکہ ان سے علم میں ممتاز ہو گئے اورعلوم زائد علوم وراثت ہیں اور علوم وراثت تفقہ علم میں داخل ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم (پ۱۱، التوبہ:۱۲۲)

ترجمہ: پس کیوں نہیں نکلی ان کے ہر فرقہ سے ایک جماعت تا کہ تفقہ حاصل کریں دین میں اور آگاہ کریں اور خوف دلائیں اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس واپس آئیں۔

تفقہ فی الدین کے معنی:

پس انذار یعنی ڈرانا فقہ سے مستفاد ہو۔ اور انذار کیا ہے؟ وہ ان لوگوں کو علم کے آب حیات سے زندہ کرنا ہے جو ڈرائے گئے ہیں اور یہ رتبہ یعنی زندہ کرنا اس شخص کا فعل ہے جو فقیہ دین ہو اس سے ثابت ہوا کہ دین میں تفقہ اعلیٰ اور اکمل مرتبہ کا حامل ہے اور یہ علم ایسے عالم کا علم ہے جو دنیا کی طرف راغب اور مائل نہ ہو اور ایسے متقی اور پرہیزگار کا جو اپنے علم کے باعث مرتبہ نذیر کو پہنچتا ہو۔

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ علم اور ہدایت کا اولین مرجع ومور د سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا شان ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم اور ہدایت ان پر وارد ہوئی جس کے باعث ظاہر و باطن میں آپ کو توانائی اور تنومندی حاصل ہوئی اس توانائی سے دین کو قوت اور توانائی حاصل ہوئی اور دین قوی پشت ہو گیا۔

اصول دین میں اختلاف رائے سے بچنا:

دین انقیاد (فرمان پذیری) اور خضوع یعنی فروتنی اور توانائی کا نام ہے وہ ان دونوں سے مشتق ہے یعنی دین یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اپنے رب کے لیے بے جان اور پست کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

شرع لکم من الدین ماوصّی به نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراهیم وموسی وعیسی ان اقیموا الدین ولاتتفرقوافیه (پ۲۵: الشوریٰ:۱۳۰)

ترجمہ: اس نے تمہارے لیے دین میں وہی راستہ بنایا جس کے ساتھ نوح (علیہ السلام) کو نصیحت کی تھی اور جو کچھ کہ ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی اور جس کے ساتھ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ (علیہم السلام) کو نصیحت کی کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

دین میں تفرقہ ڈالنے سے اعضاء پر لاغری اور کمزوری غالب ہوتی ہے ظاہری شادابی اور لاغری جس سے اعضاء کی تروتازگی مراد ہے اس طرح ہے کہ نفس بھی منقاد و مطیع ہو اور حال بھی اور یہ تازگی اور شادابی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب قلب میں تازگی اور توانائی ہو علم سے قلب کا تروتازہ ہونا دریا کی مثال ہے یعنی جب قلب علم سے تازگی و برتری حاصل کرتا ہے تو وہ دریا کی طرح رواں بن جاتا ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک علم وہدی کے ساتھ ایک بحرمواج بن گیا (موجیں مارتا ہوا سمندر) اور قلب کا یہ بحرمواج آپ کے نفس تک وسیع ہوگیا اور اس سے جاملا اور وہی علم وہدی کی تازگی جو قلب شریف پر وارد ہوئی تھی آپ کے نفس شریف پر بھی نمایاں ہوگئی اس وقت آپ کے نفس کے تمام صفات اور اخلاق یکسر بدل گئے نفس سے پھر یہ تازگی تمام اعضاء اور جوارح میں سرایت کر گئی اور اس وقت یہ تمام اعضاء اور جوارح خوب توانا تروتازہ اور سیراب و شاداب ہوگئے۔

بحرمواج سے نکلنے والی نہریں:

جب آپ کا قلب منور، نفس شریف اور تمام اعضاء وجوارح اس علم ہدی سے

خوب شاداب اور تروتازہ ہو گئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلق کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ امت میں تشریف لائے آپ کے اس قلب شریف کے سامنے جو علوم الٰہیہ کے پانی سے لہریں مار ہا تھا فہم وفراست کی نہریں آئیں چنانچہ ہر نہر میں آپ کے قلب شریف کے لہریں مارتے ہوئے پانی کا ایک حصہ جو اس کے نصیب کا تھا پہنچا اور وہ اس فہم کی نہر میں داخل ہو کر موجزن ہو گیا یہی آب رواں جو آپ کے قلب شریف کے بحر مواج سے نہروں میں پہنچا فقہ دین ہے۔

فقہ دین کی منزلت:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ''ماعبداللہ عزوجل بشئ افضل من فقه الدین'' اللہ عزوجل کی عبادت کسی ایسی چیز کے ساتھ نہیں کی گئی جو فقہ دین سے اعلیٰ و افضل ہو' یعنی اللہ کی عبادت میں فقہ دین سب سے اعلیٰ و افضل عمل ہے بیشک ایک فقیہ دین تن تنہا شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ ہر شئے کے لیے ایک ستون ہوتا ہے اور دین اسلام کا ستون فقہ ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھتے ہوئے کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین میں فقیہ کر دیتا ہے اور بے شک میں قاسم ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے۔

ہمارے شیخ (ابوالنجیب سہروردیؒ) نے فرمایا کہ جب یہ علم دل تک پہنچا تو دل کی آنکھ کھل گئی اور اس نے حق وباطل کو دیکھا اور ان نے ہدایت وگمراہی میں امتیاز کیا۔

(عوارف المعارف جلد۱، ص۲۲۶ بہامش احیاء علوم الدین)

حضرت شیخ شہاب الدینؒ نے اس مضمون میں فقہ کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے یہ علم کی وہ گہرائی ہے جس کے بعد علم نبوت کے سوا اور کوئی مرتبہ علم نہیں ہے جس طرح کتاب وسنت سے استنباط اور استخراج بدوں علم کامل میسر نہیں آتا اس دنیا کی حقیقت اور حق وباطل کا فاصلہ جانے بغیر کسی کو اس علم کی طرف راہ نہیں ملتی فقہ کے لیے جس قدر تقویٰ اور طہارت کی ضرورت ہے شاید ہی کسی اور علم کے لیے ہو۔ اور دوائر علم میں خارجی حقائق

موضوع بحث بنتے ہیں فقہ میں داخلی گہرائی میں اترنا ہوتا ہے اور اس میں وہی اتر سکتے ہیں جن کی نظر حقائق کائنات میں بہت ستھری اور صاف ہے حضرت حسن بصریؒ نے اسی نقطہ نظر سے عمران المنقری کو کہا تھا:۔

اے شخص! تو نے فقیہ کبھی دیکھا بھی ہے؟

اس سے پتہ چلتا ہے کہ علم فقہ دین جاننے کی وہ گہرائی ہے جس میں صرف وہی حضرات چل سکتے ہیں جو علم وتقویٰ کے پہاڑ ہوں۔ بغیر اس تقویٰ وطہارت کے فقہ کی راہ کسی پر نہیں کھلتی۔ یہ وہ درجہ علم ہے جو کسی منافق کو کسی درجے میں نہیں ملتا۔

اب اس کے بعد یہ چاہیے کہ اس تقویٰ وطہارت کو قائم رکھتے ہوئے دین میں وسعت عمل کی راہیں کیسے کھلیں ہم اسے اساس الفقہ کے نام سے گذارش کرتے ہیں۔

اساس الفقہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

اسلام میں فقہ کی بنیاد کیسے قائم ہوئی اور وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے نصوص کے ہوتے ہوئے فقہ کی ضرورت پیدا کی اس کے لیے ہمیں اسلامی رفتار عمل کو مختلف زاویوں سے دیکھنا ہوگا۔

۱۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں صحابہؓ کا اجتہاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو بصورت عدم نص اجتہاد کی اجازت دے رکھی تھی اور انہیں صواب اور خطا دونوں صورتوں میں اجر کا یقین دلایا تھا کہ انہیں دو اجر یا ایک اجر ضرور ملے گا دین میں کی گئی اتنی محنت بھی ضائع نہیں جاتی صواب (فہم صحیح) پالیں تو دو اجر اور بصورت خطا ایک اجر اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو پہلو برابر رہیں۔

نماز عصر بنی قریظہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقعہ پر صحابہؓ کو ایک جگہ روانہ فرمایا اور کہا عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھنا۔ بڑی تاکید سے فرمایا:۔

لایصلین احد العصر الالی بنی قریظہ. (صحیح بخاری جلد ۲، ص ۵۹۱)

ترجمہ: تم میں سے کوئی عصر کی نماز پڑھے تو بنی قریظہ جا کر پڑھے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ عصر کی نماز کا وقت رستے میں ہو گیا عصر کہاں پڑھیں ؟ اس پر صحابہؓ کی دو رائیں ہو گئیں بعض کہتے تھے آنحضرتؐ کے الفاظ کی پابندی کریں اور کچھ کہتے تھے علت حکم پر نظر کریں آپ کا منشاء تھا کہ اتنی جلدی پہنچو کہ عصر تمہیں بنو قریظہ میں آئے یہ نہ تھا کہ راستے میں عصر کا وقت ہو جائے تو بھی وہاں نہ پڑھنا۔ کچھ لوگوں نے رستے میں نماز

پڑھ لی اور دوسروں نے الفاظ کی پابندی کرتے ہوئے نماز عصر بنو قریظہ میں جا کر پڑھی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ نے کسی کی بھی سرزنش نہ کی۔ ظاہر الفاظ سے تمسک اور علت حکم پر نظر میں ہر دو طرف مجتہد تھے۔

فلم یعنف واحدامنهم. (ایضاً)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دورائے رکھنے والوں میں سے کسی کو نہ جھڑکا۔

الفاظ کی پابندی کرنے والوں کو اگر ہم اہلحدیث کہیں تو رستے میں پڑھنے والوں کو اہل الرائے کہیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اہل الرائے بننے پر کوئی نکیر نہ فرمائی دیکھئے اس دور اول میں اہل حدیث اور اہل الرائے کس طرح ساتھ ساتھ چلے تھے۔

۲۔ علت حکم پالینے سے ظاہر حدیث پر عمل نہ کرنا

ایک شخص ایک لونڈی ام ولد سے متہم تھا بتلانے والے اس قدر تھے کہ انکار نہ ہوسکتا تھا آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اس کے قتل کرنے کا حکم دیا آپ اس کے ہاں گئے تو کیا دیکھتے ہیں:

فاذا هوفی رکی یتبرد فقال اخرج فتنا وله یده فاخرجه فهو مجبوب لیس له ذکر. (صحیح مسلم جلد۲، ص۳۶۸)

ترجمہ: کہ وہ ایک چھوٹے کنویں میں اترا ٹھنڈک لے رہا ہے آپ نے اسے باہر نکلنے کا کہا اور اس کا ہاتھ پکڑا آپ کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں مرد ہونے کی علامت نہیں۔

آپ نے اسے قتل نہ کیا علت حکم پر نظر رکھی اور آکر حضورؐ کو اس کی خبر دی آپ نے حضرت علیؓ کے اس اجتہاد کو پسند فرمایا اور فرمایا جو سامنے والا دیکھ سکتا ہے وہ پیچھے والا نہیں دیکھ سکتا۔

یعنی تم وہاں موجود تھے اسے دیکھ پائے میں وہاں نہ تھا اس لیے نہ دیکھ سکا:۔

الشاهدیری مالایراه الغائب رواه احمد.

(راجع له البدایه والنهایه جلد۵، ص۲۰۴)

ترجمہ: حاضر وہ کچھ دیکھ پاتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔

۳۔ پانی ملنے پر تیمم سے پڑھی نماز کا نہ لوٹانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی کہیں سفر میں تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا پانی نہ ملا تو انہوں نے تیمم سے نماز پڑھ لی نماز کا وقت باقی تھا کہ پانی مل گیا ایک صحابی نے وضو کیا اور نماز پھر سے پڑھی دوسرے نے اس پہلی نماز کو کافی سمجھا اور نماز نہ دہرائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر دونوں نے اپنا ماجرا سنایا جس نے نماز نہ لوٹائی آپ نے اسے فرمایا:۔

اصبت السنة و اجزا تک صلوتک.

(سنن ابی داؤد جلد ا، ص ۵۵ سنن نسائی جلد ا، ص ۷۵)

ترجمہ: تو نے صحیح بات پالی اور تجھے تیری نماز کافی ہوگی۔

اور دوسرے سے فرمایا:۔

لک الاجر مرتین تجھے دو اجر ملیں گے۔

یعنی نماز پہلے ہو گئی تھی اب اسے پھر سے پڑھنے پر نفلوں کا ثواب ملے گا۔

آپ نے اجتہاد کرنے پر ان دونوں میں سے کسی پر سرزنش نہ کی۔

۴۔ زچگی کی حالت میں سزا کو روک لینا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ایک زانیہ باندی کو دُرّے لگانے کا حکم دیا آپ اس کے پاس گئے تو دیکھا اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے آپ نے اس پر حد جاری نہ کی اور واپس آکر حضورؐ کی خدمت میں صورت حال عرض کر دی آپ نے حضرت علیؓ کے اس اجتہاد کی تحسین کی اور فرمایا:۔

احسنت وزاده فی روایة اترکها حتی تماثل.

(صحیح مسلم جلد ۲، ص ۷۱ جامع ترمذی جلد ا، ص ۱۷۴)

ترجمہ: تم نے اچھا کیا اس پر حد موئخر رکھو یہاں تک کہ بچہ بڑا ہو جائے۔

آپ کا یہ اجتہاد بظاہر نص کے مقابلہ میں تھا لیکن مجتہد کی نظر علت، سبب اور حالت تینوں پر ہوتی ہے آج کل کا دور ہوتا تو کئی مولوی کہہ دیتے کہ دیکھو حضرت علیؓ نے حدیث پر عمل نہ کیا اور اپنی رائے حدیث میں داخل کی یہ تو اہل فقہ کیا کرتے ہیں۔

۵۔ نص کے مقابل حالات کی رعایت

قرآن کریم میں چور کی سزا وہ مرد ہو یا عورت قطع ید ہے قرآن کریم کا حکم ہے:۔

والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبانکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم (پ:۶، المائدہ:۳۸)

ترجمہ: اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ سزا میں یہ ان کے عمل کا بدلہ ہے جو انہوں نے کمایا۔

اس حکم الٰہی میں کوئی قید اور شرط نہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے موقع پر اس سزا کے جاری کرنے سے منع فرمایا۔ کیوں؟ یہ اس لیے کہ کہیں چور اس پریشانی اور تکلیف میں ذہنی توازن نہ کھودے اور کافروں سے نہ جا ملے۔ ایک مسلمان کے ایمان کی حفاظت کے لیے آپؐ نے اس موقع پر حد جاری کرنے سے منع رکھا۔ حضرت بسر بن ارطاۃ کہتے ہیں:۔

نھی ان تقطع الایدی فی الغزو. (رواہ ابوداؤد جلد۲، ص۲۴۹)

ترجمہ: آنحضرت نے منع فرمایا کہ جنگ کے موقع پر ہاتھ کاٹے جائیں۔

حضرت عمرؓ نے حالات کی اس رعایت میں قحط سالی کو بھی داخل کیا یہ آپ کا اجتہاد تھا۔

ان عمربن الخطاب اسقط القطع عن السارق عام المجاعة.

(الجنہ ص ۶۴)

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے قحط سالی کے سال میں چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا ساقط فرمادی تھی۔

آپ نے اس موقعہ پر اس پر مال کی دوگنی قیمت ادا کرنے کی تعزیر جاری کی۔

(اعلام الموقعین جلد۳، ص۸)

حضرت امام احمدؒ کے ہاں اگر ثابت ہو جائے کہ کسی نے بھوک سے لاچار ہو کر چوری کی ہے تو وہ معذور سمجھا جائے اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

یہ رعایت اور حالات پر نظر رکھنا نص کا مقابلہ نہیں۔ مجتہدین کی نظر علت، سبب اور

حالات تینوں پر ہوتی ہے خدا کا شکر ہے کہ اس دور کے غیر مقلد اس دور میں نہ تھے ورنہ پراپیگنڈا کرتے کہ صحابہؓ اور ائمہ نص کے مقابلہ میں قیاس سے کام لے رہے ہیں۔ صحابہؓ اور ائمہ کا یہ فیصلہ ہرگز نص کے خلاف نہیں ہے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

لیس فی ھذا مایخالف نصا ولا قیاسا وقاعدۃ من قواعد الشرع۔ (الجنہ ص ۶۴)

ترجمہ: اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو کسی نص پر یا اس پر مبنی کسی قیاس کے خلاف ہو نہ یہ بات قواعد شرع میں سے کسی قاعدہ سے ٹکرا رہی ہے۔

(۶) اجتہاد میں کوئی صورت قطعی نہیں ہوتی

دادا کی وراثت کے بارے میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائیں مختلف تھیں حضرت عمرؓ نے اپنی رائے کا اظہار اپنی خلافت کے آخری دنوں میں کیا تھا اور حضرت عثمانؓ سے کہا آپ مجھ سے اتفاق کریں حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا:۔

ان نتبع رایک فھورشدوان نتبع رای الشیخ قبلک فنعم ذوالرای کان۔ (مستدرک جلد ۴، ص ۳۴۰)

ترجمہ: اگر ہم آپ کی رائے کی اتباع کریں تو اس میں رشد ہے اور اگر ہم اس میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے پر عمل کریں تو آپ بھی بہت اچھی رائے والے تھے۔

معلوم ہوا کسی امام کے اجتہاد پر چلنا عیب نہیں ہے اور کوئی مجتہد کسی دوسرے مجتہد کی پیروی میں چلے تو اس میں بھی کوئی عیب نہیں آتا حضرت عثمانؓ بہت بلند پایہ بزرگ تھے مگر وہ اپنے لیے جائز سمجھتے تھے کہ پہلے دو بزرگوں میں سے کسی کی پیروی کرلیں علم رکھنے کے باوجود تقلید اعلم جائز ہے۔

اس روایت سے یہ بھی پتہ چلا کہ صحابہؓ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اہل الرائے کہنا ہرگز کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ اگر اس وقت یہ عیب نہ تھا تو بعد میں صاحب الرای ہونا کس قاعدہ پر مبنی ہوسکتا ہے؟ کچھ غور کیجیے۔

دومختلف اجتہاد اور ہر ایک کی تصویب

عن طارق ان رجلا اجنب فلم یصل فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکر له ذلک فقال اصبت فاجنب رجل اخرفتیمم وصلی فاتاہ فقال نحوماقال لاخریعنی اصبت.

(سنن نسائی جلد۱،ص۶۲ باب الصلوٰت بتیمم واحد)

ترجمہ: حضرت طارقؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کو غسل جنابت ضروری تھا اس نے نماز نہ پڑھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے اپنا ماجرا بیان کیا آپ نے فرمایا تو نے ٹھیک کیا ایک اور شخص کو یہی صورت درپیش ہوئی تو اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی وہ بھی آنحضرتؐ کے پاس آیا اور اپنی بات کہی اسے بھی حضورؐ نے وہی جواب دیا جو پہلے کو دیا تھا۔

تیمّم سے نماز پڑھانے کا اجتہاد

حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں غزوہ ذات السلاسل میں ایک رات جب کہ سردی شدید تھی مجھے نہانے کی حاجت ہوگئی مجھے اندیشہ ہلاکت تھا اگر میں غسل کروں میں نے تیمم کیا اور صبح کی نماز پڑھا دی صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے مجھ سے پوچھا۔

یاعمرو صلیت باصحابک وانت جنب

ترجمہ: اے عمرو! تم نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا دی اور تو جنابت کی حالت میں تھا؟

میں نے کہا:۔

انی سمعت اللہ عزوجل یقول ولا تقتلواانفسکم ان اللہ کان بکم رحیما. (اخرجہ ابوداؤد کما فی تیسیر)

ترجمہ: میں نے اللہ عزوجل کا کلام سنا ہے۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں.

نہ ڈالو اللہ تعالیٰ بے شک تم پر بڑا مہربان ہے۔

فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یقل شیئا.

ترجمہ: پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور آپ نے کچھ نہ کہا۔

ایک مسئلے کے دو جواب مختلف حالات میں

آپ نے اجتہاد کی راہ سے امت کو عجیب رعایت بخشی ہے زندگی کے عام مسائل اس کے لیے اتنے آسان کر دیئے کہ دین ہر قسم کے حالات کے لیے لائق عمل ہو گیا اگر تمام جزئیات قرآن وحدیث میں مذکور اور طے ہوتیں تو یہ وسعت جو امت کو اجتہاد کی راہ سے ملی ہے کبھی قانون کے شامل حال نہ ہو سکتی تھی۔

کسی مسئلے کا حال اور افراد کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہوتا ہے اسے واقعہ ذیل میں دیکھیں۔

> حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں ایک شخص آنحضرت کی خدمت میں آیا اور اس نے پوچھا کیا میں روزے کی حالت میں بیوی سے بغل گیر ہو سکتا ہوں؟ آپ نے کہا ہاں۔
>
> ایک اور شخص آپ کی خدمت میں آیا اور یہی سوال کیا آپ نے اسے ایسا نہ کہا اور اس کی اجازت نہ دی۔ (سنن ابی داؤد جلد ۱، ص ۳۲۴)

صحابہؓ کا آپ کی صداقت پر پختہ ایمان تھا آج کل کے لوگ ہوتے تو آپ کو تضاد بیانی کا الزام دیتے لیکن انہوں نے ان دونوں سوال کرنے والوں پر غور کیا پہلا شخص سن رسیدہ تھا اور دوسرا جوان اور آپ کا جواب ہر کسی کے حسب حال تھا۔

قرآن کریم میں اسلامی فقہ کی بنیادیں

شیخ محمد خضری بک لکھتے ہیں شریعت نے اسلامی قانون سازی میں تین بنیادی چیزوں کی بطور خاص رعایت کی ہے۔

۱۔ عدم الحرج اس میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ لوگوں پر تنگی واقع نہ ہو اور عام زندگی میں کوئی حرج واقع نہ ہو۔

۲۔ تقلیل التکلیف یعنی انسان پر شریعت کی وجہ سے جو ذمہ داری آئے اس کے تحمل میں انسان کو بہت کم تکلیف ہو۔

۳۔ تدریج کہ کوئی حکم اچانک وارد نہ کیا جائے تدریج سے کام لیا جائے شریعت اس راہ سے قانون بنے گی۔

ا۔ قرآن کریم میں عدم الحرج کا بیان

هوا جتبا کم وما جعل عليكم في الدين من حرج ملة ابيكم ابراهيم (پ:۱۷، الحج:۷۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہیں چن لیا ہے اور نہیں رکھی تم پر کوئی دین میں تنگی یہ دین تمہارے باپ ابراہیم کا ہے۔

یعنی دین میں کوئی ایسی مشکل نہیں رکھی جس کا اٹھانا کٹھن ہو احکام میں ہر طرح کی رخصتوں اور سہولتوں کا لحاظ رکھا ہے یہ دوسری بات ہے کہ تم خود اپنے اوپر ایک آسان چیز کو مشکل بنالو۔

پانی نہ ملے اور وضو نہ کرسکو اس حال میں تیمم کی راہ کھول دی اور فرمایا:۔

ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم (پ۶، المائدہ)

ترجمہ: اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی ڈالے لیکن چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے۔

یعنی وضو نہ سہی تیمم سہی غرض پاک ہونا ہے یہ پاکیزگی جس طرح پانی سے ہوسکتی ہے تو اسی طرح تیمم سے بھی ہوسکتی ہے مٹی سے ہی تو پانی نکلا ہے پورا کرہ ارضی پانی اور مٹی پر مشتمل ہے پانی بھی پاکیزگی کا ذریعہ ہے اور مٹی بھی۔ دین میں تنگی نہیں کہ اور کوئی دوسری راہ ہی نہ ہو۔

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر ولتكملوا العدة ولتكبروا الله على ماهدلكم (پ۲، البقرہ:۱۸۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور وہ تم پر کوئی دشواری نہیں چاہتا وہ چاہتا ہے کہ تم (روزوں کی) گنتی پوری کرلو اور بڑائی کہو اللہ کی اس بات پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی۔

دین کا علم سب حاصل کریں اور اسے دلیل سے جانیں اس میں سب انسانوں کو ڈالنا دنیا کے دوسرے کاموں میں قطع حوادث کا موجب تھا۔ اس لیے اسے سب کے لیے فرض نہ ٹھہرایا گیا۔ اسے فرض کفایہ ٹھہرایا۔ دوسروں کے لیے ان کی تقلید کی راہ کھلی ہے۔ انہیں دلائل جاننے کا لازماً پابند نہ کیا گیا۔ شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:

جو احداث کثیر الوقوع تھے ان میں سارے جسم کا دھونا ضروری نہ رکھا صرف وہ اعضاء جن کو اکثر بلاد متمدنہ کے رہنے والے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے ان کا دھونا اور مسح کرنا ضروری بتلایا تاکہ کوئی تنگی اور دقت نہ ہو ہاں حدث اکبر جو احیاناً پیش آتی ہے اور اس حالت میں نفس کو ملکوتی خصال کی طرف ابھارنے کے لیے کسی غیر معمولی تنبیہ کی ضرورت ہے اس کے ازالہ کے لیے تمام بدن کا دھونا فرض کیا پھر مرض اور سفر وغیرہ حالات میں کسی قدر آسانی فرما دی۔ (تفسیر عثمانی ص۱۳۹)

حدیث میں دین میں تنگی نہ ہونے کا بیان:

۱۔ انا امة امية لانكتب ولا نحسب. (صحیح مسلم جلد۱، ص۳۳۲)

ترجمہ: ہم امت امیہ ہیں (نہ پڑھی ہوئی قوم) لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔

یعنی ہمارے روزمرہ کے مسائل کسی ایسے اصول پر مبنی نہ ہونے چاہئیں جس کو کچھ لوگ جانیں اور کچھ نہ جانیں دین فطرت وہ دین ہے جس تک رسائی ہر کسی کی ہو سکے چاند دیکھ کر فیصلہ کرنا یہ ہر کسی کے بس میں ہے اور چاند کی منازل کو جاننا پہچاننا اسے صرف اہل فن ہی جانتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی کرایا۔

۲۔ يسروا ولاتعسروا.

ترجمہ: دین میں آسانیاں پیدا کرو اپنے اوپر تنگی لازم نہ کرو۔

۳۔ ماخیر بین امرین الااختار ایسر ھما مالم یکن اثما.

ترجمہ: آپ کو جب بھی دو باتوں میں سے کسی کے اپنانے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے آسان صورت ہی اختیار کی اگر اس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو۔

اس سے مجموعی طور پر شریعت کا مزاج سمجھ میں آتا ہے کہ حتی الوسع لوگوں پر تنگی ڈالنے سے روکا گیا ہے اسی پر فقہ کا یہ اصول مرتب ہوتا ہے:۔

اذا ابتلی احدکم ببلیتین فلیختر اھونھما

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص دو آزمائشوں میں گھر جائے تو اسے چاہیے کہ آسان کو اختیار کرے۔

۲۔ تقلیل التکلیف

دین کا علم سب حاصل کریں اور اسے دلیل سے جانیں اس میں سب انسانوں کو ڈالنا دنیا کے دوسرے کاموں میں قطع حوادث کا موجب تھا اس لیے اسے سب کے لیے فرض نہ ٹھہرایا گیا اسے فرض کفایہ ٹھہرایا دوسروں کے لیے ان کی تقلید کی راہ کھول دی انہیں دلائل جاننے کا لازما پابند نہ کیا گیا۔

فاسئلو اھل الذکران کنتم لاتعلمون

(پ ۱۷، الانبیاء ۷، پ ۱۴، النحل: ۴۳)

اس میں یہ نہیں کہا کہ ہر ایک تم میں سے علم حاصل کرے ایک طبقہ اس فرض کفایہ کو ادا کرے اور دوسرے ان کے بتانے سے راہ عمل اختیار کریں تو اس سے دین کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے قرآن کریم میں ہے۔

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعو الیھم. (پ ۱۱، التوبہ ۱۲۲)

ترجمہ: یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر بڑی جماعت سے ایک جماعت جہاد میں جائے اور دوسرے لوگ پیچھے دین کی تعلیم میں لگے رہیں اور جب وہ جانے

والے واپس لوٹیں تو یہ ان کو دین کی باتیں بتلائیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دین میں ہر شخص کو پوری دینی تعلیم حاصل کرنے کا مکلف نہیں کیا گیا یہ صرف اہل علم ہیں جو دین کو اسکے اصولوں سے جانتے ہیں دوسروں کے لیے اس کا فطری حل یہ ہے کہ وہ اہل علم سے پوچھ کر اس پر عمل کریں۔

ویعلم الذین اوتوا العلم انه الحق من ربک.

(پ ۱۷، الحج:۵۴)

ترجمہ: اور یہ کہ جو اھل العلم ہیں وہ پوری طرح جانیں کہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے۔

حدیث میں پورا جان لینا ہر ایک کے ذمہ نہیں کیا گیا:

حضرت ابوہریرةؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من افتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاه.

(رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ ص ۳۵)

ترجمہ: جس نے کسی مفتی کے فتوے پر عمل کیا اور اسے خود علم نہ تھا تو (اگر وہ فتویٰ غلط دے رہا) تو اس کا گناہ بھی اس فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔

اس میں اس عمل کرنے والے کو گناہ گار نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس کا کام کسی مفتی سے پوچھ کر چلنے کا تھا اور وہ اس نے کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں پورے دین کا علم حاصل کرنے کی ذمہ داری ہر کسی پر نہیں ڈالی گئی مفتی کے فتویٰ کو کافی ٹھہرایا گیا ہے تاکہ دنیا کے دوسرے کام اور معیشت کی راہیں کہیں بند نہ ہوں اسلام میں عامۃ الناس کے لیے اہل علم سے پوچھ کر عمل کرنے کی راہ کھول دی گئی ہے تقلیل تکلیف کا ایک ثمرہ یہ بھی ہے کہ اپنے لیے کسی ذمہ داری کو بڑھانے کی کوشش نہ کرو یہاں تک کہ اپنے اقرار سے اپنے اوپر سزا لانے کو بھی ناپسند کیا گیا۔

اقرار جرم پر ناپسندیدگی کی نظر:

اللہ تعالیٰ نے اگر کسی گناہگار پر پردہ ڈالا ہے اور اسے گناہ کرتے کوئی دیکھ نہیں پایا تو حضور کی شان رحمت نے اسے پسند نہیں کیا کہ وہ خود اپنا پردہ کھولے اگر کسی نے حضور کے پاس آکر اقرار جرم کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھر لیا اور رخ دوسری طرف کرلیا کہ وہ سامنے نہ رہے نہ وہ اپنے جرم پر دوسری شہادت دے (دیکھئے صحیح بخاری جلد۲ص ۱۰۰۷) اس سے شریعت کا مزاج سامنے آتا ہے کہ جب تک معاملہ بندے اور خدا کے درمیان رہے گناہ گار کو ہر ممکن سہولت دی جائے احکام شریعت کا مدار ظاہر پر رکھا گیا ہے جو بات چھپی رہی اسے خود ظاہر میں لانا آپ نے ناپسند فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں جذب تھے آپ کے پاس بھی ایک دفعہ ایک غلط کار نے اپنی ایک غلطی کا اقرار کیا تو آپ نے بھی اسے اس پر پردہ رکھنے کا کہا اور فرمایا استرعلی نفسک ولا تخبر به احداً (جامع ترمذی جلد۲ ص ۱۳۹) اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدود نافذ کرنے میں طبعاً خوش نہ ہوتے تھے ماسوائے اسکے کہ آپ نے اللہ کے ایک حکم کی تعمیل کردی۔ اس لیے آپ نے حدود میں سفارش کرنے کو بڑی سختی سے روکا۔ آپ نے ججوں کو بھی یہ تلقین کی کہ جب ثبوت جرم میں کوئی شبہ پیدا ہو تو حدود کو ساقط کردیں۔

۳۔ تدریج:

۱۔ شریعت اپنی آخری شکل میں ایک ہی دفعہ سامنے نہیں آئی سب سے پہلے شریعت نے پڑھنے کی طرف لگایا اقرا باسم ربک الذی خلق نزول میں یہ پہلی آیت تھی چوتھی آیت میں الذی علم بالقلم سے قلم کو عزت بخشی گئی یہ اس شریعت کی خبر تھی کہ یہ شریعت لوگوں کو پڑھنے لکھنے پر لگائے گی یہ شریعت پڑھے لکھے لوگوں کے لیے ایک راہ عمل ہوگی اسکی نہایت اس عقیدے پر ہے کہ آخر اللہ رب العزت کے پاس ہی جانا ہے ان الی ربک الرجعی۔ (آیت۸)

اب دنیا اپنے تاریک دور سے نکل کر ایک روشن دور میں داخل ہوئی روشن صبح

ایک تدریج سے سامنے آئی ہے پہلے صرف رات کی نماز کا حکم ہو رہا تھا پھر کہیں معراج کی رات نماز پنجگانہ سامنے آئی۔

۲۔ یاایھا الذین امنوا لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری اس وقت کا حکم ہے جب شراب ابھی حرام نہ ہوئی تھی صرف اسکے رزق غیر حسن ہونے کی خبر دی گئی تھی پھر اسے کہیں رجس من عمل الشیطان کہا گیا۔

۳۔ پہلے کفار کی سختیاں برداشت کرنے اور مقابلے میں ہاتھ نہ اٹھانے کی تربیت تھی پھر کہیں ظلم کے سامنے کھڑے ہونے کی اجازت دی گئی اور وہ بھی صرف اذن کے درجہ میں۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر

(پ:۱۷، الحج:۳۹)

ترجمہ: اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں (جنگ کرنے کی) اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔

اس میں بتلا دیا گیا کہ شریعت میں جہاد دفع کفر کے لیے نہیں دفع ظلم کے لیے ہے کافر بھی اسلامی سلطنت میں رہ سکیں گے اور انہیں کبھی تبدیلی مذہب پر مجبور نہ کیا جاسکے گا۔

صحابہؓ کو آنحضرتؐ کی فقہ سکھانے کی محنت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت تھی کہ غلاموں کو حق معیشت میں اپنے برابر رکھو سب انسان ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس سے شریعت کے مزاج کا پتہ چلتا ہے کہ انسان بطور انسان اپنا ایک حق رکھتا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شریعت سے ختم نہیں کیا اپنے نظام حکمت سے ختم کیا اور حضور کو اللہ رب العزت کی طرف سے پہلے سے کہا گیا تھا کہ آپ لوگوں کو قرآن کریم اور حکمت سکھلائیں پھر آپ نے اپنی امت کی اسطرح تربیت فرمائی کہ غلام آزاد کرنے کو بڑی نیکی قرار دیا۔ غلطیوں کے ارتکاب پر اور بات بات پر غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرنے کی تعلیم دی اور تربیت کی۔

آج اس تدریج سے پورے اسلامی ملکوں میں غلاموں اور باندیوں کا کہیں کوئی

وجود نہیں رہا۔

ایک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنس کو جنس کے بدلے برابر برابر بیچنا تو جائز فرمایا لیکن ان میں کمی بیشی کو سود ٹھہرایا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آج تازہ کھجور خشک کھجور کے بدلے برابر دی جائے اور کل وہ تازہ کھجور خشک ہو کر اس خشک کھجور سے کم ہو جائے تو کیا اس صورت میں وہ پہلی بیع کہ تازہ کھجور خشک کھجور کے بدلے میں برابر بیچی گئی کیا جائز ٹھہرے گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ بعض صورتوں میں شریعت کے احکام معلل بعلت ہوتے ہیں احکام میں علت پر نظر رکھنا ہر کسی کا کام نہیں فقہ پر نظر صرف فقہاء کی ہی ہو سکتی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں آنحضرتؐ سے پوچھا گیا کیا خشک کھجور تر کھجور کے بدلے خرید نادرست ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب بھی دے سکتے تھے کہ نہیں مگر آپ نے صحابہؓ کو اس حکم کی فقہ سمجھائی اور پوچھا کیا تر کھجور خشک کھجور ہو کر وزن میں کم نہیں ہو جاتی؟ صحابہؓ نے کہا ہاں آپ نے فرمایا پھر یہ جائز نہیں اور اس سودے کو ناجائز فرمایا:۔

فقال لمن حوله اینقص الرطب اذاییس قالوا نعم فنهی عن ذلک. (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح جلد ا، ص ۱۴۷)

قاضی شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں آنحضرتؐ کا مقصد اس تفصیل سے اس کے عدم جواز کی علت بتلانا تھا کہ رطب سوکھ کر جب تر سے وزن میں کم ہو جائے تو یہ بیع برابر کی برابر سے نہ رہی جب یہ نہیں تو سود متحقق ہو گیا جو حرام ہے۔ (نیل الاوطار جلد ص)

دیکھئے آپ نے بیان علت حکم میں کس قدر اہتمام فرمایا کہ حضار مجلس کی زبان سے کہلوا دیا تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حکم علت پر متفرع ہوتا ہے۔

ایک بار ایک یہودی کا جنازہ آنحضرتؐ کے سامنے سے گزرا آپؐ اس کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے لوگوں نے کہا حضورؐ! وہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیا وہ ایک جان نہیں تھی۔ الیست نفسا (الیست نفسا و یویدہ ما فی کتاب الآثار للامام محمدؒ)

جنازہ دیکھ کر اٹھنے کی علت کیا تھی؟ ایک جان کا احترام جو دنیا سے گئی یا اس کے ساتھیوں سے انسانی ہمدردی کا اظہار سو یہ حکم غیر مسلم تک کو ممتد ہوگا۔ حضورؐ نے اُس کی علت بیان فرمادی۔ حضرت حسنؓ نے حضور کا یہ ارشاد نہ سنا تھا انہوں نے آپؐ کے اٹھنے کی علت یہ بیان کی کہ یہودی اس جنازہ کے ساتھ بخور جلا رہے تھے حضورؐ کو اس کی بو ناگوار تھی اس لیے آپ وہاں سے اٹھ گئے اس سے معلوم ہوا کہ مجتہدین ان دنوں حکم کی علت تلاش کرتے تھے اور یہ کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ علت پر نظر کر کے مجتہدین ظاہر نص کے خلاف کبھی فتویٰ بھی دے دیتے تھے اور کوئی اسے حدیث کی مخالفت نہ کہتا تھا۔

کسے معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عورتیں عیدگاہ میں آتی تھیں مگر اس کی علت یہ نہ تھی کہ عورتوں پر عید کی نماز فرض ہے بلکہ ان کا وہاں آنا ایک دینی اجتماع کی حاضری ہوتی تھی جس میں دعوت کا کام ہوتا تھا جو عورتیں نماز پڑھنے کی حالت میں نہ ہوتی تھیں وہ بھی عیدگاہ میں حاضری دیتی تھیں اگر حاضری کی علت نماز ہوتی تو ان عورتوں کو جو ایام میں ہوتیں ان کو عیدگاہ میں آنے کا نہ کہا جاتا حضرت ام عطیہؓ کہتی ہیں:۔

فاما الحیض فیعتزلن المصلی ویشھدن دعوۃ المسلمین.

(رواہ الترمذی جلد ا، ص کتاب الجمعہ)

ترجمہ: ایام والی عورتیں نماز سے تو ایک طرف رہتیں لیکن دعوت کے کام میں حاضری دیتیں۔

کوفہ کے جلیل القدر مجتہد امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۵۲ھ) نے اپنے دور میں اس علت پر نظر رکھتے ہوئے دیگر بڑے مصالح کے لیے عورتوں کو عیدگاہ میں آنے سے روک دیا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا فقہی فیصلہ بھی یہی تھا مجتہدین کے اس فیصلے پر کسی نے ان پر مخالفت حدیث کا الزام نہ لگایا اس اصول سے کسی صاحب علم کو اختلاف نہ تھا کہ حکم کی علت پر نظر رکھتے ہوئے مجتہد ظاہر نص کے خلاف بھی فتویٰ دے سکتا ہے امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

روی عن ابن المبارک انه قال اکره الیوم الخروج للنساء فی العیدین ویروی عن عائشه قالت لورای رسول اللّٰه صلی

اللّٰہ علیہ وسلم مااحدث النساء لمنعھن المسجد کما
منعت نساء بنی اسرائیل ویروی عن سفیان الثوری انہ کرہ
الیوم الخروج للنساء الی العید.

(جامع ترمذی جلد اول باب فی خروج النساء الی العیدین ص۱۷۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں آج میں عورتوں کے
عیدین کے لیے نکلنے کو جائز نہیں سمجھتا حضرت عائشہؓ سے مروی ہے
کہ حضورؐ اگر دیکھ پاتے جو عورتیں آج کل کر رہی ہیں تو آپ انہیں
مسجدوں میں آنے سے ضرور روکتے جیسا کہ بنواسرائیل کی عورتوں
کو عبادت گاہوں میں جانے سے روک دیا گیا تھا اور حضرت سفیان
ثوریؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ عورتوں کا عیدگاہ میں جانا مکروہ ہے۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں ایک روز میں اور عطاء اور طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ بیٹھے
تھے اور حضرت ابن عباسؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر پوچھا کہ جب میں
پیشاب کرتا ہوں تو پیشاب کے بعد ماء دافق (اچھل کر نکلنے والا پانی) نکلتا ہے کیا اس سے
غسل واجب ہوتا ہے؟ ہم نے پوچھا کیا یہ وہی ماء دافق نکلتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے؟
اس نے کہا ہاں۔ ہم نے کہا غسل تو واجب ہے وہ شخص انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا چلا گیا
حضرت ابن عباسؓ جونہی نماز سے فارغ ہوئے آپ نے عکرمہ سے کہا کہ اس شخص کو واپس
بلا لاؤ چنانچہ وہ آگیا آپ نے پھر ہم سے پوچھا۔

کیا تم نے قرآن سے فتوے دیا ہے؟ ہم نے کہا نہیں فرمایا حدیث سے؟ ہم نے
کہا نہیں۔ فرمایا صحابہؓ کے اقوال سے؟ ہم نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا کس کے قول سے فتویٰ دیا
ہے؟ انہوں نے کہا ہم نے اپنی رائے سے یہ فتوے دیا ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا:۔

لذلک یقول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقیہ واحد
اشد علی الشیطان من الف عابد.

ترجمہ: اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک فقیہ شیطان پر
ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔

پھر آپ نے اس سائل سے پوچھا کہ پیشاب کے بعد جو چیز نکلتی ہے کیا اس کے نکلنے کے وقت تمہیں شہوت ہوتی ہے؟ اس نے کہا نہیں! پھر پوچھا کیا اس کے نکلنے کے بعد اعضاء میں استرخا اور ڈھیلا پن آجاتا ہے؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا اس صورت میں صرف وضو تیرے لیے کافی ہے غسل کی حاجت نہیں۔

(کنز الایمان کتاب الطہارت۔ حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۵۔۱۹۶)

یہ حضرات مجاہد (۱۰۰ھ) عطاء (۱۱۵ھ) طاؤس (۱۰۵ھ) اور عکرمہ (۱۰۷ھ) کوئی معمولی درجے کے لوگ نہ تھے مگر آپ نے دیکھا کہ فقہ کے دریا کتنے گہرے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سائل سے دو سوال ایسے کیے جن سے علت حکم نکھر کر سامنے آگئی علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سوال سے فقہ کے یہ اصول سامنے آئے۔

۱۔ اسلام میں علم کے ماخذ چار ہیں:۔

۱۔قرآن ۲۔حدیث ۳۔صحابہ کرامؓ

۴۔کسی امام کا قول جس کی پیروی کی جا رہی ہو۔

حضرت ابن عباسؓ نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں پوچھا کہ کیا تم نے یہ مسئلہ ان سے لیا ہے؟ انہوں نے چاروں مرتبہ ایک ہی جواب دیا کہ نہیں پانچویں بات انہوں نے اپنی کہی کہ یہ فیصلہ ہم نے اپنی رائے سے کیا ہے۔

۲۔ ان حضرات نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ ہم نے اپنی رائے سے یہ فیصلہ دیا ہے اس سے پتہ چلا کہ دین میں رائے سے مسئلہ بتلانے میں کوئی عیب نہیں یہ عیب تب ہے کہ کسی نص کے مقابلہ میں ہو جو رائے کسی نص سے متصادم نہیں وہ ہرگز معیوب نہیں اگر رائے سے فیصلہ کرنا معیوب ہوتا تو حضرت ابن عباسؓ ان پر ضرور نکیر کرتے کہ تم نے اس میں رائے کیوں قائم کی۔

۳۔ یہ چاروں حضرات مجتہد تھے اگر وہ مجتہد نہ ہوتے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ انہیں ان کے پانچویں جواب پر یہ کہتے کہ تم عامی ہو اور عامی آدمی کو دین کے کسی مسئلہ میں اپنی رائے سے حکم کرنے کا حق نہیں اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ علم کے ہوتے بھی تقلید اعلم جائز ہے اپنے اجتہاد کی پابندی ضروری نہیں ہے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب دو سوال کیے اور انہیں حکم کی علت ٹھہرایا

تو اس پر ان چار حضرات نے اور نہ اس شخص نے جو مسئلہ پوچھنے آیا تھا ان سے ان کی دلیل پوچھی کہ آپ غسل فرض ہونے کے لیے یہ جو شرطیں لگا رہے ہیں یہ کس نص میں مذکور ہیں؟ قرآن میں یا حدیث میں معلوم ہوا اس وقت مجتہد کے قول پر بلا دلیل عمل کرنا اور اس پر اعتماد کرنا کہ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں صحیح مسئلہ بتا رہا ہوگا جائز تھا اسے کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔

فقہ اعمال کے درجوں میں بہت دقیق ہے لیکن معاملات اور امور سلطنت میں فقہ اور بھی گہری ہو جاتی ہے۔ نظام عبادات کو ترتیب دینا اتنا مشکل نہیں جتنا امور سلطنت کو ایک ترتیب پر لانا مشکل ہے۔ شافعی فقہاء زیادہ نظام عبادات کی ترتیب میں لگے رہے لیکن فقہائے احناف نے ابتداء ہی ابواب السیر کو فقہ کا اہم موضوع گردانا۔ یہ انہی کی کوشش تھی کہ اسلام ایک پورے نظام حیات کے طور پر سامنے آیا۔

درجہ فقہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

ضرورت فقہ میں آپ یہ جان چکے ہیں کہ قرآن کریم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے عربیت، فقہ اور سنت تینوں کا جاننا ضروری ہے اور حدیث کے موارد و معانی سمجھنے کے لیے فقہ و آثار کا مطالعہ ازحد ضروری ہے اور جہاں مسئلہ کتاب وسنت میں نہ ملے تو استنباط واستخراج سے فقہ اس ضرورت کو پورا کرتی ہے تاہم یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ شریعت کے مآخذ کی حیثیت سے فقہ کا درجہ کیا ہے؟

اولاً یہ بات ذہن میں رہے کہ فقہ قرآن وحدیث کا غیر نہیں ہے فقہ مسائل غیر منصوصہ نئے سرے سے بناتی نہیں انہیں صرف دریافت کرتی ہے وہ مسائل نصوص شریعت میں پہلے ہی لپٹے اور مخفی تھے یہ مجتہدین کا علمی کمال ہے کہ انہوں نے وہ کھول کر رکھ دیئے اور دریافت کر لیے۔

سائنس نے ذرے میں کوئی طاقت پیدا نہیں کی ایٹم میں یہ طاقت پہلے سے موجود تھی اور مخفی تھی سائنسدانوں نے اسے دریافت کر کے ایٹم بم بنا دیا۔ کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تھا ایجاد نہیں کیا وہ پہلے سے موجود تھا گو یہاں کے لوگوں کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ فقہ کی اصولی لائنیں پہلے سے کتاب وسنت میں بچھی ہوئی تھیں مجتہدین نے انہیں دریافت کر کے ان پر ہزاروں جزئیات مرتب کر ڈالیں۔

اس گہری کاوش کے باوجود ان جزئیات فقہ کو قطعیت کا درجہ حاصل نہیں نہ ان کے منکر کو کافر کہا جا سکتا ہے کتاب وسنت تو اپنی جگہ قطعی درجے میں واجب القبول ہوں گے لیکن جو مسائل ان سے استنباط اور استخراج کے ذریعے حاصل ہوں ان میں وہ قطعیت نہیں آتی سو علم کے مآخذ ہونے کی حیثیت سے اجتہاد سے حاصل ہونے والے مسائل تیسرے

درجے میں رہیں گے پھر تابعین اکابر کو اگلے ائمہ مجتہدین سے پہلے رکھا جائے تو پھر فقہ سے حاصل شدہ مسائل چوتھے درجہ میں شمار ہوں گے اصولاً ان کا درجہ تیسرا ہے اور وہ کتاب وسنت کے بعد کا ہے۔

فقہ کے تیسرے درجہ پر قرآن کی پہلی شہادت

یاایہا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعو الرسول و اولی الامر منکم. (پ:۴، النساء:۵۹)

ترجمہ: اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو (اپنے مسلم اولی الامر کی)

فقہاء ومجتہدین جو علم شریعت میں ہمارے اولی الامر ہیں انہیں قرآن نے یہاں تیسرے درجے میں رکھا ہے۔

قرآن کی دوسری شہادت:

فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون

(پ۱۴، النحل: ۴۳، پ:۱۷ الانبیاء)

ترجمہ: اگر تمہیں کوئی بات معلوم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لیا کرو۔

اسلام میں علم کا اصل سرچشمہ کتاب وسنت ہیں اگر کوئی ان سے اپنی بات نہیں لے سکتا تو وہ اہل ذکر سے پوچھ لے وہ کتاب وسنت کی روشنی میں اسے بتلا دیں گے اور ان کی بات تیسرے نمبر پر رہے گی۔

علم نہ رکھنے والے اہل الذکر کی باتوں کو دلائل و براہین سے پرکھ نہیں سکتے کسی بات کو دلائل وبراہین سے جانچنا اہل علم کا کام ہے نہ کہ عوام کا ان کا کام بس یہی ہے کہ وہ اہل ذکر پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے دلیل طلب کیے بغیر ان کے بتائے پر عمل کریں اس آیت کے جملہ ان کنتم لاتعلمون نے یہ سب پابندیاں ان پر نرم کردی ہیں۔

اہل کتاب کے بارے میں جاننا ہو تو ان کے اہل ذکر سے پوچھیں اسلام کے بارے میں جاننا ہو تو ان کے اہل علم سے پوچھیں۔ اہل ذکر کا لفظ عام ہے جو دونوں کو شامل

ہے آیت کا شان نزول گو کسی ایک سے متعلق ہو قرآن کریم کو اس کے اسباب نزول پر بند نہیں کیا جاسکتا۔

علماء اسلام پہلے بھی اس آیت سے تقلید ائمہ پر استدلال کرتے رہے ہیں خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

اما من يسوغ له التقليد فهوالعامی الذی لايعرف طرق الاحكام الشرعية فيجوزله ان يقلد عالما ويعمل بقوله قال الله تعالى فاسئلوا اهل الذكران كنتم لاتعلمون.

(الفقیہ والمتفقہ جلد۲، ص۶۸)

ترجمہ: تو جس کے لیے تقلید کی راہ ہے یہ وہ عامی ہے جو احکام شرعیہ کی راہوں کو نہ جانتا ہو اس کے لیے جائز ہے کہ کسی ایک عالم کی تقلید کرلے اور اللہ تعالی کے اس حکم پر عمل کرے کہ اگر تم نہیں جانتے تو ان سے پوچھ لیا کرو جو جانتے ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

ان من الناس من جوزتقليد المجتهد بهذه الاية

ترجمہ: ایسے حضرات بھی ہوئے ہیں جو اس آیت کی رو سے تقلید مجتہد کو جائز کہتے تھے۔

تفسیر روح المعانی میں امام جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) سے نقل کیا ہے:۔

استدل بها على جواز التقليد للعامی فی الفروع.

(روح المعانی جلد۱۴، ص۱۴۸)

ترجمہ: اس آیت سے فروعات میں تقلید کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔

قرآن کی تیسری شہادت:

اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم

نماز میں ہم سب اللہ رب العزت سے صراط مستقیم پر چلنے کی دعا کرتے ہیں اور

صراط مستقیم اللہ رب العزت کے انعام یافتہ لوگوں کی راہ کا نام ہے اس میں صدیقوں شہیدوں اور صالحین امت کا نام من النبیین کے بعد آتا ہے معلوم ہوا اسلام میں ان بزرگوں کی پیروی اللہ اور اس کے رسول خاتم ؐ کے بعد تیسرے نمبر پر ہے یہاں رسول کی پیروی سے اب مراد سنت کی پیروی ہے اور صالحین امت کی پیروی سے مراد اب فقہ کی پیروی ہے۔

وہ انعام یافتہ لوگ کون ہیں جنکی پیروی کی ہم دعا کر رہے ہیں؟ قرآن کریم میں انہیں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

انعم اللّٰہ علیهم من النبین والصدیقین والشهداء والصالحین

(پ۵، النساء:۶۹)

ترجمہ: جن پر اللہ نے انعام کیا وہ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہداء ہیں اور صالحین امت ہیں۔

قرآن کی چوتھی شہادت:

قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ ہم پر سبیل مومنین کی پیروی بھی فرض کی ہے اور ظاہر ہے کہ اس پیروی کا درجہ حضور پیغمبر خاتم ؐ کی پیروی کے بعد کا ہی ہے اب تیسرا درجہ اجماع امت کا ہوگیا مجتہد کی پیروی اب چوتھے درجہ میں آگئی:۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی ویتبع غیرسبیل المؤمنین نوله ماتولی ونصله جهنم وساء ت مصیرا (پ۵، النساء:۱۱۵)

ترجمہ: اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے مسلمانوں کی راہ کے خلاف تو ہم اسے لوٹا دیں گے اسی طرف جدھر وہ خود مڑا اور پہنچائیں گے ہم اسے جہنم میں اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

نیک بندگان الٰہی کی پیروی قرآن کریم اس طرح لازم کرتا ہے:۔

واتبع سبیل من اناب الیّ (پ۲۱، لقمان:۱۵)

ترجمہ: اور تو راہ چل اس کی جو میری طرف چلا۔

سورۂ نساء کی مذکورہ آیت کی روشنی میں ہم پورے سبیل المومنین کی پیروی کے پابند ہیں اور سورۂ لقمان کی اس آیت کی روشنی میں ہم ہر منیب الی کی پیروی کے پابند ٹھہرے اختلاف ائمہ کی صورت میں ہم کسی ایک کی پیروی کرلیں تو اس آیت پر عمل ہو جاتا ہے۔ اب اجماع امت تیسرے درجے کا ماخذ علم ٹھہرا اور تقلید مجتہد چوتھے درجے میں آ گئی۔

پھر اس ساری امت کو منیبین میں آنے کا حکم ہوا۔

فاقم وجهک للدین حنیفا فطرة الله التی فطر الناس علیها

لاتبدیل لخلق الله ذلک الدین القیم ...... منیبین الیه

(پ۲۱، الروم:۳۱)

ترجمہ: سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہوکر وہی فطرۃ اللہ ہے جس پر تراشا اس نے لوگوں کو سب رجوع ہوکر اسکی طرف۔

اگلی آیت سے یہ ساری امت منیبین میں آ گئی اور اسکی اتباع لازم ٹھہری اس سے اجماع امت پر چلنا ضروری ٹھہرا اور یہ تیسرے درجہ کا ماخذ علم ہے تقلید اب چوتھے درجے میں آئی۔ حافظ ابن تیمیہ ان دونوں آیتوں کو اسطرح جمع کرتے ہیں۔

واتبع سبیل من اناب الیٰ والامة منیبة الی الله تعالیٰ فیجب اتباع سبیلها. (معارج الاصول ص۱۲)

ترجمہ: اور تو راہ چل اس کی جو میری طرف چلا اور امت اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے والی ٹھہری سو چاہیے کہ اس راہ کی اتباع واجب ٹھہرے۔

اجتہاد کے تیسرے درجے پر آنحضرتؐ کی شہادت

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنایا تو اُن سے پوچھا۔

کیف تقضی اذا عرض لک قضاء

ترجمہ: جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے تو تم کس طرح فیصلہ کروگے؟

آپ نے عرض کیا اللہ کی کتاب کے مطابق آنحضرتؐ نے پوچھا اگر وہ بات آپ

کو کتاب اللہ میں نہ ملے؟ آپ نے کہا تو حضورؐ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اگر تو اسے میری سنت بھی میں نہ پائے اور وہ تجھے کتاب اللہ میں بھی نہ ملے تو کیا کرو گے؟ اس پر حضرت معاذؓ نے کہا اجتہد برای ولاالو میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اپنی طرف سے (بات سمجھنے اور اس کا حل نکالنے میں) کوئی کوتاہی نہ کروں گا آنحضرتؐ نے اپنی چھاتی پر (موافقت کا) ہاتھ مارا اور فرمایا:۔

الحمد للّٰہ الذی وفق رسول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لما یرضی بہ رسول اللّٰہ. (سنن ابی داؤد جلد۲، ص۱۴۹ مسند امام احمد جلد۵، ص۲۳۰ سنن دارمی جلد۲، ص سنن کبریٰ للبیہقی جلد۱۰، ص۱۱۴ البدایہ جلد۵، ص۱۰۴)

ترجمہ: سب حمد اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ جو چیز قرآن وسنت میں نہ ملے اسے یہ نہ کہنا چاہیے کہ وہ بات دین کی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ قرآن وحدیث سے اجتہاداً نکالی گئی ہو صحابہؓ نے اسے (اجتہاد کو) ہمیشہ تیسرا ماٰخذ شریعت سمجھا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔

حضرت معاذؓ سے اس روایت کو حمص کے کئی بزرگوں نے روایت کیا ہے اس کثرت پر نام لینے کی ضرورت نہیں رہتی تاہم حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) نے ایک نام عبدالرحمٰن بن غنمؒ ذکر کیا ہے عبدالرحمٰن بن غنمؒ شامی کبار تابعین میں سے ہیں اور انہوں نے بھی یہ حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کی ہے۔

چاروں مذاہب کے محدثین نے اس حدیث کی تصدیق کی ہے مالکی ہوں یا حنفی شافعی ہوں یا حنبلی۔

۱۔ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

وحدیث معاذ صحیح مشہور رواہ الائمۃ العدول وھو اصل فی الاجتہاد والقیاس علی الاصول. (جامع بیان العلم جلد۱، ص۷۷)

ترجمہ: حضرت معاذؓ کی یہ حدیث صحیح ہے اور درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اسے ائمہ

عدول نے روایت کیا ہے یہ حدیث بنیاد ہے اجتہاد کی اور قیاس کی۔

۲۔حافظ ابن قیم حنبلیؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:۔

وھذا اسناد متصل ورجاله معروفون بالثقة.

(اعلام الموقعین جلد۱،ص۱۷۶)

ترجمہ: اس حدیث کے جملہ راوی متصل ہیں اور سب ثقہ ہونے میں جانے پہچانے ہیں۔

۳۔حافظ ابن کثیر الدمشقی الشافعیؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

وھذا الحدیث فی المسند والسنن باسنا دجید کما ھو مقرر فی موضعه. (تفسیر ابن کثیر جلد۱،ص۳)

ترجمہ: یہ حدیث مسانید وسنن میں سند جید کے ساتھ منقول ہے اور یہ اپنے موقع پر طے شدہ ہے۔

۴۔حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:۔

الحدیث له شواھد موقوفة عن عمربن الحطاب وابن مسعود و زید بن ثابت وابن عباس و قداخر جھا البیھقی فی سننه عقب تخریجه لھذا الحدیث تقویة له.

(بذل المجہو دجلد۵،ص۳۱۰)

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں ھوحدیث صالح للاحتجاج به اور ان کی اس بات کونواب صدیق حسن خاں مرحوم نے بھی تفسیر فتح البیان بحاشیہ ابن کثیر جلد۵ص۳۲۴ پر نقل فرمایا ہے قاضی شوکانیؒ نے بھی تفسیر فتح القدیر جلد۳،ص۲۱۹ پر اسے ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں حضرت معاذؓ نے اجتہاد کے ساتھ رائے کا لفظ بھی استعمال کیا ہے اور حضورؐ نے اسے منظوری بخشی ہے معلوم ہوا کہ مجتہد کے لیے اہل الرائے ہونا کوئی عیب نہیں اور وہ رائے ہرگز عیب نہیں جو کتاب وسنت کی کسی نہ کسی اصل پر قائم ہو حدیث تو ہر شخص روایت کرسکتا ہے جس میں تثبت اور یادداشت کی قوت ہو، پر اہل الرائے ہونا یہ درجہ اجتہاد ہے جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے البتہ خود ساختہ رائے کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

حضرت معاذؓ کی اس روایت سے اسلام میں اجتہاد کی راہ کھلی۔ اجتہاد کی راہ سے

حاصل کردہ مسائل کو فقہ کہا جاتا ہے ان کی جڑیں کتاب وسنت میں ہوتی ہیں مگر ان کی شاخیں بہت دور تک جاتی ہیں۔

(۴) حافظ ابو بکر جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عقبہ بن عامرؓ (۵۸ھ) کو بھی ایک ایسی ذمہ داری سونپی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص کسی جھگڑے میں حاضر ہوئے تو آپ نے حضرت عقبہؓ سے کہا اقض بینهما عقبہؓ ان دونوں میں فیصلہ کرادو اس پر حضرت عقبہؓ نے کہا:۔

یارسول الله اقضی بینهما وانت حاضر قال اقض بینهما فان اصبت فلک عشر حسنات وان اخطات فلک حسنة واحدة. (احکام القرآن جلد۲، ص۲۱۳)

ترجمہ: اے اللہ کے رسولؐ! میں آپ کی موجودگی میں فیصلہ کروں؟ آپ نے فرمایا تم فیصلہ کرو اگر تم صحیح بات کو جا پہنچے تو تم کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور اگر تم چوک گئے تو تجھے ایک نیکی ملی۔

وامر النبی لمعاذ وعقبة بن عامر بالاجتهاد صدر عندنا عن الاية وهو قوله تعالى فان تنازعتم فی شئی فردوه الى الله والرسول لانا متى وجدنا من النبی حكما مواطئا لمعنى قد ورد به القران حملناه على انه حكم به عن القران وانه لم يكن حكما مبتدأ من النبیؐ كنحو قطعه السارق وجلده الزانی وماجرى مجراهما. (ایضاً)

ترجمہ: آنحضرتؐ کا حضرت معاذؓ اور عقبہ بن عامرؓ کو اجتہاد کرنے کا کہنا ہمارے نزدیک اس آیت سے ماخوذ ہے کہ جب تم کسی بات میں تنازع میں آؤ تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ کیوں کہ ہم جب حضورؐ سے کوئی بات پائیں جو اس معنی کے مطابق ہو جو قرآن میں وارد ہو چکا تو ہم اسے اس پر محمول کریں گے کہ آپ نے وہ بات قرآن سے کہی ہے اور یہ حکم اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہو رہا ہے جیسے آپ کسی چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیں یا کسی زانی

کوکوڑوں کو سزا دیں اور ایسی ہی کوئی اور بات ہو۔

(۴) آنحضرتؐ سے حضرت علی مرتضیٰؓ نے پوچھا کہ اگر مجھے کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس کا صاف حکم مجھے کتاب وسنت میں نہ ملے تو ایسے موقع پر میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا:۔

تشاور وا الفقهاء والعابدين ولا تمضو افيه رای خاصة. (رواه الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون من اہل الصحیح، معارف السنن جلد ۳، ص ۲۶۵، موائد العوائد ص ۱۱۲ نواب صدیق حسن خاں مرحوم، وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد جلد ۱، ص ۱۷۸ رجالہ موثقون وصححہ السیوطیؒ فی مفتاح الجنۃ)

ترجمہ: جماعت فقہاء سے اور دوسرے نیک لوگوں سے مشورہ کر لیا کرو چند لوگوں کی رائے پر نہ رہا کرو۔

حضرت معاذؓ کو آپ نے براہ راست اجتہاد کی اجازت دی اور حضرت علیؓ کو دوسرے فقہاء سے مشورے کا حکم دیا یہ اس لیے کہ حضرت معاذؓ جہاں جا رہے تھے وہاں کوئی اور اہل علم کا حلقہ موجود نہ تھا کہ آپ ان سے مشورہ کرتے مگر حضرت علیؓ مرتضیٰ کے لیے دوسرے صحابہؓ سے مشورہ کرنے کی کافی گنجائش تھی اور آپ اہل علم کے ایک حلقہ میں تھے۔

اس روایت سے یہ بھی پتہ چلا کہ عہد صحابہؓ میں فقہاء صحابہؓ بھی موجود تھے اور وہ اپنی جگہ پورے ممتاز تھے اور دوسرے صحابہ مہمات مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ان روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں فقہ کا تیسرا درجہ ہے سنت کے ہوتے ہوئے اس کے مقابل نہ اجتہاد کی اجازت ہے نہ اس کا کوئی مقام اگر کوئی مسئلہ کتاب وسنت دونوں میں نہ ملے تو ان کی کسی اصل پر اس نئے پیش آمدہ مسئلے کو قیاس کرنا جائز ہوگا۔ یہ عمل اجتہاد کہلاتا ہے۔ اس میں یہ ضروری ہے کہ قیاس کرنے والے میں اجتہاد کی شرطیں پائی جائیں لوگ یونہی مجتہد نہ بن بیٹھے ہوں۔

اثنا عشریوں نے حضرت امام باقرؒ کی روایت سے حضورؐ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:۔

ماوجدتم فی کتاب اللّٰہ فالعمل به لازم لاعذر لكم فی تركه ومالم يكن فی كتاب اللّٰه وكانت فيه سنة منی فلاعذر لكم فی ترك سنتی ومالم يكن فيه سنة منی فما قال اصحابی فخذوه فانما مثل اصحابی فيكم كمثل النجوم

فبایتها اخذ اهتدی وبای قول من اقاویل اصحابی اخذتم
اهتدیتم

(بصائر الدرجات لابی جعفر محمد بن الحسن الصفار جلد۱، ص۱۱، معانی الاخبار لابن بابویہ القمی ص۵۰)

ترجمہ: جو تم کتاب اللہ میں پاؤ اس پر عمل کرنا ضروری ہے اسے کسی صورت میں چھوڑا نہیں جا سکتا اور جو کتاب اللہ میں نہ ہو اور اس میں میری سنت موجود ہو تمہیں میری سنت چھوڑنے کا کوئی موقعہ نہیں اور جو کوئی بات میری سنت میں بھی نہ ہو تو جو کچھ میرے صحابہؓ نے کہا وہ لے لو میرے صحابہؓ آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کہ اجتہاد تیسرے نمبر پر ہے

حضورؐ کی موجودگی میں اجتہاد تیسرے درجہ میں تھا کہ جب کتاب وسنت میں کوئی بات نہ ملے تو اجتہاد کر لیا جائے لیکن حضورؐ کی وفات کے بعد اجتہاد کی راہ عام نہ رکھی گئی اکابر امت کے فیصلے عام اجتہاد امت پر مقدم ٹھہرائے گئے تاہم کتاب وسنت کو ہر حال میں مقدم رکھا گیا اور اسلامی قانون سازی میں اجتہاد کو سنت کے بعد جگہ دی گئی۔

علامہ شعبیؒ قاضی شریحؒ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ فیصلے کس طرح کیے جائیں امام نسائیؒ روایت کرتے ہیں:۔

عن شریح انه کتب الی عمر یساله فکتب الیه ان اقض بمافی کتاب اللّٰه فان لم یکن فی کتاب اللّٰه فبسنة رسول اللّٰه فان لم یکن فی کتاب اللّٰه ولافی سنة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاقض بما قضی به الصالحون فان لم یکن فی کتاب اللّٰه ولافی سنة رسول اللّٰه ولم یقض به الصالحون فان شئت فتقدم وان شئت فتاخر والااری التاخر الاخیرالک والسلام. (سنن نسائی جلد۲، ص۳۰۵)

ترجمہ: شریحؒ سے مروی ہے آپ نے حضرت عمرؓ کو لکھا فیصلے کس طرح کیے جائیں آپ نے لکھا کتاب اللہ کے مطابق کتاب اللہ میں نہ

ہوں تو سنت رسول اللہ کے مطابق اگر کتاب اللہ میں بھی نہ ہوں اور
سنت رسول اللہ میں بھی نہ ہوں تو پہلے اکابر امت جو فیصلے کر چکے ہیں
ان کے مطابق فیصلے کرو اور اگر کتاب اللہ میں بھی نہ ہوں اور سنت
رسول اللہ میں بھی نہ ہوں اور پہلے صالحین امت اس پر کچھ فیصلہ نہ
کر پائے ہوں تو چاہے تو آگے بڑھو (یعنی اجتہاد کرلو) اور چاہو تو
رک جاؤ (یعنی یہاں لکھ بھیجو) اور میرے خیال میں تمہارے لیے رکنا
بہتر ہے۔ والسلام!

مقام اجتہاد کی نزاکت پر غور کریں حضرت عمرؓ قاضی شریحؒ جیسے فاضل اجل کو بھی اس کی کھلی اجازت نہیں دے رہے تاہم شرعاً چونکہ انہیں اجتہاد کا حق پہنچتا تھا اس لیے روکا بھی نہیں۔

حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے تشریع اسلامی میں قیاس شرعی کو چوتھا درجہ ملتا ہے اکابر صحابہؓ کے فیصلے موجود ہوں تو پھر کسی مجتہد کو بھی اجتہاد کی ضرورت نہیں اکابر امت کے فیصلے بطیب خاطر قبول کر لینے چاہئیں۔ حضرت عمرؓ کے بیان میں حضرت ابوبکرؓ کے فیصلوں کو من وعن قبول کرنے کا اشارہ ہے۔

اجتہاد کے چوتھے درجہ پر ہونے کی ایک اور شہادت

خلفائے راشدینؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سر پر آرائے مسند علم ہیں آپ فرماتے ہیں:۔

فمن عرض له منكم قضاء بعداليوم فليقض بمافى كتاب الله فان جاء ہ امر ليس فى كتاب الله فليقض بما قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فان جاء ہ امر ليس فى كتاب الله ولاقضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فليض بما قضى به الصالحون فان جاء ہ امرليس فى كتاب الله ولاقضى به نبيه صلى الله عليه وسلم ولا قضى به الصالحون فليجتهد.

(سنن دارمی جلد ا، ص ۷۱ سنن نسائی جلد ۲، ص ۳۰۵)

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کے پاس مقدمہ آئے تو اسے چاہیے کہ وہ قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کرے اگر وہ اسے کتاب اللہ میں نہ ملے تو چاہیے کہ وہ نبی کریم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے اگر وہ اسے کتاب اللہ اور سنت رسول پاک میں نہ پائے تو اسے چاہیے کہ وہ اکابر امت (جیسے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ) کے فیصلے کے مطابق فیصلہ دے اور اگر وہ مسئلہ اسے نہ قرآن میں ملے نہ سنت میں اور نہ اکابر صحابہؓ نے اس کا کوئی فیصلہ دیا ہو تو اب اسے اجتہاد کرنا چاہیے ڈرنا نہ چاہیے (جب ضرورت پیش آئی ہے تو دین میں اس کا حل کیوں نہ ہو)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس بیان میں بھی رائے سے اجتہاد کرنے کی تلقین ہے یہاں رائے سے وہ رائے مراد ہے جو کتاب وسنت کے اصولوں پر قائم کی جائے کتاب و سنت سے اس اصل کو تلاش کرنا اور پھر اس پر مسائل پیش آمدہ کو منطبق کرنا یہ اجتہاد ہے جس میں مجتہد اپنی رائے قائم کرتا ہے سو یہ کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے لوگ بلاوجہ بدکنے لگیں۔

سنت کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی نئی راہیں

حدیث معاذؓ کی روایت کی روشنی میں جب کوئی چیز سنت میں مل جائے تو اصولا اس کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی ضرورت نہیں لیکن سنت اگر پہلے مورد پر بند نہ ہو اور اسے کسی مصلحت کے لیے اختیار کیا گیا ہو تو اس مصلحت کے نہ ہونے کی صورت میں اجتہادا کوئی دوسرا موقف اختیار کرنا یہ سنت سے ٹکراؤ نہ ہوگا یہ دین کی ایک وسعت شمار ہوگا مثلاً:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری ایام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی جگہ امام نماز مقرر کیا اس سے پہلے آپ حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بھی مقرر کر چکے تھے لیکن آپ نے امور سلطنت کے لیے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہ کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضور کی وفات کے بعد صحابہؓ نے خلیفہ چنا اور پھر مسجد نبوی میں آپ کی بیعت عام ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق کار سب صحابہؓ کے سامنے موجود تھا مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے آخری ایام میں اس سنت پر عمل کرنے کی بجائے حضرت عمرؓ

کو اپنا جانشین نامزد کردیا حضرت عثمانؓ اس وصیت کے لکھنے والے تھے انہوں نے بھی آپ سے نہ کہا کہ آپ سنت کے خلاف یہ کام کیوں کررہے ہیں حضورؐ نے تو ایسا نہ کیا تھا؟ کسی نے ایسا نہیں کہا معلوم ہوا کہ بعض حالات میں سنت کے ہوتے ہوئے بھی اجتہاد کی راہ اختیار کی جاسکتی ہے۔

پہلی اور دوسری صورت میں اصولی فرق

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں مجتہد تھے ممکن ہے ان کی اس حدیث کی علت پر نظر ہو اور اس لیے وہ ظاہر حدیث پر عمل پیرا نہ ہوئے ہوں حضورؐ کے اس نامزد نہ کرنے میں ایک یہ سبب نظر آتا ہے:۔

حضورؐ اگر کسی کو مقرر کر جائیں تو اصولاً وہ امت کے سامنے جوابدہ نہیں ہوگا حضورؐ کے مقرر کردہ پر کسی کو کسی مسئلے میں انگلی اٹھانے کا حق نہ ہوگا حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اگر کسی نے آپ کا لمبا کرتہ دیکھ کر یہ سوال اٹھایا کہ یہ کرتا ایک چادر سے کیسے بن گیا تو وہ اسی لیے تھا کہ آپ آنحضرتؐ کے مقرر کردہ نہ تھے حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا اب اگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی (کہ آپ نے کسی کو امور سلطنت میں جانشین نامزد نہ کیا علت پاگئے اور اس موقع پر بوجہ عدم علت حضرت ابوبکر نے اپنا جانشین نامزد کردیا) تو آپ کا یہ عمل سنت سے ٹکراؤ نہیں اسی سنت کی ایک وسعت شمار ہوگا۔

الحمد للہ اس وقت کسی نے یہ شور نہ کیا تھا کہ دیکھو یہ فقہ والے ظاہر حدیث کے خلاف چل رہے ہیں یہ اسی لیے کہ وہ دور اہل خیر کا تھا پھر حضرت عمرؓ نے بھی اس حدیث پر عمل نہ کیا اور نہ کاملاً حضرت ابوبکرؓ کے اجتہاد پر چلے انہوں نے اپنا اجتہاد کیا اور چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی نامزد کردی کہ یہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں یہ ایک پہلو سے نامزدگی بھی تھی اور ایک درجے میں یہ انتخاب بھی تھا آپ نے پہلی دو صورتوں کو جائز العمل سمجھا لیکن عملاً ایک تیسری صورت اختیار کی ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی تقلید ضروری نہیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔

ان استخلف فان ابابکر قد استخلف وان لم استخلف فان

رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يستخلف.

(صحیح بخاری جلد۲، ص۲ ۱۰۷ صحیح مسلم جلد۲، ص۱۲۰)

ترجمہ: اگر میں کسی کو خلیفہ بنا جاؤں تو مجھے حق پہنچتا ہے کیوں کہ حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ نامزد کیا تھا اور اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو مجھے اس کا بھی حق پہنچتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امور سلطنت میں کسی کو جانشین نامزد نہ کیا تھا۔

حضرت عمرؓ کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے حضورؐ کے عدم استخلاف کو سنت قائمہ نہیں سمجھا محض ایک سنت کے درجہ میں لیا ہے اس صورت میں کسی دوسرے عمل کی بھی پوری گنجائش ہے اور وہ عمل حضرت ابوبکرؓ نے اختیار کیا یہ حضرات دین اور مقام سنت کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے اس صورت حال میں یہ پراپیگنڈا کہ دیکھو اہل فقہ کس طرح ظاہر حدیث کے خلاف چلے ہیں انہی لوگوں کا کام ہے جن کو علم سے بہت کم واسطہ پڑا ہو۔

پہلی اور تیسری صورت میں فرق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر آخرت کے وقت مسلمانوں میں اکثریت صحابہؓ کی تھی کسی غیر صحابی کو خلیفہ نہ چن سکتے تھے اور آپ کو بھی یقین تھا کہ اللہ رب العزت اور امت مسلمہ حضرت ابوبکرؓ کے سوا کسی اور کو آگے نہ کریں گے لیکن حضرت عمرؓ کے سفر آخرت کے وقت مسلمانوں میں اکثریت غیر صحابہؓ کی تھی اگر آپ حضورؐ کے طریقے پر بات امت میں کھلی چھوڑ جاتے تو اصولاً کوئی غیر صحابی بھی قیادت میں آگے آسکتا تھا آپ کی عام پالیسی تھی کہ صحابہؓ کے ہوتے ہوئے کسی غیر صحابی کو آگے نہ آنے دیا جائے۔ آپ نے اس مصلحت کے لیے چھ صحابہ نامزد کر دیئے جو آخر میں دو رہ گئے اس میں یہ امر بھی ذہنی طور پر طے پا گیا کہ جو بھی چنا جائے دوسرا اس کے بعد بہرحال اولی بالخلافۃ رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کا انتخاب اچانک ہوا تو کسی نے ان کی اہلیت خلافت پر کوئی سوال نہ اٹھایا کیونکہ یہ بات اس سے بہت پہلے طے ہو چکی تھی۔

دوسری اور تیسری صورت میں فرق

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کیا۔ یہ اسلام میں دوسری صورت عمل

تھی۔ حضرت عمرؓ نے چھ آدمی نامزد کیے یہ اسلام میں عقد خلافت کی تیسری صورت تھی دوسری صورت اور اس تیسری صورت فرق کیا ہے؟ حضرت عمرؓ کی افضلیت باقی تمام صحابہؓ پر قطعی تھی اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں نامزد کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کیا جنگ احد میں مخالف صفوں میں جب یہ خبر چل نکلی کہ حضورؐ شہید ہو گئے ہیں تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو نام لے کر للکارا تھا جب وہ سمجھے کہ ابوبکرؓ بھی مارے جا چکے ہیں تو انہوں نے حضرت عمرؓ کا نام لے کر انہیں للکارا تھا اس وقت ہر کہ ومہ اپنے پرائے کو پتہ تھا کہ مسلم قیادت میں کون سے صحابہؓ آگے آئیں گے سو حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا درجہ قطعی تھا سو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بلا کسی تامل کے آپ کو نامزد کر دیا حضرت عثمانؓ نے آپ کی یہ وصیت قلم بند کی تھی۔

یہ تین مجتہدوں کا اجتہاد آپ کے سامنے ہے مجتہد کی نظر حکم کے سبب اور حدیث کی علت پر ہوتی ہے۔ وہ کئی دفعہ بظاہر حدیث چھوڑتا نظر آتا ہے مگر وہ حدیث چھوڑ نہیں رہا ہوتا اس کی علت پر نظر کیے وہ کوئی دوسری صورت عمل تجویز کرتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیے کہ یہ حضرات حدیث کے خلاف چلے اور یہ کہ ان کا حدیث پر عمل نہ تھا۔

چوتھے خلیفہ کی علت حکم پر نظر

پیچھے آپ یہ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک شخص کے بارے میں جو ایک لونڈی ام ولد کے ساتھ متہم تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں علت حکم پر نظر کی اور آپ کے ظاہر حکم کے خلاف کیا حضورؐ اصل صورت حال معلوم ہونے پر خوش ہوئے اور حضرت علیؓ کو خلاف حدیث کرنے پر ملامت نہ کی حضورؐ کا حکم اسے قتل کرنے کا تھا جب حضرت علیؓ اس کے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں:۔

فاذا ھو فی رکی یتبرد فیھا فقال لہ علی اخرج فناولہ یدہ فاخرجہ فاذا ھو مجبوب لیس لہ ذکر.

(صحیح مسلم جلد ۲، ص ۳۶۸ کتاب التوبہ)

ترجمہ: کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک کنویں میں ٹھنڈک لے رہا ہے آپ نے اسے اپنا ہاتھ دیا اور اسے وہاں سے نکالا آپ نے دیکھا وہ مرد

نہیں وہ آلہ تناسل نہیں رکھتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے اس عمل کو پسند فرمایا اور فرمایا جو سامنے والا دیکھ سکتا ہے وہ دور والا کیسے دیکھ پائے اس میں آپ نے حضرت علیؓ کو اس صورت حال کا شاہد اور اپنے آپ کو اس صورت عمل سے غائب کہا ہے الشاھد یری مالا یر اہ الغائب.

(رواہ احمد واسنادہ رجال ثقات البدایہ جلد۵، ص۳۰۴)

حضرت علیؓ کا یہ اجتہاد بظاہر نص کے مقابلہ میں تھا لیکن مجتہد کی نظر ہمیشہ علت حکم، سبب اور حالت پر ہوتی ہے۔

خلفائے راشدینؓ کے اجتہاد کی یہ مختلف صورتیں آپ کے سامنے ہیں اور چاروں عمل بظاہر حدیث کے مقابل ہیں اس صورت حال میں وہی بات کہنی پڑے گی جو امام ترمذی نے کہی ہے کہ فقہاء ہی حدیث کے معانی کو بہتر جانتے ہیں۔

قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الحديث.

(جامع ترمذی ج۱، ص۱۱۸)

ترجمہ: فقہاء نے اسی طرح کہا ہے اور وہ حدیث کو بہتر طور پر جانتے ہیں۔

اجتہاد کا انکار سراسر جہالت ہے

اجتہاد کی بحث آپ کے سامنے آچکی ہے اس کے بالمقابل تسلیم وانقیاد اور عمل و نفاذ ہے جاہل کے سوا کوئی مجتہدین کی تقلید واتباع کا انکار نہ کر سکے گا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

اما القياس على الاصول والحكم للشئى بحكم نظيره فهذا مالا يختلف فيه احدمن السلف بل كل من روى عنه ذم القياس قدوجد له القياس الصحيح منصوصا لايدفع هذا الاجاهل اومتجاهل مخالف للسلف من الاحكام.

(جامع بیان العلم جلد۱، ص۷۷)

ترجمہ: کسی پیش آمدہ مسئلے کو کتاب وسنت کی اصل پر قیاس کرنا اور کسی چیز کا حکم اس جیسی چیز کے بیان کردہ حکم کے مطابق ٹھہرانا اس قیاس

سے سلف میں سے کسی کا اختلاف نہیں بلکہ جن سے قیاس کی مذمت
منقول ہے ان کے ہاں بھی قیاس صحیح منصوص ملتا ہے اس کا انکار
جاہل کے سوا دوسرا کوئی نہیں کرسکتا یا وہ شخص جو سلف صالحین کے
خلاف ہو اور اوپر سے جاہل بنا ہوا ہو۔

قیاس حدیث کا مقابل نہیں ہوسکتا

قیاس وہ برا ہے جو اثر کے مقابلے میں ہو یا وہ جو کسی اصل شرعی پر مبنی نہ ہو۔ امام ابوحنیفہؒ اس قسم کے قیاس کے سخت مخالف تھے امام محمدؒ اس بحث میں کہ نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے؟ آپ کی طرف سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

لو لا ماجاء من الاثار كان القياس على ماقال اهل المدينة ولكن لاقياس مع الاثر ولاينبغى الا ان ينقاد للاثار.

(الحجہ علی اہل المدینہ جلد۱، ص۲۰۴)

ترجمہ: اگر یہ آثار موجود نہ ہوتے تو قیاس اہل مدینہ کی تائید کرتا تھا لیکن اثر (حدیث) کے سامنے قیاس کوئی چیز نہیں اور اس کے سوا کوئی راہ نہیں کہ آثار کے آگے ہتھیار ڈال دیئے جائیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ احناف کے ہاں احادیث کو بمقابلہ قیاس بہت اہمیت دی جاتی تھی اور وہ حدیث کے ہوتے ہوئے کسی مسئلے میں قیاس کرنا جائز نہ سمجھتے تھے ہاں حدیث نہ ملے نہ کسی صحابی کا اثر سامنے ہو تو مسئلہ پیش آمدہ کو کسی اصل شرعی پر قیاس کرکے رائے قائم کرنا اسے وہ ہرگز معیوب نہ سمجھتے تھے قاضی شوکانیؒ بھی لکھتے ہیں:۔

فالعمل بالرائ فى مسائل الشرع ان كان لعدم وجود الدليل فى الكتاب والسنة فقد رخص فيه النبى صلى الله عليه وسلم. (القول المفید)

ترجمہ: سو مسائل شرع میں رائے پر عمل کرنا اگر اس لیے ہو کہ کتاب وسنت میں یہ موجود نہیں ملتی تو یہ رخصت ہے جس کی حضورؐ نے اجازت دی ہے۔

مجتہد کے قیاس کو دوسرے تسلیم کریں اور اس سے دلیل کی بحث میں نہ پڑیں کیونکہ اصل شرعی کی تلاش اور اس پر قیاس یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اشباہ وامثال کو سمجھنا آسان نہیں ہے دوسروں کو چاہیے کہ اعتماداً مجتہد کی بات مان لیں کہ وہ دلیل کے بغیر بات نہیں کہہ رہا اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کریں اسے تقلید کہتے ہیں۔ دین اسلام ہے تو سب کے لیے مگر اسے اس کی پوری گہرائی سے صرف عالم ہی سمجھ پاتے ہیں دوسروں کے لیے بس یہی راہ ہے کہ ان عالموں کی بات پر اعتماداً عمل کریں۔

قرآن کل بنی نوع انسان کے لیے ہدایت ہے

جب قرآن کل بنی نوع انسان کے لیے ہے تو جو لوگ عالم نہیں وہ کیا کریں اس کا آسان جواب یہ ہے کہ وہ کسی عالم کی پیروی کریں قرآن کریم کہتا ہے:۔

وتلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون

(پ ۲۱، العنکبوت: ۴۳)

ترجمہ: اور یہ امثال ہیں جس میں ہم تمام لوگوں کے لیے بیان کر رہے ہیں مگر انہیں نہیں سمجھ سکتے مگر عالم ہی۔

اور نہ جاننے والوں کے لیے کہہ دیا۔

واتبع سبیل من اناب الیّ (پ۲۱، لقمان ۱۵)

ترجمہ: اور پیروی کر اس کی جو میری طرف رجوع لایا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر کسی نے کسی مجتہد کے استنباط پر عمل اختیار کر رکھا ہو اور اسے اس کے مقابل حدیث صحیح مل جائے اور اس کے معارض کوئی دوسری حدیث یا صحابی کا کوئی اثر نہ ہو تو وہ اسے چھوڑ دے کیونکہ وہ مجتہد کی پیروی ایک مصلحتی درجے میں تھی یہ نہیں کہ اس پر ہمارے پاس کوئی آسمانی سند ہو۔ مقام فقہ مقام حدیث کے بعد ہے۔

دائرۃ الفقہ

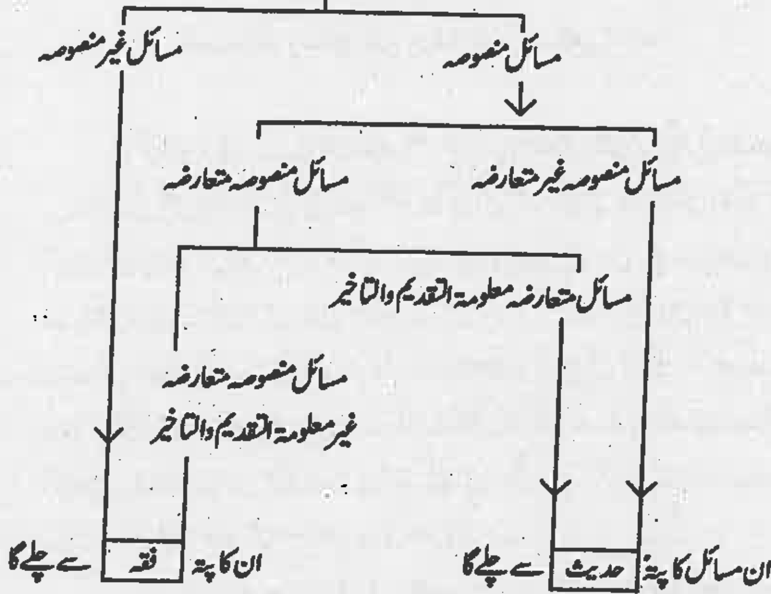
الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد!

قرآن کریم نے بے شک تدبر وتفکر اور اپنے مضامین میں غور وفکر کی دعوت دی ہے استنباط کی بھی حوصلہ افزائی کی ہے آنخضرت کی بھی تعلیم رہی کہ حدیث میں فقہ کی تلاش کرو قرآن وسنت میں فقہ ودانش اور علم ومعرفت پوری طرح لپٹی ہوتی ہے بایں ہمہ محدثین اور حاملین روایت بیشتر صرف حامل فقہ ہوتے ہیں فقیہ نہیں ہوتے۔ فقیہ وہی ہوگا جو کتاب وسنت میں اصول پا کر نئے پیش آمدہ مسائل کو ان اصولوں میں تلاش کر سکے۔ آنخضرت نے فرمایا کہ کئی حامل فقہ (حدیث بیان کرنے والے) اہل فقہ نہیں ہوتے یہ اہلحدیث سے ایک اگلا مرتبہ ہے اور اس میں جو منتہی ہو اسے مجتہد کہتے ہیں باقی سب لوگوں کے لیے اب راہ یہ ہے کہ مسائل غیر منصوصہ میں ان حضرات کی اتباع کریں۔

یار رکھیئے رب حامل فقہ غیر فقیہ کہنے سے حاملین روایت کی کوئی منقصت نہیں ہوتی لیکن فقہ کی شان ضرور دوبالا ہو جاتی ہے کہ اصل دین شناس فقہاء ہی ہیں۔

اسلام میں مسائل کتنے قسم کے ہوتے ہیں؟

فقہ کی حدود کہاں تک ہیں؟ اس کے لیے پہلے یہ جاننا ضروری ہوگا کہ اسلام میں مسائل کتنی قسم کے ہیں کیا سب مسائل منصوص ہیں؟ یا مسائل غیر منصوصہ بھی ہیں یہ صحیح ہے کہ مسائل غیر منصوصہ میں فقہ واجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی مسائل منصوصہ میں بھی اگر کہیں باہمی تعارض ہو اور اس میں ناسخ ومنسوخ کا بھی پتہ نہ چلے تو ان میں اجتہاد کے ذریعے راجح اور مرجوح کا پتہ کرنا پڑتا ہے سو یہاں جو بات بھی اختیار کی جائے وہ بھی ایک فقہ ہوگی اسے ہم نقشہ ذیل میں واضح کرتے ہیں۔



اس نقشہ سے فقہ کا دائرہ عمل آپ کے سامنے واضح ہو کر آ جاتا ہے حدیث جہاں آپ کے سامنے واضح اور غیر متعارض صورت میں موجود ہو وہاں وہ کافی ہے فقہ کی ضرورت نہیں۔ اور جہاں احادیث و آثار آپس میں مختلف فیہ ہوں وہاں فقہ کی ضرورت پڑے گی جو تمام روایات کو اپنے اپنے درجہ میں رکھ کر راہ عمل بتائے گی جو لوگ اس درجے کتاب وسنت پر عبور رکھتے ہوں وہ مجتہد ہوتے ہیں دوسرے ان کے تابع چلیں گے۔ سو فقہ کا دائرہ مسائل غیر منصوصہ کے گرد ہی نہیں مسائل منصوصہ جو بظاہر متعارض ہوں اور ان میں تقدیم و تاخیر بھی جلی طور پر معلوم نہ ہو ان میں بھی جو علماء مجتہد نہیں وہ مجتہد کے سایہ میں چلیں گے جو مجتہد نہ ہوں انہیں خود مختار ہونے کی اجازت نہ دی جائے گی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علماء کے بھی مختلف درجے ہیں ایک وہ جو مجتہد درجے کے ہوں اور دوسرے وہ جو اس درجے کے نہ ہوں؟ اس کا جواب ہاں میں ہے۔

قرآن کریم کی شہادت لیجیے

یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت واللہ بما تعملون خبیر (پ۲۸، المجادلہ:۱۱)

ترجمہ: اللہ بلند کرتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ان کو جو علم دیئے گئے درجات میں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہل علم کے مختلف درجات ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ایمان میں قوت اور علمی رفعت بخشتا ہے۔

حدیث سمجھنے کے لیے فقہ کی ضرورت:

محدثین کے ہاں فقہ والے حدیث کوزیادہ جاننے والے تسلیم کیے گئے ہیں۔ محدثین کیا اہل علم نہیں؟ یقیناً ہیں ان کی علمی شان سے کوئی انکار نہیں کرسکتا لیکن کتاب وسنت کی گہرائی میں فقہاء ان سے بھی آگے ہیں اور اس کا محدثین نے کھلا اقرار کیا ہے۔

حضرت امام احمدؒ کی شہادت:

خطیب بغدادیؒ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں ایک شخص حضرت امام احمدؒ کے پاس آیا اور ایک مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا:۔

سل عافاک اللہ غیرنا سل الفقھاء سل اباثور.

(بغدادی جلد ۶، ص۶۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تجھے حفاظت سے رکھے ہمارے سوا کسی اور سے پوچھ فقہاء سے پوچھ ابا ثور سے پوچھ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمدؒ باوجودیکہ بہت بڑے فقیہ تھے امام مجتہد تھے مگر چونکہ روایات کا غلبہ تھا اس لیے آپ مسائل میں دوسرے فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا بھی کبھی امر فرمادیتے تھے۔

حضرت امام بخاریؒ کی شہادت:

حضرت انسؓ کہتے ہیں بعض انصار نے اموال ہوازن کی تقسیم میں مہاجرین کو زیادہ حصہ ملنے کی شکایت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں پہنچیں تو آپ نے انہیں ایک جگہ جمع فرمایا اوران سے پوچھا:

فلما اجتمعوا جاء هم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ماكان حديث بلغني عنكم قال له فقهاء هم اماذو وارائنا فلم يقولواشياء واما اناس مناحد يثة اسنانهم فقالوا يغفرالله لرسول اللهﷺ يعطي قريشا ويترك الانصار وسيوفنا تقطرمن دمائهم فقال رسول الله اني اعطي رجالا حديث عهد هم بكفر. (صحیح بخاری جلد۱، ص۴۴۵)

ترجمہ: جب وہ سب جمع ہوئے تو حضورؐ ان کے پاس آئے اور کہا یہ مجھے تمہاری کیا بات پہنچی ہے ان کے فقہاء بولے حضورؐ ہم میں جواہل الرائے ہیں انہوں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی لیکن ہم میں جو نو عمر ہیں انہوں نے کوئی ایسی باتیں کہی ہیں حضورؐ نے فرمایا میں ان لوگوں کوزیادہ دیتاہوں جوابھی ابھی کفر سے نکلے ہیں۔ (تاکہ ان کی مدد ہوسکے)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ میں پختہ علم والے ثقہ لوگ اس وقت فقہاء کے طور پر معروف تھے اور بات اہل الحدیث کی نہیں فقہاء کی چلتی تھی۔

امام ترمذیؒ کی شہادت:

قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الحديث.

(جامع ترمذی جلد۱، ص۱۱۸)

ترجمہ: فقہاء نے یہی کہاہے اور وہ حدیث کے معانی کوزیادہ جاننے والے ہیں۔

امام ابوداؤدؒ کی شہادت:

حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو حدیثیں ایسی پہنچیں جو بظاہر متعارض ہوں تو اس مسئلے میں صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھا جائے گا آپ نے عامی کو اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ وہ جو حدیث پڑھ لے اس پر عمل کر لے۔ نہیں! آپ نے فرمایا اس باب میں صحابہؓ کے عمل کو دیکھا جائے گا تعارض کی صورت میں ان کے عمل کو دیکھنا ضروری ہوگا کیا یہ فقہ کی ضرورت نہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

قال ابو داؤد اذا تنازع الخبران عن النبی نظر الی ما عمل به اصحابه من بعده. (سنن ابی داؤد جلد۱، ص)

ترجمہ: جب دو حدیثیں (بظاہر) ٹکراتی ہوئی ہمیں حضورؐ سے پہنچیں تو پھر دیکھا جائے گا کہ صحابہؓ کا عمل ان میں سے کس پر تھا۔

امام طحاویؒ کی شہادت:

فلما تضادت الاثارفی ذلک وجب ان ننظر الی ما علیه عمل المسلمین الذین جرت علیه عادتها فیعمل علی ذلک ویکون نا سخالما خالفه. (شرح معانی الآثار جلد۱، ص۳۴۱)

ترجمہ: جب اس میں آثار و روایات ٹکراتی نظر آئیں تو ہم پر لازم ہے کہ مسلمانوں کے زندہ عمل کو دیکھیں جن سے ان کی سنت قائم ہوئی ہے۔ عمل اس پر قائم کیا جائیگا۔ اور جو روایات اس کے خلاف ہیں وہ منسوخ سمجھی جائیں گی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہ کا دائرہ صرف مسائل غیر منصوصہ تک منتہی نہیں مسائل منصوصہ میں بھی جہاں بظاہر تعارض نظر آئے آپ کو ایسے علماء کی رہنمائی درکار ہے جو علم میں درجہ رسوخ پا چکے ہوں تا کہ عوام ان مسائل میں ان پر اعتماد کریں۔

مسائل منصوصہ متعارضہ میں باریک فقہی راہیں

شریعت محمدی کی نصوص میں حقیقی تعارض کہیں نہیں اگر یہ الٰہی دین نہ ہوتا تو پھر بے شک اس میں بہت اختلاف نکلتا سو جہاں کہیں بظاہر تعارض نظر آتا ہے مجتہد اپنی عقابی نظر سے ان میں تطبیق کی راہ بھانپ لیتے ہیں یہ بھی نہ ہو تو ترجیح کی راہ اختیار کرتے ہیں راہ

صواب نہ بھی پاسکیں تو راہ ثواب پالیتے ہیں اور ایک اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔

ہم یہاں اس سلسلے میں صرف دو مثالیں پیش کرتے ہیں

حدیث اول: حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

لاصلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب۔ (صحیح بخاری جلد۱، ص۱۰۴)

ترجمہ: اس کی نماز نہ ہوئی جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔

امام بخاریؒ کے نزدیک حضرت عبادہؓ کی صرف اتنی روایت صحیح ہے اس کے بعد اس روایت کا جو حصہ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے امام بخاری کے ہاں وہ ان کے معیار کے مطابق صحیح درجے تک نہیں پہنچتا اسی لیے آپ نے اسے صحیح بخاری میں نہیں لیا۔ صرف اتنی حدیث روایت کی ہے جس میں مقتدی کے لیے کوئی واضح بات نہیں ہے۔

حدیث دوم: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

اذا قرأ فانصتوا۔ (صحیح مسلم جلد۱، ص۱۷۴، سنن نسائی جلد۱، ص۱۴۶ عن ابی ہریرہؓ)

ترجمہ: امام جب قرآن پڑھے تو تم چپ رہو۔

یہ دو حدیثیں بظاہر متعارض ہیں ان میں تطبیق کی راہیں کیا ہیں۔ اب ان پر ذرا توجہ کریں۔

۱۔ اگر صحیح بخاری کی روایت کو صرف عموم کے سہارے مقتدی پر بھی لایا جائے جیسا کہ امام بخاری نے گمان کیا ہے تو دوسری حدیث نماز باجماعت سے متعلق ہے اور پہلی حدیث باجماعت نماز کے بارے میں نہیں ہے یہ اس کے لیے ہے جو اکیلا ہو۔ امام بخاریؒ کے اساتذہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام سفیان بن عیینہؒ کی رائے یہی ہے کہ یہ حدیث اکیلے کے بارے میں ہے امام احمدؒ کی رائے امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے ان هذا اذا کان وحده (جامع ترمذی جلد۱، ص۴۲) اور سفیانؒ کی رائے امام ابوداؤدؒ نے نقل کی ہے هذا لمن یصلی وحده (سنن ابی داؤد جلد۱، ص۱۱۹)

۲۔ امام بخاریؒ کی رائے میں پہلی حدیث بطریق عموم نماز باجماعت کو بھی شامل ہے اس لیے دوسری حدیث اس سے متعارض نہ ہوگی اگر اسے سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھے جانے والے قرآن پر محمول کیا جائے کہ جب وہ حصہ پڑھا جارہا ہو تو تم چپ رہو اور امام کو سنتے رہو۔

ان دونوں فریقوں میں سے کسی کی کوشش اتباع نبوی سے گریز کی نہیں وہ بظاہر

متعارض روایتوں کو آپس میں تطبیق دے رہے ہیں یہ ان دونوں کی فقہ ہے عامی دونوں طرف کے ائمہ میں سے کسی کی پیروی کرلے راہ صواب نہ ہونے پر بھی وہ ایک اجر کا مستحق ہوگا اگر وہ کسی مجتہد کی پیروی سے ایسا نہ کرے اپنے کمزور علم سے کسی ایک جانب کو اختیار کرے تو اللہ کے ہاں اپنے عمل کا وہ خود ذمہ دار ہوگا غلط ہوگا تو اس پر اس کو گناہ ہوگا تقلید کی صورت میں اس کی پیروی کا بوجھ مجتہد پر ہوگا اور یہ علم کا وہ درجہ ہے جہاں غلطی بھی اجر پاتی ہے۔ ہمارے نزدیک ان دو بظاہر متعارض روایات میں وہ اصول سامنے رکھنا چاہیے جو امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں پیش کیا ہے۔

قال ابوداؤد اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ماعمل بہ اصحابہ من بعدہ

(سنن ابی داؤد، جلد۱، ص۱۰۴)

اس اصول کی روشنی میں آیئے حدیث لاصلوۃ لمن لم یقرأ بام القران کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا فیصلہ دیکھیں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں:۔

من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القران فلم یصل الاان یکون وراء الامام. (مؤطا امام مالک ص جامع ترمذی جلد۱، ص۴۲)

ترجمہ: جس نے ایک رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

یعنی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے جب اکیلے پڑھے پھر پڑھنی ضروری ہے نہ کہ امام کے پیچھے ہی ضروری ہے۔

اس حدیث کو حضرت امام مالکؒ نے اپنے موطا میں بھی نقل کیا ہے موطا امام مالک وہ کتاب ہے جسے امام شافعیؒ اصح الکتب بعد کتاب اللہ فرماتے ہیں۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ھذا حدیث حسن صحیح فرمایا ہے۔

حضورؐ کے دوسرے جلیل القدر صحابی حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں۔

لاقرأۃ مع الامام فی شی. (صحیح مسلم جلد۱، ص۲۱۵)

ترجمہ: امام کے ساتھ کسی حصہ قرأت میں کچھ نہیں پڑھنا۔

قرأت کے دو ہی حصے ہیں ۱۔ فاتحہ اور ۲۔ مازاد علی الفاتحہ۔ امام کے پیچھے تم نے

کچھ نہیں پڑھتا نہ فاتحہ میں نہ مازاد علی الفاتحہ میں۔

دوسری طرف حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں امام کے پیچھے بھی جی میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو اس قول ابوہریرہؓ میں پھر علماء کرام کا اختلاف ہوا کہ جی میں پڑھنے سے مراد قرأت لفظی ہے یا قرأت نفسی ایک طرف قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اس کے ساتھ آہستہ آہستہ قرأت لفظی کی اجازت نہیں لاتحرک به لسانک میں زبان کو حرکت دینے کی اجازت نہیں قرأت نفسی ہو تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

اس وقت طلبہ کے سامنے ہم اس مسئلے کا محاسبہ نہیں کر رہے بتلانا صرف یہ ہے کہ جن مسائل میں احادیث وروایات بظاہر متعارض ہوں اور ان میں پہلے دور میں ائمہ کا اختلاف بھی چل چکا ہو تو ایسے سب مسائل بھی فقہ کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔ اس دور میں لوگ جس امام کی چاہیں تطبیق اختیار کریں لیکن یہ درست نہیں کہ دوسرے مکتب فکر کے بارے میں کہا جائے کہ ان کی نماز نہیں ہوتی۔ صحابہؓ اور بڑے بڑے جبال علم کہہ رہے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہو جاتی ہے خود امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں:۔

اری من لم یقرا صلوته جائزة

ترجمہ: میری رائے یہ ہے کہ جس نے (امام کے پیچھے) سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اسکی نماز ہوگئی ہے۔

امام ترمذی اس کے آگے اپنی رائے لکھتے ہیں:۔

وشدد قوم من اهل العلم فی ترک قرأة الفاتحة وان کان خلف الامام. (ترمذی جلد ۱، ص ۴۲)

ترجمہ: اور بعض اہل علم نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے میں گو وہ امام کے پیچھے ہو شدت اختیار کی ہے

ہوسکتا ہے اس میں امام بخاری کی طرف اشارہ ہو۔

۲۔ رفع الیدین عندالرکوع کی متعارض روایتیں

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کیا میں تمہیں ویسی نماز نہ پڑھاؤں جیسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھایا کرتے تھے پھر آپ نے نماز پڑھائی اور ابتداء نماز کے بعد

پھر کہیں رفع یدین نہ کی۔

عن عبداللّٰہ قال الا اخبرکم بصلٰوۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد.

(سنن نسائی جلد ا، ص ۱۵۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے آپ نے کہا میں تمہیں بتاؤں حضورؐ کس طرح نماز پڑھتے تھے آپ اٹھے اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے پہلی مرتبہ رفع یدین کیا پھر نہ کیا۔

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں حضرت عبداللہ مبارکؒ بھی اس کے راوی ہیں اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلٰوۃ رفع یدیہ حذومنکبیہ واذا رفع رأسہ من الرکوع رفعھما کذلک. (مؤطا امام مالک ص ۲۷)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی اسی طرح رفع یدین کرتے۔

اب غور کیجیے پہلی روایت میں صرف ایک رفع یدین کا ذکر ہے اور روایت سنداً صحیح ہے دوسری میں دو رفع یدین کا ذکر ہے اور یہ روایت بھی سنداً صحیح ہے اس میں رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں امام مالکؒ پہلے اسے بھی (رکوع کے وقت رفع یدین کو) روایت کرتے رہے پھر آپ نے اسے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا اب آپ کی آخری روایت حضورؐ کے صرف دو دفعہ رفع یدین کی ہے۔

جب امام مالکؒ رکوع کے وقت رفع یدین کی روایت کو چھوڑ چکے تھے تو تعجب ہے کہ امام بخاریؒ نے پھر اسے امام مالکؒ کے نام سے کیوں روایت کیا امام مالکؒ کی اس روایت میں (رفع یدین کی روایت میں) مرکزی راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں آپ خود رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے آپ کے شاگرد خاص امام

المفسرین حضرت مجاہدؒ روایت کرتے ہیں۔

عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الافي التكبيرة الاولى من الصلوة. (طحاوی جلد ا، ص ۱۱۰)

ترجمہ: حضرت مجاہد سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نماز کی پہلی تکبیر کے علاوہ اور کسی تکبیر کے ساتھ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

امام بخاریؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رفع یدین کرنا بھی نقل کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رکوع سے اٹھتے وقت کبھی رفع یدین کر بھی لیتے تھے اور کبھی اس پہلے رفع یدین پر ہی اکتفا کرتے جس سے آپ نماز شروع کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دونوں طرح کی روایات منقول ہونے کو اس طرح تطبیق دی ہے۔

ان الجمع بين الروايتين ممكن وانه لم يكن يراه واجبا فعله تارة وتركه تارة. (فتح الباری جلد ۲، ص ۱۷۴)

ترجمہ: دونوں طرح کی روایات ممکن الجمع ہیں وہ اس طرح کہ آپ رفع یدین کو ضروری نہ سمجھتے تھے کبھی کر لیتے اور کبھی نہ کرتے۔

اب موطا امام مالکؒ کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت، سنن نسائی کی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے معارض نہ رہی اور مسئلہ طے پایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی رکوع کے وقت اور اس سے اٹھتے رفع یدین کرتے تھے اور کبھی نہ کرتے تھے اگر آپؐ بالالتزام یہ رفع یدین کرتے ہوتے تو کیا یہ ہو سکتا تھا کہ اس رفع یدین کے مرکزی راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کبھی رفع یدین کریں اور کبھی نہ کریں آپ کا اسے احیاناً ترک کرنا بتلاتا ہے کہ آخر تک یہ حضورؐ کی سنت نہ رہی تھی زیادہ سے زیادہ اسے مستحب کا درجہ دیا جا سکتا ہے سنت کا نہیں۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی اسے مستحب کے درجے میں رکھتے تھے آپ اس سے آگے نہیں گئے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

جیسا کہ ہمارا مذہب ہے رفع یدین ایک مستحب امر ہے جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ (اہل حدیث کا مذہب ص ۷۹ تالیف مولانا ثناء اللہ امرتسری)

تدوین فقہ

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

فقہ کی تاریخ فقہ کی تدوین سے پہلے کی ہے تدوین سے مراد یہ ہے کہ پہلے اصول فقہ طے ہوں پھر ان کے تحت انسانی زندگی کے مختلف دائروں میں پیش آنے والی ضرورتوں پر آسمانی تعلیمات ایک ترتیب سے مرتب کی جائیں اور جن امور میں یہ الٰہی ہدایت صریح طور پر نہیں ملتی شریعت میں ان کی نظائر ڈھونڈ کر ان میں ان کا فقہی حکم تلاش کیا جائے۔ کاروبار، لین دین اور حدود و تعزیزات کے مختلف پہلوؤں میں روح قرآن اور فقہ سنت کیا چاہتی ہے ان کی ضرورت سامنے آئے یا نہ ان کے احکامات ضرور دریافت کر لیے جائیں۔ اسلام کو ایک ضابطۂ حیات مانتے ہوئے اس کے جملہ احکام وہ کتاب و سنت میں منصوص ہوں یا نہ انہیں محسوس پیرایہ میں لاکر سامنے رکھ دیا جائے اسلام کے اس باب ضرورت میں بھی علم کی ضرورت ہے اس طرح کی موشگافیوں سے ذہن انسانی کھلتا ہے اور قوت اجتہاد ابھرتی ہے۔

فقہ کا آغاز تو عہد صحابہؓ سے ہو چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسائل غیر منصوصہ میں خود صحابہؓ کو اجتہاد کی راہ بتلا دی تھی اور صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حوادث احکام (نئے نئے پیش آنے والے مسائل) میں اسی راہ سے چلے اور اسی سے امت کی اپنے قانونی تقاضوں اور ضرورتوں میں عملی پیش رفت ہوتی رہی۔

صحابہ کرامؓ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کے بعد بڑے بڑے فقہاء یہ حضرات ہوئے اور آگے انہی کا سلسلہ چلا۔

۱۔ حضرت عثمان غنیؓ ۲۔ حضرت علی المرتضیٰؓ ۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

۴۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ۵۔ حضرت زید بن ثابتؓ ۶۔ حضرت ابوموسی الاشعریؓ
۷۔ حضرت ابی بن کعبؓ ۸۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ۹۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ
۱۰۔ حضرت ابوالدرداءؓ ۱۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ۱۲۔ حضرت امیر معاویہؓ

رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ

یہ حضرات کتاب وسنت کے پڑھنے پڑھانے میں تفقہ واستنباط اور استحسان سے کام لیتے تھے اسلامی عدالتیں قائم تھیں ان میں قاضی کتاب وسنت کی روشنی میں، خلفائے راشدین کے فیصلوں کی روشنی میں اور فقہاء صحابہؓ کی پیروی میں چلتے تھے۔ اسلام دنیا میں پہلی مرتبہ ایک باضابطہ قانون کی صورت میں سامنے آیا تھا اور یہ دنیا کے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔ اسلام میں علم کے ماخذ باتفاق صحابہؓ قرآن وسنت اکابر امت اور فقہ وقیاس قرار پائے۔

جمہور از صحابہ وتابعین وفقہاء ومتکلمین بآں رفتہ کہ قیاس اصلے از اصول شریعت است۔ (افادۃ الشیوخ ص۱۲۲، نواب صدیق حسن خاں)

سو اسلام کے علمی حلقوں میں لفظ قیاس سے استہزاء کسی صاحب علم سے تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اس دور میں اصل قوت علم کی تھی اور اسلام کا نفاذ دنیا میں علم کا ایک فطری پھیلاؤ تھا۔ سپاہ صحابہؓ حضرت ابوعبیدہ ہوں یا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، سیف اللہ خالد بن ولیدؓ ہوں یا فاتح مصر عمرو بن عاصؓ علم میں یہ سب حضرات فقہاء صحابہؓ کے ماتحت چلتے تھے اسلام کی حکومت ایک طور سے علم کی حکومت تھی جس سے ہر طرف حقائق کے چشمے پھوٹتے تھے۔

صحابہ کرامؓ میں حاملین فقہ (کم وبیش روایات کے حافظ) تو سب تھے لیکن اونچے درجے کے فقہاء ان میں چالیس پچاس سے زائد نہ ہوں گے صحابہؓ میں جو حضرات فتوے دیتے تھے ان کی تعداد حافظ ابن القیمؒ (۷۵۱ھ) نے ایک سو تیس (۱۳۰) سے کچھ اوپر بتلائی ہے۔ (اعلام الموقعین جلد۱، ص۹)

صحابہؓ کے بعد بڑے بڑے فقہاء اور ماہرین قانون دنیا میں ظاہر ہوئے اور قانونی سطح پر انہوں نے اسلام کی تفریعات Applications پر بہت عرق ریزی کی یہ قرآن و سنت کی جامعیت اور ان کے صائب اجتہادات تھے جنہوں نے پورے کرہ ارض کو اسلام

کے نور سے معمور کیا اور دنیا پہلی دفعہ ایک کامل اور مکمل الٰہی نظام حیات سے آشنا ہوئی اس دور کے بڑے بڑے فقہاء میں سے ہم صرف چالیس اکابر تابعین کا یہاں کچھ ذکر کرتے ہیں۔ اولئک آبائی فجئنی بمثلھم۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

۱۔ علقمہ بن قیس نخعی (۶۲ھ) کوفہ میں
۲۔ مسروق بن اجدع (۶۳ھ) کوفہ میں
۳۔ شریح بن حارث کندی (۷۸ھ) کوفہ میں
۴۔ عبدالرحمٰن بن غنم (۷۸ھ) شام میں
۵۔ ابوادریس خولانی (۸۰ھ) شام میں
۶۔ قبیصہ بن ذویب (۸۶ھ) شام میں
۷۔ ابوالعالیہ رفیع بن ہران (۹۰ھ) بصرہ میں
۸۔ ابوالشعثاء جابر بن زید (۹۳ھ) بصرہ میں
۹۔ امام زین العابدین (۹۴ھ) مدینہ میں
۱۰۔ سعید بن المسیّب (۹۴ھ) مدینہ میں
۱۱۔ ابوسلمہ (۹۴ھ)
۱۲۔ عروہ بن زبیر (۹۴ھ) مدینہ میں
۱۳۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن (۹۴ھ) مدینہ میں
۱۴۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن حارث مخزومی (۹۴ھ) مدینہ میں
۱۵۔ اسود بن یزید نخعی (۹۵ھ) کوفہ میں
۱۶۔ امام ابراہیم نخعی (۹۶ھ) کوفہ میں
۱۷۔ حسن المثنیٰ (۹۷ھ) مدینہ میں
۱۸۔ سعید بن جبیر (۹۸ھ) کوفہ میں
۱۹۔ خارجہ بن زید بن ثابت (۹۹ھ) مدینہ میں
۲۰۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۱ھ) شام میں
۲۱۔ امام مکحول (۱۰۱ھ) شام میں
۲۲۔ مجاہد بن جبیر (۱۰۳ھ) مکہ میں
۲۳۔ عامر بن شرحبیل الشعبی (۱۰۶ھ) کوفہ میں
۲۴۔ طاؤس بن کیسان (۱۰۶ھ) یمن میں
۲۵۔ ضحاک بن مزاحم (۱۰۶ھ) خراسان میں
۲۶۔ سالم بن عبداللہ (۱۰۶ھ) مدینہ میں
۲۷۔ قاسم بن محمد (۱۰۶ھ) مدینہ میں
۲۸۔ سلیمان بن یسار (۱۰۷ھ) مدینہ میں
۲۹۔ حضرت عکرمہ (۱۰۵ھ) مکہ میں
۳۰۔ امام حسن بصری (۱۱۰ھ) بصرہ میں
۳۱۔ محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) بصرہ میں
۳۲۔ حسن بن ابی الحسن الیسار (۱۱۰ھ) بصرہ میں
۳۳۔ عطاء بن ابی رباح (۱۱۵ھ) مکہ میں
۳۴۔ رجاء بن حیوۃ الکندی (۱۱۲ھ) شام میں
۳۵۔ وہب بن منبہ (۱۱۴ھ) یمن میں
۳۶۔ امام محمد باقر (۱۱۴ھ) مدینہ میں
۳۷۔ میمون بن مہران (۱۱۶ھ) الجزیرہ میں
۳۸۔ حماد بن ابی سلیمان (۱۲۰ھ) کوفہ میں

۳۹۔ یزید بن ابی حبیب (۱۲۸ھ) مصر میں ۴۰۔ یحیٰی بن ابی کثیر (۱۲۹ھ) یمن میں

رحمهم الله تعالى ونفعنا بعلومهم اجمعين.

ان کے علاوہ کوفہ کے عبیدہ بن عمرو سلمانی المرادی (۹۲ھ) مدینہ کے عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (۹۸ھ) اور امام نافع (۱۱۷ھ) امام حرم کعبہ عمرو بن دینار (۱۲۶ھ) اور مکہ کے ابوالزبیر مسلم بن مسلم (۱۲۷ھ) عبداللہ بن ذکوان ابوالزناد (۱۳۱ھ) مدینہ میں اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن (۱۳۶ھ) مدینہ کے مشہور مفتیوں میں سے تھے۔

ایک لائق توجہ بات

اسلام کی علمی تاریخ کے دوسرے دور کے یہ جبال علم ہیں جن سے بقعہ قلمرو اسلامی معمور ہوا۔ ان میں غور سے دیکھا جائے تو زیادہ حضرات موالی (آزاد کردہ غلاموں) میں سے ملیں گے تاریخ اسلام کا یہ علمی دور ہے جس میں عربوں سے بڑھ کر ان کے موالی حضرات حوزہ اسلام کا علمی پہرہ دیئے رہے ہیں۔

مدینہ کے سلیمان بن یسار (۱۰۷ھ) ام المومنین حضرت میمونہؓ کے مولیٰ تھے، حسن بن ابی الحسن الیسار (۱۱۰ھ) حضرت زید بن ثابتؓ کے مولیٰ تھے، حضرت امام محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) حضرت انس بن مالکؓ کے مولیٰ تھے، عکرمہ (۱۰۷ھ) حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ تھے، ابوالزبیر مسلم بن مسلم (۱۲۷ھ) حضرت حکیم بن حزامؓ کے مولیٰ تھے، امام مکحول (۱۰۱ھ) بنوہذیل کے مولیٰ تھے، یزید بن ابی الحبیب (۱۲۸ھ) بنوازد کے مولیٰ تھے، عطاء بن ابی رباح (۱۱۲ھ) قریش کے مولیٰ تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی علمی تاریخ میں کبھی قبیلہ یا خاندان پر نظر نہیں رکھی گئی علم کسی ایک خاندان کا رہین احسان نہیں رہا۔

اس دور کے مختلف مراکز علم میں صرف کوفہ کی مسند علمی تھی جہاں حضرت ابراہیم نخعیؒ خالص عرب مرکز علم تھے اور درس وافتاء کا مرجع تھے۔ پوری قلمرو اسلامی میں آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علمی جانشین مانے گئے ہیں۔ صحیح بخاری امام ابراہیم نخعی اور حضرت حسن بصری کے اقوال فقہ سے بھری ہوئی ہے۔

ہم نے یہاں اسلام کے اس دور کے بڑے بڑے ائمہ فقہ وحدیث آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ ان جبالِ علم میں قاضی بھی ہوئے اور مفتی بھی، مدرس بھی اور رواتِ حدیث بھی ان حضرات نے عدالتیں بھی قائم کیں بڑے بڑے مقدمے بھی سنے اور اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ کیا۔ ان اکابر میں ہر ایک فقہ اسلامی کا ماہر تھا عدالتوں میں اسلام کے ایک ایک پہلو پر بحثیں ہوتیں جو مسائل منصوص نہ تھے وہ نکلتے جاتے اور حل ہوتے جاتے اور ان پر اور جزئیات مرتب ہوتی جاتیں۔ تاہم فقہ کے اصول ابھی تک مدون نہ ہو پائے تھے وہ اس وقت کے قاضیوں کے ذہن میں تو موجود ہوتے تھے اور وہ بے شک ان کی ہی روشنی میں چلتے تھے لیکن ابھی تک اصول فقہ فن کے طور پر مرتب نہ ہو پائے تھے۔

اسلام کے اس صدی سوا صدی کے تجربات وقت کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور روز کے نئے نئے بدلتے حالات اور واقعات اور اسلامی عدالتوں کے مقدموں کے فیصلہ جات نے قانونِ اسلامی کو اتنا نکھار دیا تھا کہ اب ان کی روشنی میں اسلام کے جملہ دوائر زندگی کی مرتب قانون سازی ہوسکتی تھی۔

ان دنوں خیر غالب تھا علم کی پیاس تھی اور عمل کا جوش تھا کتاب وسنت کی سٹیم ان فقہاء کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی اور اس سے اسلامی قوانین کی گاڑی چل رہی ہے یہ ٹھیک ہے کہ کچھ لوگ اس گاڑی سے اتر کر اجماع کو توڑتے بھی رہے تاہم اہل حق ہمیشہ آگے چلتے رہے اور وقت آگیا کہ اب فقہ اسلامی کی باقاعدہ تدوین کی جائے یہ وہ وقت تھا کہ رومن لاء **Roman Law** عالمی سطح پر دم توڑ رہا تھا قیصرو کسریٰ اپنی شوکت کھو چکے تھے مصر کی ثقافت باقی نہ رہی تھی اسلام کا جھنڈا نصف دنیا پر لہرا رہا تھا اور عالمی سطح پر قانون اسلام کی باقاعدہ تدوین کی ضرورت تھی۔

جس طرح قرآن پہلے سے موجود تھا مگر اس کی یکجا صورت بعد میں سامنے آئی حدیث پہلے سے موجود تھی مگر اس کی فنی تدوین بعد میں ہوئی فقہ اسلام بھی پہلے سے موجود تھی ہزاروں اسلامی عدالتی فیصلے اس کے تحت ہو چکے تھے مختلف اہم موضوعات پر خلفائے راشدینؓ کے فیصلے موجود تھے لیکن قانون اسلام ابھی باضابطہ طور پر مدون نہ ہوا تھا اس کے لیے پہلے اصول فقہ طے کرنے ضروری تھے جن پر آگے فقہ مرتب کی جاسکے۔

امام ابوحنیفہؒ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس طرف توجہ کی اور فقہ اسلامی کو مدون کرنے کے لیے علماء کا ایک بورڈ بٹھایا جس میں حفاظ حدیث ادب وعربیت کے امام قیاس واستنباط کے ماہرین قرآن کریم کے موارد نزول اور ناسخ ومنسوخ کو سمجھنے والے بڑے بڑے اساتذہ فن موجود تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کی قیادت میں یہ بورڈ کافی عرصہ تک کام کرتا رہا یہاں تک کہ فقہ کی تدوین ہوئی۔ امام محمدؒ (۱۸۹ھ) نے ظاہر الروایات ترتیب دیں آج فقہ حنفی کا مدار انہی کتابوں پر ہے اس بورڈ میں حفص بن غیاثؒ، امام ابو یوسفؒ اور یحیٰی بن ابی زائدہؒ جیسے کثیر الحدیث عالم بھی تھے قاسم بن معن اور امام محمد بن حسنؒ جیسے ادب وعربیت کے امام بھی تھے امام زفر جیسے قیاس واستحسان کے بادشاہ بھی تھے داؤد طائیؒ جیسے علم وتقویٰ کے پہاڑ بھی تھے اور علماء کا ایک جم غفیر تھا جو اس عامی محنت میں ایک ساتھ چل رہا تھا اور یہ سب حضرات اپنے وقت کی معروف شخصیتیں تھے لکھنے کا کام یحییٰ کے سپرد تھا علامہ شبلیؒ کے خیال میں تقریباً تیس برس یہ کام ہوتا رہا امام صاحبؒ فیصلہ کرنے میں عافیہ بن یزید (۱۸۰ھ) کے منتظر رہتے فرماتے جب تک وہ نہ آئیں فیصلہ نہ کیا جائے علامہ خطیب بغدادیؒ اسحٰق بن ابراہیمؒ سے روایات کرتے ہیں۔

> قال ابوحنیفه لاترفعوالمسئلة حتی یحضرعافیه فاذا حضر عافیه فان وافقهم قال ابوحنیفه اثبتو هافان لم یوافقهم قال ابوحنیفة لاتثبتوها. (تاریخ بغداد جلد۱، ص۱۰۸)
>
> ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کہتے جب تک عافیہؒ نہ آئیں اس مسئلے کو نہ اٹھایا جائے جب وہ آتے تو اگر ان کی ہاں ہوتی تو امام ابوحنیفہؒ وہ مسئلہ لکھاتے ورنہ فرماتے اسے نہ لکھو۔

اراکین مجلس تدوین فقہ

حضرت عبدالقادر قرشی علیہ الرحمۃ نے الجواہر المضیہ میں ان حضرات کی یہ فہرست دی ہے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مجلس تدوین کے مختلف اوقات کے اراکین تھے۔

۱۔ امام زفر (۱۵۸ھ) ۲۔ امام مالک بن معلول (۱۵۹ھ)

۳۔امام مالک بن نضیر طائی (۱۶۰ھ) ۴۔امام مندل بن علی (۱۶۸ھ)
۵۔امام نضر بن عبدالکریم (۱۶۹ھ) ۶۔امام عمرو بن میمون (۱۷۱ھ)
۷۔امام حبان بن علی (۱۷۲ھ) ۸۔امام ابوعصمہ (۱۷۳ھ)
۹۔امام زہیر بن معاویہ (۱۷۳ھ) ۱۰۔امام قاسم بن معن (۱۷۵ھ)
۱۱۔امام حماد بن ابی حنیفہ (۱۷۶ھ) ۱۲۔امام سیاج بن بسطام (۱۷۷ھ)
۱۳۔امام شریک بن عبداللہ (۱۷۸ھ) ۱۴۔امام عافیہ بن یزید (۱۸۰ھ)
۱۵۔امام عبداللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) ۱۶۔امام ابویوسف (۱۸۲ھ)
۱۷۔امام محمد بن نوح (۱۸۳ھ) ۱۸۔امام ہشیم بن بشیر (۱۸۳ھ)
۱۹۔امام یحییٰ بن زکریا (۱۸۴ھ) ۲۰۔امام فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ)
۲۱۔امام اسد بن عمر (۱۸۸ھ) ۲۲۔امام محمد بن حسن (۱۸۹ھ)
۲۳۔امام علی بن مسہر (۱۸۹ھ) ۲۴۔امام یوسف بن خالد (۱۸۹ھ)
۲۵۔امام عبداللہ بن ادریس (۱۹۲ھ) ۲۶۔امام فضل بن موسیٰ (۱۹۲ھ)
۲۷۔امام علی بن طبیان (۱۹۲ھ) ۲۸۔امام حفص بن غیاث (۱۹۴ھ)
۲۹۔امام وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) ۳۰۔امام ہشام بن یوسف (۱۹۷ھ)
۳۱۔امام یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ) ۳۲۔امام شعیب بن اسحٰق (۱۹۸ھ)
۳۳۔امام ابوحفص بن عبدالرحمٰن (۱۹۹ھ) ۳۴۔امام ابومطیع البلخی (۱۹۹ھ)
۳۵۔امام خالد بن سلیمان (۱۹۹ھ) ۳۶۔امام عبدالحمید (۲۰۳ھ)
۳۷۔امام حسن بن زیاد (۲۰۴ھ) ۳۸۔امام ابوعاصم بن النبیل (۲۱۲ھ)
۳۹۔امام حماد بن دلیل (۲۱۵ھ) ۴۰۔امام مکی بن ابراہیم (۲۱۵ھ)

رحمهم الله تعالى ونفعنا بعلومهم اجمعين

ان اراکین میں دس بارہ ایسے حضرات بھی تھے جو ہر اجلاس میں برابر شریک ہوتے اور ایسے بھی تھے جن سے متفرق مجالس میں تبادلہ خیالات اور تناظر آراء ہو جاتا تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس محنت سے جو فقہ مرتب ہوئی وہ شخصی فقہ نہیں بلکہ ایک شورائی فقہ ہے گو اس معین فقہ کی پیروی کو تقلید شخصی کا نام دیا جائے اور اسکی نسبت صدر مجلس کی طرف ہو۔

حضرت امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) نے بسند متصل اسد بن فراتؒ سے روایت کی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے جن میں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے ابو یوسفؒ، داؤدطائیؒ، زفرؒ، اسید بن عمرؒ، یوسف بن خالد تیمیؒ، یحییٰ بن زائدہؒ۔ امام طحاویؒ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحییٰ سے متعلق تھی اور وہ تقریباً بیس برس تک اس خدمت کو سرانجام دیتے رہے۔

(سیرۃ النعمان ص۱۶۴ از مولانا شبلی نعمانیؒ)

پہلے یہ لکھنے کا کام امام ابو یوسف کے سپرد تھا (موفق) پھر یہ ذمہ داری یحییٰ بن زائدہؒ کے سپرد ہوئی۔ حضرت امام محمدؒ حضرت امام صاحبؒ کی زندگی کے آخری سالوں میں آپ کی خدمت میں آئے تھے۔ علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں۔

طحاویؒ نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں ان کے سوا عافیہ، ازدیؒ، ابو علی عزیؒ، علی بن مسہرؒ، قاسم بن معن، حبان بن علیؒ اور مندل بن علیؒ بھی اس مجلس کے ممبر رہے ہیں۔ (سیرۃ النعمان ص۱۶۵)

علامہ زاہدالکوثری (۱۳۷ھ) نے فقه اهل العراق و حدیثهم میں الفہرست لمحمد بن اسحٰق کے حوالے سے لکھا ہے۔

والعلم برا وبحرا اوشرقا وغربا بعدا وقربا تدوینه رضی الله عنه. (فقہ اہل عراق وحدیثہم ص۵۷)

ترجمہ: علم اقلیم ارضی میں ہو یا سمندروں میں مشرق میں ہو یا مغرب میں دور ہو یا قریب۔ جہاں بھی پایا جائے گا یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ہی تدوین سے قائم ہے۔

صدر الائمہ علامہ موفقؒ (ھ) لکھتے ہیں:۔

فوضع ابوحنیفة رحمه الله مذهبه شوری بینهم لم یستبد فیه بنفسه دونهم اجتهاداً منه فی الدین ومبالغة فی النصیحة لله ورسوله و المومنین فکان یلقی مسئلة مسئلة ویسمع

ماعندهم ويقول ماعنده وينا ظرهم شهرااواكثر من ذلك حتى يستقراحدالاقوال فيها ثم يثبتها ابويوسف فى الاصول حتى اثبت الاصول كلها. (مناقب موفق جلد۲،ص۱۳۳)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے اپنا فقہی مذہب شورائی قرار دیا ہے اس میں دوسروں کو نظر انداز کر کے اپنی بات بزور لازم نہیں کی دین میں اجتہاد کرتے ہوئے اور اللہ اور اس کے رسول برحق اور مومنین سے خیر خواہی کرتے ہوئے آپ ایک ایک مسئلہ سامنے لاتے اوران کے دلائل سنتے اور اپنی بات بھی کہتے کبھی بحث مہینے بلکہ اس سے بھی زیادہ چلی جاتی یہاں تک کہ ایک فیصلے پر بات ٹھہر جاتی پھر امام ابویوسفؒ اسے اصول میں لکھتے یہاں تک کہ بیشتر اصول فقہ طے ہو گئے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مجلس تدوین فقہ میں وقت کے جلیل القدر حضرات موجود تھے جن میں مفسرین بھی تھے اور محدثین بھی فقیہ بھی تھے اور ادب وعربیت کے ماہرین بھی قیاس واجتہاد کے بادشاہ بھی اور زہد وتقویٰ کے امام بھی۔ امام وکیع بن الجراحؒ کتنی اچھی بات فرما گئے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے کام میں کس طرح غلطی باقی رہ سکتی ہے جبکہ آپ کے ساتھ اپنے وقت کے عظیم المرتبت لوگ تھے جو غلطی کی صورت میں صحیح بات کی طرف آپ کو واپس کرنے والے تھے۔

الغرض امام ابوحنیفہ کی اس تدوین سے جو فقہی ذخیرہ تیار ہوا وہ ایک بہت بڑا ذخیرہ علم تھا اور اس میں مجتہد درجے کے علماء کبار کی بیس سالہ محنت یکجا جمع تھی۔ یحیٰ بن آدم کہتے ہیں:۔

قضىٰ به الخلفاء والائمة والحكام واستقر عليه الامر.

(موفق جلد۲،ص۴۱)

ترجمہ: خلفاء ائمہ اور حکام سب اس مدون فقہ کے مطابق فیصلے دیتے رہے اور اس پر کام جم گیا۔

پھر اس علمی ذخیرے کی خداداد قبولیت ملاحظہ ہو کس طرح یہ فقہ اقصائے عالم میں

پہلی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

واهل الروم وماوراء النهر والهند حنفيون.

(تحصیل التعرف فی الفقہ والتصوف)

ترجمہ: اور اہل روم اور ماوراء النہر اور ہندوستان کے لوگ سب حنفی تھے۔

نواب صدیق حسن خاں مسالک الممالک کے حوالہ سے الواثق باللہ (۲۲۸ھ) کے عہد کی بات کہتے ہیں۔

محافظان سد سکندری کہ در آنجا بودند ہمہ دین اسلام داشتند و مذہب حنفی وزبان عربی و فارسی مے گفتند اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند۔

(ریاض المرتاض ص)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

در جمیع بلداں وجمیع اقالیم بادشاہاں حنفی اند وقضاۃ اکثر و مدرساں واکثر عوام حنفی

ترجمہ: تمام علاقوں اور ملکوں میں سربراہاں حکومت حنفی رہے ہیں قاضی اور اکثر مدرسین اور اکثر عوام اسی مذہب پر چلے آئے ہیں۔

(کلمات طیبات حضرت شاہ صاحب مکتوب المطبع مراد آباد ۱۳۰۸ھ)

یہ مجموعہ فقہ کتاب وسنت اور تجربہ وبصیرت اور انسانی ضرورت سے اس قدر ہم آہنگ تھا کہ معاصر محدثین وفقہاء میں سے کسی نے اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی صرف امام اوزاعی (۱۵۷ھ) نے اس مجموعہ کے کتاب السیر کا کچھ رد لکھا لیکن اسی وقت قاضی ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) نے اس کا پورا پورا جواب دے دیا تھا۔

امام فخر الدین رازیؒ نے امام شافعیؒ کے مناقب میں جو رسالہ لکھا ہے اس میں اس کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ان اصحاب الرای اظهروا مسائلهم وكانت الدنيا مملؤة من المحدثين ورواة الاخبار فلم يقدر احد منهم الطعن في اقاويل اصحاب الراى. (مناقب شافعی للرازی)

ترجمہ: مسائل میں رائے قائم کرنے کے اہل حضرات نے کتاب و سنت میں چھپے مسائل ظاہر کردیئے اس وقت دنیا محدثین اور رواۃ حدیث سے بھری ہوئی تھی مگران میں سے کسی کوان اصحاب الرای کے فیصلوں پر طعن کی ہمت نہ ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ حکومت حضرت امام صاحبؒ کے خلاف تھی اور وہ نہ چاہتی تھی کہ حضرت امام صاحبؒ کی اس عظیم کام میں زیادہ شہرت ہو تاہم آپ کا یہ فقہی مجموعہ مختلف فقہی ابواب کے طور پر علمی حلقوں میں خاصا معروف ہوا۔

علامہ شبلی لکھتے ہیں:

تعجب ہے کہ جن لوگوں کوامام صاحب سے ہمسری کا دعوی تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) نے بڑے لطائف الحیل سے اس کے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اس کو اکثر پیش نظر رکھتے تھے۔ یحییٰ بن زائدہؒ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیانؒ کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جس کا وہ مطالعہ کررہے تھے ان سے اجازت مانگ کر میں نے اس کودیکھا توابو حنیفہؒ کی کتاب الرہن نکلی میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہؒ کی کتابیں دیکھتے ہیں بولے کاش! ان کی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔ (عقود الجمان باب ۱۰، سیرت النعمان ص ۱۲۶)

رجال و تاریخ کی کتابوں میں اس طرح کے بہت سے حوالے ملتے ہیں کہ حضرت امام صاحبؒ کے عہد میں جو مجموعہ فقہ تیار ہوا تھا اس کے اجزاء متفرق طور پر کہاں کہاں پائے گئے لیکن یہ مجموعہ اس کے کچھ عرصہ بعد بالکل ناپید ہوگیا اب امام صاحبؒ کا وہ ذخیرہ آپ کے شاگردان رشید اوران کی کتابیں ہی تھیں۔

یہ صحیح ہے کہ یہ افتاد صرف اس مجموعہ فقہ پر ہی نہیں آئی امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) ابن جریج (۱۵۰ھ) سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) اور معمر بن راشدؒ (۱۵۳ھ) کی تالیفات بھی تو اس پہلے دور کی ہی ہیں ان کے نام رجال وتاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں لیکن آج کسی

قدیم سے قدیم کتب خانے میں بھی ان کا کوئی پتہ نہیں ملتا ہوسکتا ہے کہ اس کے پیچھے حکمرانوں کی کچھ مصلحتیں کارفرما ہوں۔

ہمارے نزدیک اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت امامؒ چونکہ سیاسی طور پر عباسی حکومت کے حق میں نہ تھے اس لیے حکومت نہ چاہتی تھی کہ یہ علمی ذخیرہ حضرت امامؒ کے نام سے چلے امام ابویوسفؒ (۱۸۲ھ) نے عباسی خلیفہ کی چیف جسٹس کی پیش کش قبول کر لی تھی اس لیے اب سرکاری حلقے اس میں کوئی بوجھ محسوس نہ کرتے تھے کہ فقہ اسلامی امام ابویوسفؒ اور ان کے شاگرد امام محمد بن حسنؒ کی تالیف سے آگے بڑھے۔

علامہ شبلیؒ نے اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے:۔

> امام صاحبؒ کا مجموعی فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا لیکن قاضی ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے انہی مسائل کو اس توضیح وتفصیل سے لکھا اور ہر مسئلہ پر استدلال وبرہان کے ایسے حاشیے اضافہ کیے کہ انہی کو رواج عام ہوگیا اور اصل ماخذ سے لوگ بے پرواہ ہوتے گئے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ متاخرین نحویوں کی تصنیفات کے بعد فراء کسائی خلیل اخفش اور ابوعبیدہ کی کتابیں دنیا سے بالکل ناپید ہوگئیں حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اول تھے۔ (سیرۃ النعمان ص ۱۶۷)

حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) حضرت امام صاحب کے ساتھ بہت کم رہے اور وہ بھی اپنی علمی زندگی کے اوائل میں اتنے مختصر عرصہ میں آپ فقہ کی ان اتھاہ گہرائیوں میں جو آپ کی کتابوں میں ملتی ہیں جا پہنچے ہوں تجربات کی دنیا اسے تسلیم نہیں کرتی لازماً آپ کے پاس حضرت امام کا وہ مجموعہ فقہ تھا جسے آپ اپنے اور اپنے دوسرے استاد حضرت امام ابویوسفؒ کے علوم وافکار اور احادیث وآثار کی روشنی میں اور نکھارتے گئے اور فقہ اسلامی اس شان سے مرتب کی کہ کسی دوسرے متوازی مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی یہ تدوین فقہ کی دوسری منزل سمجھنی چاہیے۔

حق بحقدار رسید

حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے اپنی اس تدوین میں نوے فیصد مسائل حضرت امام صاحبؒ سے لیے ہیں اور دس فیصد مسائل میں حضرت امام کے استنباط سے اختلاف کیا اور جو اختلاف کیا اس کی بھی ایک سندان کے پاس حضرت امام سے موجود ہوتی تھی ہاں جو مسائل ان کے پاس حضرت امام سے نہ پہنچے ان میں یہ حضرات اور امام زفرؒ خود بھی مجتہد تھے لیکن انہوں نے اپنی اس تدوین میں مجتہد مطلق کی حیثیت سے کام نہیں کیا۔ مجتہد فی المذہب کے طور پر اجتہاد کرتے رہے اصول اجتہاد میں انہوں نے حضرت امام کے اصولوں کی پیروی کی ہے اور احادیث و آثار سے استنباط و استخراج میں یہ اپنے فیصلے بھی دیتے رہے ہیں، اور کہیں کہیں حضرت امامؒ سے اختلاف بھی کرتے رہے ہیں تاہم حضرت امامؒ سے ان کا اصول کا کوئی اختلاف نہ تھا اور ان کی محنتوں اور تصنیفات اور تدقیقات سے جو فقہ چلی اس نے فقہ حنفی کا ہی نام پایا اور ان مردان باوفا نے اپنے استاد کو ہی آگے رکھا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء حق بحقدار رسید۔

اس فقہ کے ہیرو اب تک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی سمجھے گئے ہیں اور انہی کے نام سے یہ فقہی مسلک قائم ہے عباسیوں کی ایک نہ چلی اور یہ فقہ فقہ حنفی ہی رہی۔

تدوین فقہ کی تیسری منزل

فقہ حنفی کی تدوین کی پہلی منزل وہ تھی جس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے مذکورہ مجموعہ فقہ مرتب کرایا تھا اس میں حضرت امامؒ سب حاضر ارکان شوریٰ سے کوئی ایک مسئلہ اور اس کے دلائل سنتے اور سب کو سننے کے بعد اس مسئلے پر ایک جامع تقریر فرماتے اور فیصلہ لکھوا دیتے جسے امام یحییٰؒ لکھتے رہے اور سلسلہ تدوین اس طرح مسئلہ بہ مسئلہ آگے بڑھتا رہا۔ تدوین فقہ کی دوسری منزل میں امام ابویوسفؒ، امام زفر اور امام محمد بن حسنؒ نے مجتہد فی المذہب کے طور پر فقہ میں کام کیا جس میں اصول میں سب حضرات حضرت امام صاحبؒ کے ساتھ رہے اور استنباط و استخراج میں برابر کے مجتہد کے طور پر انہوں نے کام کیا۔ تدوین فقہ کی تیسری منزل میں مجتہد فی المسائل آگے آئے جیسے امام طحاویؒ اور سرخسیؒ وغیرہما یہ مجتہدین اپنے ائمہ کے اصول و فروع دونوں میں پابند رہے ائمہ کے اختلاف کی صورت میں یہ کسی قول

پر فتویٰ دے سکتے تھے اور جن مسائل میں انہیں اپنے ائمہ سے استنباط واستخراج نہ ملے یہ حضرات ان میں اپنے اصولوں کی روشنی میں اس ضرورت کے موقع پر خود بھی اجتہاد کرتے رہے۔ یہ تدوین فقہ کی تیسری منزل تھی آگے تین منزلیں اور وجود میں آئیں۔ یہ کل چھ منزلیں ہوئیں۔

تدوین فقہ کی چھ منزلیں

۱۔ مجتہدین فی الشرع ۲۔ مجتہدین فی المذہب اور ۳۔ مجتہدین فی المسائل کے بعد ۴۔ اصحاب التخریج ۵۔ اصحاب الترجیح اور ۶۔ اصحاب التمیز کا درجہ ہے۔

اصحاب التخریج نے اپنے اصولوں کی روشنی میں جو مسائل غیر منصوصہ طے کیے اور ان پر آگے جو مسائل مرتب ہوئے ان میں پہلے اجتہاد کی ہی روح کارفرما تھی اس لیے وہ مسائل پہلے مجتہدین کے ہی سمجھے جاتے ہیں اس استنباط کا نام تخریج ہے اصحاب التخریج نے ہزار ہا جزئیات کی تخریج کی ہے امام کرخیؒ (۳۴۰ھ) وغیرہ اصحاب تخریج میں سے ہیں۔

تخریج میں اختلاف پیدا ہو تو آگے اصحاب ترجیح کھڑے ہیں علامہ قدوریؒ (۴۲۸ھ) قاضی خانؒ (۵۹۲ھ) اور علامہ برہان الدین المرغینانی صاحب ہدایہ (۵۹۳ھ) اصحاب الترجیح میں سے ہیں۔ ان کے بعد اصحاب التمیز ہیں جو درست اور نادرست میں فیصلہ دینے کے مجاز رہے ہیں یہ حضرات مختلف اقوال میں قوی وضعیف کا فیصلہ کر سکتے ہیں اور کسی ایک بات کو مفتی بہ ٹھہراتے ہیں۔ علامہ نسفیؒ صاحب کنز (۷۰۰ھ) اور علامہ علاؤ الدینؒ صاحب در مختار (۱۰۸۸ھ) اصحاب تمیز میں سے ہیں۔

تدوین فقہ میں احتیاط

فقہ حنفی کی تدوین کے اس پس منظر پر غور کریں اور دیکھیں کہ یہ حضرات مسائل غیر منصوصہ کی دریافت اور مسائل منصوصہ متعارضہ کے حل میں کس احتیاط سے چلے ہیں۔ ان سب طبقات میں یہ بات مسلمات میں سے رہی ہے کہ اصل ماخذ شریعت کتاب وسنت ہی ہیں اور اسلام میں فقہ کی راہیں کتاب وسنت کا ہی ایک پھیلاؤ ہیں اور دین جس طرح روایت سے آگے چلتا ہے اجتہاد سے بھی آگے بڑھتا ہے۔

پھر اصول فقہ پر مستقل کتابیں مرتب ہوئیں ان میں درسی کتابیں بھی ہیں۔ مدارس میں یہ سب کتابیں اصول فقہ کی ہوں یا فقہ کی کتاب وسنت کے خادم علوم کی حیثیت سے پڑھی

اور پڑھائی جاتی ہیں۔ انہیں پڑھے اور سمجھے بغیر غوامض سنت پر اطلاع پانا بہت مشکل ہے۔

تدوین فقہ کے مختلف مکاتب فکر

فقہ حنفی کی تدوین کے یہ مختلف مراحل آپ کے سامنے ہیں یہ سب ائمہ کرام امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) کے اصولوں پر چلے ہیں امام صاحبؒ کے متوازی جو حضرات مجتہد فی الشرع مانے گئے اور وہ مجتہد مطلق سمجھے جاتے ہیں۔ وہ امام مالکؒ (۱۷۹ھ) امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) امام اوزاعیؒ (۱۵۹ھ) امام شافعیؒ (۲۰۴) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) ہیں اور ان کی فقہ بھی اپنے اپنے حلقوں میں باقاعدہ مرتب ہوئی اور امت میں ان کے بھی کثیر تعداد مقلدین پائے گئے۔ پھر ان میں صرف چار مذاہب باقی رہ گئے ان چاروں فقہوں میں جوہری فرق یہ ہے کہ فقہ حنفی ایک شورائی فقہ ہے جیسا کہ علامہ موفق نے بھی لکھا ہے۔ (مقدمہ زیلعی از علامہ کوثری) اور دوسری تین فقہیں ان ائمہ کی شخصی فقہ ہیں امام اسحٰق بن راہویہ بھی صاحب مذہب درجہ کے امام تھے۔

امام مالکؒ کی فقہ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے قریب ہے دونوں کے اصول ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں دونوں اتصال سند پر زور نہیں دیتے مرسل روایات کو بھی قبول کر لیتے ہیں امام مالکؒ حدیث کی بجائے سنت سے تمسک کے قائل ہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ صحابہؓ کی بات کو حجت مانتے ہیں اور یہ عملاً حدیث کے بجائے اسلام کی سنت قائمہ سے تمسک ہے ہاں اختلاف اصول کے طور پر امام شافعیؒ زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آئے ہیں۔

مصر کے نامور عالم شیخ محمد خضری بک لکھتے ہیں:

> احکام کے اصول میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے اصول فقہ مدون فرمائے یہ وہ قواعد ہیں جن پر مجتہد احکام کے استنباط میں ان کا اتباع کرتا ہے اور حضرت امام ابو یوسف اور محمد بن حسن رحمہما اللہ کی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے ان اصول کے بارے میں کوئی کتاب لکھی تھی لیکن افسوس کہ ان کتابوں میں سے کوئی کتاب ہم کو دستیاب نہ ہوسکی لیکن جو کچھ ہم تک پہنچا اور جو اس علم کی صحیح بنیاد اور اس میں نظر کرنے والوں کے لیے دولت عظمیٰ ہے تو وہ رسالہ ہے

جس کو امام محمد بن ادریس الشافعی مکی مصریؒ نے لکھوایا ہے۔

(تاریخ فقہ اسلامی مترجم ص۲۹۰ طبع کراچی)

اس میں ان دس امور سے بحث کی گئی ہے۔

۱۔ قرآن اور اس کے بیان میں۔

۲۔ حدیث کے بارے میں اور اس کی جو نسبت قرآن سے ہے۔

۳۔ ناسخ و منسوخ کا بیان وہ قرآن سے متعلق ہو یا احادیث سے۔

۴۔ احادیث کی علتوں کا بیان

۵۔ خبر واحد کی حجیت اور اس کے احکام

۶۔ اسلام میں اجماع کا درجہ

۷۔ قیاس کی حجیت اور اس کا مقام

۸۔ اجتہاد اور اس کی اصولی حیثیت ۹۔ استحسان ۱۰۔ اختلاف

شیخ محمد خضریؒ قیاس کے بارے میں امام شافعیؒ کا نقطہ نظر ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

> انہوں نے قیاس کی حجیت بیان کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ وہ امور دین میں سے ہے اور اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہو اس میں وسعت ہے۔ پھر استحسان سے بحث کی ہے اور اس کے قائلین کی تردید کی ہے اور استحسان وہ ہے کہ حدیث و قیاس کے بغیر ہو اور یہ بھی بتایا ہے کہ کس کو قیاس کا حق ہے اور فرمایا کہ قیاس کی کئی وجوہ ہیں جس میں قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تھوڑا سا حرام بتلائیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا قلیل حرام ہوگا تو اس کا کثیر بھی حرام ہوگا کہ قلت پر کثرت کی زیادتی سے وہ زیادہ حرام ہوگا۔ (ایضاً ۲۹۵)

چوتھے امام حضرت احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد رشید اور حضرت امام بخاری کے استاد ہیں۔ آپ زیادہ مسائل میں امام شافعیؒ کے ہم خیال ہیں اور انہی کے اصولوں کے قریب ہیں لیکن آپ میں وہ شدت نہیں جو ہم حضرت امام شافعیؒ کے

مذکورہ بالا رسالہ میں محسوس کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ امام منفرد اور مقتدی تینوں کے لیے سورت فاتحہ پڑھنا فرض بتلاتے ہیں لیکن امام احمدؒ حدیث لاصلوۃ لمن یقرء بفاتحۃ الکتاب کو صرف امام اور منفرد کے لیے لازم کرتے ہیں مقتدی کے لیے نہیں۔ امام شافعیؒ قول صحابہؓ کو حجت نہیں مانتے امام احمد بن حنبلؒ اس مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں اور اقوال صحابہؓ کو حجت اور سند سمجھتے ہیں۔

اصول کے اس اختلاف کے باعث حضرت امام احمدؒ امام شافعیؒ کے جانشین نہ ہوئے اور آپ کی مسند شیخ یوسف بن یحییٰ البواطیؒ (۲۳۱ھ) اور اشہب بن قاسم نے سنبھالی۔

تدوین فقہ میں اصولوں کا زیادہ اختلاف امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ میں پایا جاتا ہے امام شافعیؒ نے حضرت امام کا دور نہیں پایا (۱۵۰ھ) حضرت امام ابوحنیفہؒ کا جو سال وفات ہے وہی حضرت امام شافعیؒ کا سال پیدائش ہے۔ امام شافعیؒ بیشک حضرت امام محمدؒ کے شاگرد تھے اور ان کے واسطہ سے وہ فقہ حنفی سے آشنا ہوئے تاہم ان کے اصول اپنے تھے جن کی اساس پر امت میں وہ مجتہد مطلق کے طور پر معروف ہوئے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ نے روایت حدیث خوب کی مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت شافعیؒ نے زیادہ وقت فقہ اور استنباط و استخراج پر لگایا حدیث روایت کرنے میں کم مشتغل رہے۔ تدوین فقہ کو زیادہ اہمیت دی جو حدیثیں ثقہ راویوں میں عام ہورہی تھیں اور ان کے کئی کئی طرق اہل علم میں شائع اور معروف تھے آپ ان پر وقت لگانے کے بجائے تدوین فقہ کے کام کو زیادہ اہم سمجھتے تھے۔ جو لوگ حدیث روایت کرنے میں زیادہ لگے رہے انہیں حدیث پر غور و فکر کرنے اور حدیث میں تفقہ پیدا کرنے کے لیے بہت کم وقت ملتا ہے اور روایت حدیث کی کثرت سے ان کی سوچ کی لطافت اور تفقہ کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے۔

حضرت امام سفیان بن عیینہؒ (۱۹۷ھ) فرماتے ہیں:۔

لم یعط احد بعد النبوۃ افضل من العلم والفقہ فی الدین۔

(شرح کتاب العلل وشفاء العلیل جلد ۱، ص ۱۰)

امام ابن وہبؒ اور امام شافعیؒ دونوں آپ کے شاگرد ہیں آپ کے بارے میں انکی رائے ملاحظہ ہو۔

قال ابن وهب مارایت احدا اعلم بکتاب الله من ابن عیینة

وقال الشافعی مارایت احدا من الناس فیه جزالة العلم مافی
ابن عیینة. (تہذیب جلد۴، ص۱۲۰)

آپ کو یہ جامعیت اس لیے ملی کہ آپ کو علم حدیث پر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے لگایا
تھا۔ (دیکھئے الجواہر المضیہ جلد۳، ص۱۰۳)

آپ نے عدالتوں میں بھی دیکھا ہوگا کہ اونچے درجے کے جج سوچ بچار فکر وغور
قانون اور قانون کے تقاضوں کے ادراک میں زیادہ وقت لگاتے ہیں اور دوسرے جج
صاحبان ان کی روح پر نظر کرتے ہیں کہ وہ کہاں تک مقدمہ زیر بحث سے تعلق رکھتی ہے اہل
روایت اور اہل الرائے میں یہ امتیاز عام رہا ہے آج بھی جو لوگ حوالوں اور جمع روایات میں
زیادہ لگے رہتے ہیں وہ بات سمجھنے میں زیادہ پیچھے رہ جاتے ہیں اور ایک فقیہ شیطان کو ہزار
عابدوں سے زیادہ برا لگتا ہے۔

آج کل کے عوام اہل حدیث میں باریک بینی اور دقت نظری کیوں کم ہوتی ہے؟
صرف اس لیے کہ وہ حدیثوں کے اردو ترجمے اٹھائے پھرتے ہیں اور اسی کو دین سمجھتے ہیں
اور ان میں بعض کے علم کا یہ حال ہوتا ہے کہ نماز کا ترجمہ تک نہیں جانتے۔ مشہور اہل حدیث
عالم مولانا محمد اسحٰق بھٹی عوام اہلحدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ہر جماعت کا ایک مزاج ہوتا ہے جماعت اہلحدیث کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ اس
سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے نزدیک عام واعظوں کی باتیں زیادہ مرغوب ہیں علمی
اور گہری باتیں ان کے لیے بسا اوقات پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں ان کے نزدیک شاید
الدین یسر کا مطلب یہ ہے کہ ایسی آسان بات کہی اور سنی جائے کہ ذہن وفکر کو سوچنے کی
تکلیف نہ برداشت کرنی پڑے۔ (......سبحانی اکیڈمی اردو بازار طبع دوم ۱۹۹۲ء)

اس سے امام احمدؒ کے اس ارشاد کی تائید ہوتی ہے کہ روایت میں زیادہ مشتغل
رہنے والوں میں فقہ کی استعداد کم رہ جاتی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے تدوین فقہ کی اس عظیم مہم کی خاطر حدیث کم روایت کی
لیکن جہاں تک ان کے اپنے علم حدیث کا تعلق ہے ان کی نظر کم از کم پانچ لاکھ احادیث پر تھی
آپ نے اپنے بیٹے کے نام جو الوصیۃ لکھی اس کے آخری حصے میں اس کی شہادت موجود
ہے آپ ثقات کے سوا کسی کی روایت قبول نہ کرتے تھے البتہ قیاس کے مقابلے میں ضعیف

حدیث کو ترجیح دیتے تھے۔

مشکوۃ حدیث کی کتاب ہے جو ایک شافعی المذہب محدث خطیب تبریزیؒ (۷۴۳ھ) کی جمع کردہ ہے خطیب نے الاکمال کے نام سے اس کے رجال پر بھی ایک کتاب لکھی ہے باوجودیکہ مشکوۃ میں ایک روایت بھی امام ابوحنیفہؒ کے حوالے سے نہیں دی لیکن خطیب علم حدیث میں حضرت امام کی عبقریت ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔

انه کان عالما عاملا ورعا زاهدا عابدا اماما فی علوم الشریعة و الغرض بایرادذکره فی هذا الکتاب وان لم نروعنه حدیثا فی المشکٰوة للتبرک به ولعلو مرتبته ووفورعلمه. (الاکمال ص۶۲۰)

ترجمہ: آپ بڑے عالم تھے صاحب عمل تھے پرہیزگار تھے دنیا سے بے رغبت اور عبادت گزار تھے تمام علوم شریعت میں آپ امام تھے یہاں آپ کے ذکر کرنے سے اگرچہ ہم نے مشکوۃ میں ان سے کوئی روایت نہیں لی ان سے برکت حاصل کرنا ہے یہ آپ کے علو مرتبت اور اونچے علم کے باعث ہے۔

آپ علوم شریعت کے امام تھے کیا حدیث علم شریعت میں نہیں اگر ہے تو کیا آپ حدیث کے امام نہ ہوئے یہ آپ کے وفور علم کی ایک شافعی محدث کی شہادت ہے۔

ہم یہاں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت پر بحث نہیں کر رہے صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت امام صاحبؒ نے اگر اپنے آپ کو حدیث روایت کرنے میں زیادہ مشتغل نہیں کیا اور نہ حدیث پر کوئی بڑی کتاب لکھی تو اس کی وجہ تدوین فقہ کی یہ مہم تھی جس میں آپ کے سامنے وقت کے بڑے بڑے محدثین اور فقہاء نے زانوئے تلمذ طے کیا وہ روایات پر روایات پیش کرتے تھے اور ایک ایک مسئلہ کے علمی اور عملی پہلوؤں پر بحث کرتے مسئلہ بہ مسئلہ آگے بڑھ رہے تھے۔ شمس الائمہ کردریؒ کا بیان ہے کہ حضرت امامؒ صاحب نے چھ لاکھ کے قریب مسئلے اس مجلس میں بیس سال میں طے کیے۔

حضرت الامامؒ نے تدوین فقہ پر جو محنت کی اس میں خود حضرت امام شافعیؒ کو بھی کہنا پڑا:

الناس كلهم عيال ابی حنيفة فی الفقه.

ترجمہ: لوگ سب کے سب دین سمجھنے میں ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

علامہ موفقؒ کہتے ہیں:۔

وابوحنيفة رحمه الله اول من دون علم هذه الشريعة لم يسبقه احد ممن قبله. (مناقب موفق جلد۲، ص۱۳۶)

علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں:۔ **ولم يسبق اباحنيفه احد.** (تبییض الصحیفہ ص ۳۶)

علامہ ابن حجر مکیؒ کہتے ہیں:۔

انه اول من دون علم الفقه ور تبه ابوابا وكتب على نحوما هوعليه اليوم. (الخیرات الحسان ص۲۸)

فقہ کس طرح مدون ہوئی اس کی اصولی تاریخ آپ کے سامنے آچکی ہے تدوین کے اگلے مراحل آپ کو کتب فقہ کے تحت ملیں گے یہاں اب ہم اس پر بحث کرتے ہیں کہ حنفی فقہ کس طرح عالمی سطح پر حیرت انگیز تیز رفتاری سے جا پہنچی۔

حنفی مذہب کا شیوع عام

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عراق میں نیا شہر کوفہ بسایا تو وہاں مدینہ منورہ کی بڑی علمی شخصیت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو لا آباد کیا تا کہ آپ یہاں ایک بڑا علمی مرکز قائم کریں۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی مسند تھی جس پر حضرت امام ابوحنیفہؒ اپنے وقت میں بیٹھے یہ یہاں فقہ حنفی کی ابتداء تھی یہیں سے حنفی مذہب پھر ساری دنیا میں پھیلا۔

امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے بعد علماء نے بغداد میں اس کی خوب تدریس کی پھر اس کی عام اشاعت ہوئی اور یہ اکثر اسلامی ممالک میں پھیل گیا مصر وشام بلاد روم وعراق اور ماوراء النہر تک اس کے سائے پھیل گئے شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں:۔

> پھر عربی ممالک کی حدود سے نکل کر سرزمین ہندو چین میں پہنچ گیا جہاں کوئی مذہب اس کا مزاحم نہ ہوسکا اور ان ممالک کے دور افتادہ گوشوں میں یہ اب بھی ایک منفرد مذہب کی حیثیت سے زندہ ہے ہندوچین کے مسلمان اب تک عبادات اور اپنی خانگی زندگی سے متعلقہ معاملات میں حنفی مذہب، کے راسخ اصولوں پر عمل کرتے ہیں۔

(امام ابوحنیفہ)

حنفی مذہب کی اشاعت عام:

جب امام ابوحنیفہؒ کے اوّلین شاگرد امام ابو یوسفؒ ہارون الرشید کے عہد خلافت میں منصب قضا پر فائز ہوئے تو حنفی مذہب نے سرکاری حیثیت حاصل کرلی جس سے اسکی

نشرواشاعت میں بڑی ترقی ہوئی۔ ۱۷۰ھ کے بعد جب امام ابویوسفؒ قاضی القضاۃ بنائے گئے تو خلافت عباسیہ کے تمام قاضی آپ کے تابع فرمان ہوتے تھے سب قاضی آپ کے حکم سے تعینات کیے جاتے اقصائے مشرق سے لے کر شمالی افریقہ تک تمام بلادِ اسلامیہ میں جو قاضی مقرر کیے جاتے وہ سب آپ کے انتخاب کردہ ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ آپ انہی لوگوں کو قاضی بنانا پسند کرتے جو طریق اجتہاد وفتویٰ میں ان کے ہمنوا ہوتے اور ان کا طریق استنباط وہی تھا جو امام ابوحنیفہؒ کا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فقہائے عراق کے افکار و آراء تمام بلادِ اسلامیہ میں پھیل گئے البتہ اندلس میں مالکی مذہب وہاں کی حکومت کے زیر سایہ پھیلا پھولا جیسے عراق میں حنفی مذہب نے اشاعت عام پائی تھی امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں :۔

مذهبان انتشرافی بدء امرهما بالر یاسة الحنفی بالمشرق والمالکی بالاندلس. (وفیات الاعیان جلد۲، ص۲۱۶)

ترجمہ: دو مذہب اپنے ابتدائی دور میں حکومت کے سایہ میں پلے بڑھے مشرق میں حنفی مذہب اور اندلس میں مالکی مذہب۔

جہاں جہاں عباسی خلافت کا اثر غالب رہا وہاں حنفی فقہ کو بھی فروغ حاصل ہوا اور جہاں جہاں عباسی اثر ونفوذ میں کمی آتی گئی وہاں حنفی فقہ کی اشاعت بھی کمزور رہی۔ عراق کے گردونواح میں عباسی تسلط بڑے زوروں پر تھا مشرقی ممالک میں بھی عباسیوں کو خاصا اثر ورسوخ حاصل رہا جب ان کے سیاسی اثر ونفوذ میں کمی واقع ہوئی تو اس کی جگہ دینی عزووقار نے لے لی ان دونوں قسم کے حالات میں عباسیوں کا اتنا رعب وادب ضرور تھا جس سے حنفی مذہب مستفید ہوتا رہا عباسی خلفاء اس کی پشت پناہی کرتے تھے اور اہل بغداد کا طبعی میلان ویسے بھی حنفی فقہ کی جانب تھا اور اس کی تائید ونصرت میں وہ بھی خلفاء کے دست راست بنے ہوئے تھے۔

جب شافعی مذہب بغداد میں پھیلنے لگا تو حنفی مذہب پر غالب نہ آسکا بلکہ حنفی فقہ ہی غالب رہی ایک مرتبہ خلیفہ قادر باللہ عباسی (۴۲۲ھ) نے ابوحامد اسفرائنی (۴۰۶ھ) کے مشورہ سے علامہ بازی شافعی کو قاضی بنا دیا تو سارا بغداد بھڑک اٹھا اہالیان بغداد دو گروہوں میں بٹ گئے اور ان میں فتنہ وفساد کا بازار گرم ہوا کافی عرصہ تک یہ فتنہ فرو نہ ہوا خلیفہ نے

مجبوراً ارکان سلطنت کو جمع کیا اور انہیں یہ ماجرا سنایا:۔

> اسفرائنی نے خلیفہ کو اپنی امانت وشفقت کا یقین دلا کر خاصا مقام حاصل کرلیا تھا یہ انداز فکر خیانت اور فریب کاری پر مبنی تھا خلیفہ کو جب اس کے خبث اور شرانگیزی کا علم ہوا اور پتہ چلا کہ یہ شخص خلیفہ کو حمایت احناف اور ان کو مناصب جلیلہ تفویض کرنے کے قدیم طریقہ سے ہٹانا چاہتا ہے اور خلیفہ کے آباؤ اجداد حنفیہ کے بڑے مؤید گزرے ہیں تو اس نے البازی کو اس منصب سے الگ کردیا اور پھر پرانے طریقے کے مطابق احناف ہی کو لطف وعنایت، آزادی اور اکرام واعزاز کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ (امام ابوحنیفہ)

عباسی خلافت کے زمانہ میں مشرق میں جو آزاد اسلامی حکومتیں قائم رہیں وہ بھی حنفی مذہب کو عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھتی تھیں مثلاً سلاجقہ اور آل بویہ کیونکہ ان سلطنتوں میں رائج اسلامی تہذیب حنفی فقہ کی اساس پر ہی قائم تھی۔

شیخ ابوزہرہ یہاں یہ کہہ رہے ہیں کہ ابتداء میں مذہب حنفی کے اثر ونفوذ کا سبب حنفی قاضیوں کا تقرر تھا اور اس کی ابتداء امام ابویوسف کے قاضی القضاۃ ہونے سے ہوئی تھی۔

افسوس ہے کہ ہم یہاں شیخ ابوزہرہ کی تائید نہیں کرسکتے۔ حنفی فقہ کا شیوع خلفائے بنی عباس کا رہین احسان نہیں یہ ایک الٰہی تولیت تھی جو حنفی فقہ کے شیوع عام کا سبب بنی۔ جناب نواب صدیق حسن خاں مسالک الممالک کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عباسی خلیفہ الواثق باللہ (۲۲۸ھ) نے کچھ لوگوں کو سد سکندری کا حال معلوم کرنے کے لیے چین کی آخری سرحد پر بھیجا وہاں کی جو رپورٹ انہوں نے آ کر دی اس میں یہ بات خاص تھی کہ وہ لوگ اس وقت سلطنت عباسی سے بالکل بے خبر تھے۔۔۔ نواب صاحب مرحوم کی یہ عبارت آپ پہلے کہیں دیکھ آئے ہیں۔

> محافظان سد سکندری کہ درآنجا بودند ہمہ دین اسلام داشتند ومذہب حنفی وزبان عربی وفارسی مے گفتند امااز سلطنت عباسیہ بے خبر بودند۔

(ریاض المرتاض)

ترجمہ: محافظان سد سکندری جو اس وقت تھے سب دین اسلام پر تھے اور حنفی مذہب کے پیرو تھے عربی اور فارسی زبانیں بولتے تھے لیکن انہیں سلطنت عباسی کی کوئی خبر نہ تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے کوئی شاگرد یہاں ان کی زندگی میں ہی درس وتدریس کے لیے پہنچ چکے تھے اور عباسی انقلاب سے پہلے یہاں مسلمان امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کو اپنا چکے تھے اسے سوائے الٰہی قبولیت کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت بہت اونچی تھی اگر وہاں حنفی فقہ کا فروغ امام ابو یوسفؒ کی وجہ سے ہوا تھا تو لوگ ان کے پیرو ہوتے آخر وہ بھی تو امام مجتہد تھے لیکن عراق میں علمی طور پر ہر طرف امام ابوحنیفہؒ کے علم کے ہی نغمے گونجتے تھے۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی (گوجرانوالہ) عراق کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

جس قدر یہ زمین سنگلاخ تھی اسی قدر وہاں اعتقادی اور عملی اصلاح کے لیے ایک آہنی مرد کی ضرورت تھی جس کے علم وعقل کی پنہائیاں اس سرزمین کے مفاسد کو سمیٹ لیں۔ میری ناقص رائے میں یہ آہنی شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ تھے جن کی فقہی موشگافیوں نے اعتزال وتجہم کے ساتھ رفض وتشیع کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

(فتاویٰ سلفیہ ص ۱۴۱)

بتایئے یہ کس شخصیت کا اثر ونفوذ ہے جس نے عراق کی سنگلاخ زمین میں یہ علمی اور فکری محنت کی امام صاحب کی فقہ کی اشاعت یہ اسی فقہ کا ایک فطری پیرایہ تھا جس نے ان لوگوں کو بھی اپنے دامن میں گھیر لیا تھا جو سلطنت عباسی سے بے خبر تھے سو حنفی مذہب کا یہ اثر وشیوع محض سلطنت عباسی کی وجہ سے نہ تھا۔

یہ صرف عصر اول کی بات نہیں کہ ہم سلطنت عباسی کو حنفی فقہ کے شیوع عام کا سبب سمجھیں عصر متاخر میں بھی فقہ حنفی اسی جمال وجلال سے جمیع اقالیم اسلامی میں پھیلتی رہی ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

خدا تعالیٰ علم فقہ را بردست وے شائع ساخت وجمعی از اہل اسلام را

باں فقہ مہذب گردانیدہ خصوصاً درعصر متاخر کہ دولت ہمیں مہذب است وبس درجمیع بلدان وجمیع اقالیم بادشاہ حنفی اندوقضاۃ واکثر مدرساں واکثرعوام حنفی۔ (کلمات طیبات ص ۱۶۸ طبع دہلی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے علم فقہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاتھ سے پھیلایا ہے اورمسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس فقہ سے ثقافت میں ڈھلی ہے خاص طور پر اس عہد متاخر میں کہ جہاں دیکھو سرکاری مذہب یہی ہے تمام اسلامی ممالک کے بادشاہ حنفی المذہب رہے ہیں اور اکثر جج صاحبان اور پروفیسر صاحبان بھی فقہ حنفی پر رہے اور اکثر عوام بھی اس فقہ کے گرویدہ ہیں۔

مسلمانوں کی عالمی سیاسی قوت خلافت عثمانیہ تک رہی سلاطین عثمانی کا سرکاری قانون فقہ حنفی تھا ہندوستان میں اورنگ زیب کے ہاں بھی نظام اسلام وہی سمجھا جاتا تھا جو فتاویٰ عالمگیری میں ہے اور وہ فقہ حنفی ہے مصر میں علمی طنطنہ کس فقہ کا تھا؟ اس کے لیے سلطنت عثمانیہ کے احکام المواریث کی ایک سرخی ملاحظہ ہو:۔

فی اوائل حکم المغفورله محمد علی باشا والی مصر صدرله من الدولة العثمانيه فرمان شاهانی تضمن تخصيص القضاء والافتاء بمذهب ابی حنيفة. (احکام المواریث الاسلامیہ ص ۴)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دولت عثمانیہ کے سقوط تک امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہی پورے قلمرو اسلامی میں موسوعہ فقہ اسلامی رہا ہے اور اس طویل دور میں فقہ حنفی نے ہی معاشرے کی نئی نئی ضرورتوں اور وقت کے جدید تقاضوں میں اسلامی راہنمائی کی ہے۔

تاریخ کے اس طویل دور کے بعد اب سلطنت سعودی ہے جس نے فقہ حنبلی کی اساس پر اپنے ملک میں شریعت اسلامی کا نفاذ کیا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ وہ اپنے نئے تجربہ میں کامیاب ہیں۔

شیخ ابوزہرہ فقہ حنفی کی تاریخی قبولیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

لیکن ان سیاسی اثرات کے علاوہ کچھ دیگر اسباب بھی حنفی مذہب کی

ہر دلعزیزی کا باعث بنے جیسے عام لوگوں کا حنفی مذہب سے مانوس
ہوجانا اور علماء حنفیہ کی وہ مساعی جیلہ جوانہوں نے اس مذہب
کو مقبول عام بنانے میں سرانجام دیں۔

وہ مناظرات اور مباحث جو حنفی فقہاء اور دیگر مذاہب کے علماء وفقہاء کے مابین ہوتے رہے انہوں نے بھی اس مذہب کو مقبول عام کیا جب عباسی سیاسی قوت کمزور پڑگئی تو وہ علماء ہی کی جدوجہد تھی جس نے مختلف بلاد وامصار میں حنفی مذہب کو زندہ رکھا اس ضمن میں علماء کی کوشش ایک نہج پر قائم نہیں رہی بلکہ رفتار زمانہ کے پیش نظر اس میں کبھی قوت رونما ہوئی اور کبھی کمزوری واقع ہوئی جن بلاد وامصار میں علماء اثر ورسوخ کے حامل تھے وہاں یہ مذہب پھلا پھولا اور برگ وبار لایا لیکن جہاں علماء کمزور تھے وہاں یہ مذہب بھی کمزور پڑگیا اب ہم ان بلاد کا ذکر کرتے ہیں جہاں یہ مذہب زندہ رہا ہم پہلے بلاد مغرب اور پھر کچھ مشرقی شہروں کا ذکر کریں گے۔

مغربی ممالک میں حنفی مذہب کی اشاعت

براعظم افریقہ میں طرابلس تیونس اور الجزائر کے ملکوں میں حنفی مذہب پہلے غالب نہ تھا۔ اسد بن فرات یہاں کا قاضی مقرر ہوا۔ اسد بن فرات امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے تلامذہ سے استفادہ کر چکا تھا مگر اس کا اپنا میلان خاطر اہل عراق کی طرف تھا اس نے حنفی مذہب پھیلانے کا یہاں کام کیا جس سے حنفیت کو اچھا خاصا فروغ حاصل ہوا۔ ابن فرحون لکھتا ہے۔

> ۴۰۰ھ تک حنفی مذہب افریقہ میں جاری رہا پھر کمزور پڑگیا افریقہ کے
> مغرب کی جانب اندلس میں بھی قدیم زمانہ میں قدرے اس کی
> اشاعت ہوئی۔

مقدسی احسن التقاسیم میں لکھتا ہے:۔

> جزیرہ سسلی کے رہنے والے حنفی مذہب تھے۔

مقدسی یہ بھی بیان کرتا ہے کہ انہوں نے بعض اہل مغرب، سے پوچھا:۔

> حنفی مذہب تمہاری طرف کیوں کر پہنچا تمہیں تو کبھی عراق جانے کا

اتفاق نہیں ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ جب وہب بن وہب، امام
مالکؒ سے علوم دینیہ حاصل کر کے آئے تو اسد بن عبداللہ نے اپنے
مرتبہ اور وقار کی بناء پر ان سے علم حاصل کرنے میں عار سمجھی اور امام
مالکؒ سے تحصیل علم کے لیے مدینہ گئے امام مالکؒ ان دنوں بیمار
تھے۔ جب کافی مدت مدینہ میں اقامت گزیں رہے تو امام مالکؒ نے
فرمایا ابن وہب کے پاس جایئے میں نے اپنا علم اس کے سپرد
کر دیا ہے تمہیں زحمت سفر گوارا نہ کرنی پڑے۔ اسد پر یہ بات بڑی
گراں گزری لوگوں سے پوچھا کہ دینی علم میں کسی اور کو بھی یہ مقام
حاصل ہے؟ لوگوں نے بتایا کوفہ میں امام ابوحنیفہؒ کا نوجوان شاگرد
ہے جس کو محمد بن حسن کہتے ہیں ان کے پاس جایئے اسد امام محمدؒ کی
خدمت میں حاضر ہوئے امام محمدؒ نے بڑی توجہ ورغبت سے پڑھانا
شروع کیا اور ان میں ذہانت و فطانت اور شوق علم کے آثار ملاحظہ
کیے جب وہ کافی پڑھ چکا اور اس نے من مانی مراد پالی تو امام محمدؒ نے
انہیں واپس مغرب بھیج دیا۔

جب اسد بن فرات مغرب پہنچے تو نوجوان آپ کے یہاں آنے جانے لگے اسد
سے فقہی فروعات سن کر وہ محو حیرت ہو گئے اور ان سے ایسے ایسے علمی نکات اور مسائل سننے
میں آئے جن سے ابن وہب بالکل آگاہ نہ تھے لاتعداد لوگوں نے ان سے اکتساب علم
وادب کیا اور اس طرح فقہ حنفی نے مغرب میں فروغ پایا۔ (الدیباج جلد۴، ص۱۲)

علامہ محقق احمد تیمور پاشا مرحوم، مقدسی کی اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں
کسی نے امام مالکؒ کے تلامذہ میں وہب بن وہب کا ذکر نہیں کیا البتہ عبداللہ بن وہب کا
ذکر کیا ہے مگر وہ مغرب کی طرف نہیں گئے بلکہ مصر کے رہنے والے تھے اور وہیں وفات
پائی۔ اسد بن عبداللہ کی جگہ ابو عبداللہ صحیح ہے اس سے مراد اسد بن فرات ابو عبداللہ ہیں
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن وہب سے مراد عبداللہ ہے ابن فرات کی ملاقات ان سے
مصر میں ہوئی ہوگی نہ کہ مغرب میں (ابو زہرہ))

اب پھر اسد بن عبداللہ کے بیان کی طرف لوٹیں۔

پھر میں نے پوچھا کہ اندلس میں حنفی مذہب کیوں کر اشاعت پذیر نہ ہو سکا جبکہ وہاں نشر و اشاعت کے وسائل کچھ کم نہ تھے؟

جواب میں کہا گیا کہ ایک مرتبہ دو فریق سلطان کے سامنے جھگڑنے لگے سلطان نے پوچھا "ابوحنیفہ کہاں کے رہنے والے تھے؟" لوگوں نے کہا۔ کوفہ کے سلطان نے پوچھا "امام مالک کہاں اقامت گزیں تھے؟ جواب دیا گیا "مدینہ میں" سلطان نے کہا "عالم دار الہجرت (امام مالک) ہمارے لیے کافی ہیں دوسرے کسی کی حاجت نہیں چنانچہ سلطان نے تمام حنفی علماء کو اپنی سلطنت کی حدود سے نکال دیا اور کہنے لگا "میں اپنی سلطنت میں وہ مذہب پسند نہیں کرتا (یعنی ہم سب یہاں مالکی فقہ پر رہیں گے)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسد بن فرات نے مغرب میں حنفی فقہ کی اشاعت کی تھی یہ مسلک اندلس میں بھی رائج ہوا مگر سلطان کے مذکورہ عمل سے وہاں دیر پا نہ رہا۔ ۴۰۰ھ کے بعد حنفی مذہب مغربی ممالک میں کمزور پڑ گیا تھا۔

مصر میں حنفی فقہ کی اشاعت

مصر خلیفہ مہدی کے عہد خلافت میں حنفی فقہ سے روشناس ہوا خلیفہ کے حکم سے اسماعیل بن الیسع کوفی، مصر کے قاضی مقرر ہوئے یہ اوقاف کو باطل قرار دیتے تھے فقہاء مصر اس کے خلاف تھے لیث بن سعد ایک مرتبہ ان کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے مناظرہ کرنا چاہتا ہوں اسماعیل بولے "کس مسئلہ میں؟" لیث کہنے لگے "اوقاف کو باطل قرار دینے میں" کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء اربعہؓ حضرت زبیرؓ اور دیگر صحابہؓ سب وقف کو جائز قرار دیتے ہیں" لیث بن سعد نے خلیفہ مہدی کے نام ایک خط میں تحریر کیا:۔

> آپ نے ہم پر ایک ایسے شخص کو والی بنا کر بھیجا ہے جو روپے پیسے کے بارے میں قابل اعتماد ہے مگر سنت رسول سے مخلص نہیں۔"

یہ خط پڑھ کر خلیفہ نے اسماعیل کو قضاء کے عہدہ سے معزول کر دیا۔

(الرحمۃ الغیثیہ بالترجمۃ اللیثیہ مندرجہ مجموعۃ الرسائل المنیریہ جلد ۲، ص ۴۴)

جب تک عباسی خلفاء مصر پر قابض رہے وہاں حنفی فقہ غالب رہی مگر کسی حال میں مصریوں میں حنفی فقہ کو قبول عام حاصل نہ ہوا جو مشرقی ممالک میں تھا اہل مصر زیادہ تر شافعی مذہب سے وابستہ رہے ہیں کیونکہ امام شافعیؒ مصر میں عرصہ دراز تک اقامت گزیں رہے تھے سو مصری لوگ شافعی مذہب سے بہت متاثر تھے یا مالکی فقہ کے گرویدہ تھے امام مالکؒ کے بہت سے تلامذہ مثلاً ابن وہب اور ابن الحکم وغیرہ مصر میں سکونت پذیر تھے۔ سوان میں مالکی فقہ نے بھی کچھ قبولیت پالی تھی۔

مصر میں عہدۂ قضاء کی وسعت

مصر میں حنفی قاضیوں کے علاوہ مالکی اور شافعی مسلک کے قضاۃ بھی منصب قضاء پر فائز ہوتے رہے تھے گویا مصر میں قضاء کا عہدہ تینوں فقہی مکاتب فکر یعنی مالکی، شافعی اور حنفی علماء کے مابین مشترک تھا کبھی ایک فرقہ کا قاضی مقرر ہوتا اور کبھی دوسرے کا یکے بعد دیگرے یہ فقہاء منصب قضاء پر فائز ہوتے رہے۔ جب فاطمی خلفاء مصر کے تخت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے شیعہ کے اسماعیلیہ مذہب کو سرکاری حیثیت دے دی پھر شیعہ میں سے بھی قاضی مقرر کیے جانے لگے تاہم دوسرے فقہی مذاہب کو انہوں نے ختم نہیں کیا بلکہ وہ بھی موجود رہے اور مصر میں لوگ اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادات بجالاتے رہے ارکان سلطنت عموماً اختلافی مسائل میں چشم پوشی سے کام لیتے تھے یہاں تک کہ وہ تمام مساجد میں جامع ہوں یا غیر جامع باجماعت نماز تراویح کی اجازت دیتے تھے یہ فاطمی خلفاء کسی فرقہ کو بغض وعداوت کی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔

شیعہ کی حنفی فقہ سے منافرت

رواداری کے ان جذبات کے باوجود فاطمی علماء حنفی مذہب کو پنپنے کا موقع نہ دیتے تھے کسی دوسری فقہ کے خلاف انہوں نے یہ رویہ اختیار نہ کیا بلکہ بعض دفعہ انہوں نے مالکی اور شافعی قاضی از خود مقرر کیے مصر میں ان کے عہد میں عموماً چار قاضی ہوا کرتے تھے دو شیعہ میں سے اور دو سنیوں میں سے۔ ایک شیعہ قاضی اسماعیلیہ میں سے ہوتا اور دوسرا امامیہ میں سے سنی قاضیوں میں سے ایک شافعی ہوتا اور دوسرا مالکی۔

فاطمی خلفاء مذاہب اربعہ میں سے خاص طور پر حنفی مذہب کے خلاف نبرد آزما رہتے تھے کہ عباسی خلفاء کا سرکاری مذہب حنفی تھا اور مصر میں حنفی مذہب کا فروغ زیادہ تر عباسی اثر ورسوخ کا مرہون منت رہا ہے فاطمی یہ کسی طرح گوارانہ کر سکتے تھے کہ مصر میں عباسی پروپیگنڈہ رائج ہو یہی وجہ ہے کہ حنفی مذہب سے ان کو ایک طرح کی چڑ تھی اور وہ اس کی قدر وقیمت گھٹانے کا کوئی موقعہ ضائع نہ جانے دیتے تھے۔

مصر میں فاطمی سلطنت کا خاتمہ

جب مصر میں ایوبی سلطنت قائم ہوئی تو سلاطین نے شافعی اور مالکی فقہ کو از سر نو فروغ دیا مالکی اور شافعی فقہ پڑھانے کے لیے مدارس قائم کیے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی شافعی مسلک سے وابستہ تھا۔ مصریوں میں مالکی فقہ کا رواج تھا جب شام میں نورالدین شہید برسراقتدار آئے اور وہ حنفی تھے تو انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے مناقب پر ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ ان نے شام میں حنفی مذہب کو بہت فروغ دیا پھر شام سے یہ مذہب مصر پہنچا اس مرتبہ یہ مذہب صرف عوام میں پھیلا اسے سرکاری حیثیت حاصل نہ ہوئی قبل ازیں عباسی دور میں حنفی فقہ سرکاری مذہب کی حیثیت رکھتی تھی۔

جب مصر میں حنفی فقہ مقبول عام ہوئی اور سلطان صلاح الدین کو عباسی خلافت سے روابط استوار کرنے کا خیال پیدا ہو تو انہوں نے قاہرہ میں احناف کے لیے مدرسہ سیوفیہ قائم کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حنفی مذہب ایک عمومی پیرائے میں مصریوں میں پھر پھیلنے لگا۔

ائمہ اربعہؒ کی فقہ کے مدارس

جب نجم الدین ایوب نے مدرسہ صالحیہ قائم کیا تو اس میں ائمہ اربعہ کی فقہ پڑھانے کا انتظام کیا گیا پھر مملوک سلاطین کے زمانہ میں ایسے مدارس بڑی کثرت سے تعمیر کیے جانے لگے دونوں مملوک سلطنتوں کے زمانہ میں چار قاضی ہوا کرتے تھے جن میں ایک حنفی ہوتا تھا۔

جب عثمانی ترک مصر پر قابض ہوئے تو سب قاضی احناف میں سے تعینات کیے جانے لگے کثیر التعداد طلبہ حنفی فقہ کی جانب متوجہ ہوئے اور فقہ حنفی نے اس سے بڑا فروغ پایا

اور ابتدائی دور کی طرح حنفی مذہب کو پھر سرکاری سرپرستی نصیب ہوئی اور احکام وفتاوئی اسی فقہ کی روشنی میں صادر کیے جانے لگے۔

حنفی فقہ اور بلاد شام

اب ہم ملک شام اور اس کے قرب وجوار کا رخ کرتے ہیں وہاں حنفی مذہب پہلے جگہ بنا چکا تھا اور جو سلاطین اس وقت مصر وشام کے حاکم تھے وہ جس طرح مصر میں حنفی مذہب سے سردمہری برت رہے تھے شام میں بھی انہوں نے ایسا کرنا چاہا مگر مصر کے برعکس شام میں ان کی روش اس لیے کچھ زیادہ نہ چلی کہ حنفی مذہب اہلیان شام میں پہلے سے اشاعت پذیر ہو چکا تھا اور یہ اب حکومت کی پشت پناہی اور سرپرستی کا محتاج نہ رہا تھا۔

مشرقی ممالک میں حنفی فقہ کو عروج

جہاں تک بلاد مشرق، عراق، خراسان سیستان اور ماوراء النہر کا تعلق ہے احناف کی ان میں بڑی کثرت تھی ان ممالک میں صرف شوافع ہی ان کے حریف مقابل تھے اور کبھی کبھی ان میں رسہ کشی بھی ہو جاتی تھی۔

مسجدوں، امراء کی مجلسوں اور عوام کی محفلوں میں حنفیوں اور شافعیوں کے مابین مجالس مناظرہ منعقد ہوتیں ان مجادلات کی بناء پر علم فقہ اور فن بحث ومناظرہ کو بڑا فائدہ پہنچا مگر بحث وجدل سے تعصب کی راہ جاگ اٹھی ایک دوسرے کے خلاف لعن وطعن کا بازار گرم ہوا اور آگے چل کر یہ مذہبی تعصب فقہی تعطل وجمود کا باعث بنا اور اس میں وہ پہلی سی وسعت نہ رہی۔

روسی ترکستان اور فارس

آرمینیہ، آذربائیجان، تبریز، رے اور اہواز کے رہنے والوں میں حنفی مذہب کا بڑا غلبہ رہا ملک فارس میں پہلے احناف کی بڑی کثرت تھی پھر اثنا عشری شیعہ کو وہاں غلبہ ہوا۔

ہم ابوزہرہ کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ ایران میں پہلے فقہ حنفی کا فروغ رہا اور پھر وہاں اثنا عشری غالب ہوئے

ایران کے پروفیسر سعید نفیسی ایک بحث میں لکھتے ہیں:۔

پادشاہان صفوی کہ توجہ وعنایتی خاص بانتشاردین شیعہ داشتہ اند نظر بائنکہ اکثریت مردم ایران پیش ازاں حنفی بودہ اند۔

(مقدمہ نثر فارسی معاصر ص ۱۲)

ایران کی تین چوتھائی آبادی پہلے حنفی المذہب تھی شاہ اسماعیل صفوی نے برسر اقتدار آتے ہی شیعہ مذہب کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا ہے۔

انگریز مؤرخ ایڈورڈ براؤن لکھتا ہے:۔

احسن التواریخ میں لکھا ہے کہ شاہ اسماعیل نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی سلطنت کے تمام خطیبوں کو حکم دے دیا تھا کہ خالص شیعہ کلمہ اشھدان علیا ولی اللہ کو اقرار باللسان اور حیی علی خیر العمل کو تکبیر کا جزو بنایا جائے۔

(تاریخ ادبیات ایران براؤن جلد ۴، ص ۸۷)

ایران کے برعکس ترکی ہندوستان اور افغانستان میں عام مسلم آبادی فقہ حنفی پر ہی کاربند رہی ہندوستان میں انگریزوں کی آمد پرگوترک تقلید کے بھی کچھ جھگڑے چلے لیکن یہ ممالک اس اختلاف سے متاثر نہ ہوسکے شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں:۔

ہندوستان میں بھی تقریبا حنفی مذہب ہی کا سکہ جاری ہے شافعی مذہب دوسرے درجہ پر ہے شوافع کی تعداد ہندوستان میں ایک ملین کے قریب قریب ہے باقی سب احناف ہیں چین میں چالیس ملین سے زیادہ مسلمان بستے ہیں ان میں سے اکثر حنفی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔(حیات ابی حنیفہ لابی زہرہ)

ہندوستان میں شافعی حضرات ان کو کہا گیا ہے جو رکوع میں جاتے وقت رفع یدین کرتے اور امامؑ کے پیچھے آمین بلند آواز سے کہتے ہیں۔ حقیقت حال یوں نہیں وہ شافعی المذہب نہیں بیشتر غیر مقلد ہیں جنہیں کثرت مشابہت سے شافعی سمجھ لیا گیا ہے۔ شافعی حضرات کی تعداد یہاں بہت کم رہی ہے۔

حنفی اصول فقہ کی آفاقی قبولیت

شیخ ابوزہرہ اس پر بحث کرتے ہوئے کہ کس طرح یہ مذہب مشرق ومغرب میں پھیل گیا لکھتے ہیں:۔

علی ہذا القیاس یہ مذہب مشرق ومغرب تک پھیل گیا اس کے متبعین کی بڑی کثرت پائی جاتی ہے اگر حنفی فقہ میں تخریج کا دروازہ کھول دیا جائے تو اب بھی علماء اس کے قواعد سے ایسے احکام استنباط کرسکتے ہیں جو اس کائنات ارضی پر بسنے والے تمام بنی نوع آدم کے لیے یکساں طور پر سازگار ہوں۔ (حیات ابی حنیفہ لابی زہرہ)

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس بحث کو علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی (۷۷۰ھ) کے اس بیان پر ختم کریں جو انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے علم پر اعتراض کرنے والے جاہلوں کے جواب میں دیا ہے آپ لکھتے ہیں:۔

لوكان الامام ابوحنيفه جاهلاً ومن حلية العلم عاطلاً ماتطابقت جبال العلم من الحنفية على الاشتغال بمذهبه كالقاضى ابويوسف ومحمد بن الحسن الشيبانى والطحاوى والكرخى وامثا لهم واضعافهم فعلماء الطائفة الحنفية فى الهند والشام ومصر واليمن والجزيرة والحرمين والعراقين منذ مائة وخمسين من الهجرة الى هذا التاريخ يزيد على ست مائة سنة فهم الوف لاينحصرون و عوالم لايحصون من اهل العلم والفتوى والورع والتقوى. (الروض الباسم)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ اگر کتاب وسنت سے جاہل ہوتے اور زیور علم سے خالی ہوتے تو احناف کے علم کے پہاڑ جیسے امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام طحاویؒ، امام کرخیؒ اور ان جیسے ان سے کئی گنا امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے ہرگز چمٹے نہ رہتے۔ علماء حنفیہ ہندوستان شام مصر یمن جزیرہ مکہ مدینہ اور دونوں عراق اور ان سب علاقوں میں ۱۵۰ھ

سے (جو امام ابوحنیفہؒ کا سال وفات ہے) اب تک جو چھ سو سال کا عرصہ گزرتا ہے پائے جاتے ہیں یہ لاکھوں ہیں جو محدود نہیں اور ملکوں کے ملک ہیں جو گنے نہیں جا سکتے اور یہ اہل علم وفتویٰ اور اہل ورع وتقویٰ ہیں۔

• فقہ حنفی کی آفاقی قبولیت کی اس سے بڑی شہادت کیا ہوگی جو محمد بن ابراہیم وزیر الیمانی نے دی ہے اور اس پر ہم اپنے اس موضوع کو کہ دنیا میں فقہ حنفی کا شیوع کیسے ہوا؟ ختم کرتے ہیں۔ اور اس باب میں شیخ ابوزہرہ کی گہری رسائی کے تہ دل سے شکر گزار ہیں۔

وهو يهدى لسبيل ىروى الغليل

وما يجحد باياته الباهرات الاالعليل .

تقلید کی حقیقت

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

دنیا کے ہردائرہ زندگی میں لوگ اس کے ماہرین فن پر اعتماد کرتے ہیں۔ مقدمات میں وکیلوں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے قانون کا مطالعہ ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ علاج میں ڈاکٹروں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے اس لائن کا علم بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اسی طرح دین کی جزئی جزئی کا علم بھی صرف ماہرین فن کے پاس ہوتا ہے ہر عامی وجاہل کی اس تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ مگر دین چونکہ سب لوگوں کے لیے ہے اور سب اس کے مکلف ٹھہرے تو اس میں صحیح راہ عمل یہ ہے کہ جو لوگ اس فن کے جاننے والے نہیں اور وہ دین کو اس کے ماخذوں سے نہیں سمجھتے وہ اس کے جاننے والے ماہرین کے پیچھے چلیں اور ان کے فتوؤں پر اس اعتماد سے عمل کریں کہ یہ کتاب وسنت کے مطابق ہوں گے اور خود اُن سے دلائل کی بحث میں نہ الجھیں کیونکہ یہ فن کو جاننے والے نہیں ہیں اور اگر یہ اس فن میں دخل دیں گے تو پھر ان جاہلوں سے بڑے بڑے عجائب صادر ہوں گے اور دنیا الامان والحفیظ پکارے گی۔

فان المرء اذا اتی علی غیر فنہ اتی بالعجائب

قومیں اسی وقت تک قومیں بنی رہتی ہیں جب ان میں کچھ اخلاقی ضابطوں کی پابندی ہو کچھ بڑے ہوں جو ذمہ داریاں سنبھالیں اور کچھ چھوٹے ہوں جو ان کے پیچھے چلیں، مادر پدر آزاد لوگ ایک بھیڑ تو ہوسکتے ہیں ایک قوم نہیں ہوسکتے۔

راہِ آبارو کہ ایں جمعیت است

معنی تقلید ضبط ملت است

تقلید ہر فن میں اس کے اہل کمال کی پیروی کا نام ہے۔ سارے صحابہؓ فقیہ اور عالم نہ تھے وہ ان کے پیچھے چلے جو ان میں فقہاء اور علماء تھے۔ اسی طرح تابعین سارے

ائمہ فن نہ تھے جو اہل فن نہ تھے وہ ان کے پیچھے چلے جو ان میں ائمہ فن تھے اور دین کا سلسلہ ہمیشہ اجتہاد اور تقلید میں دائر رہا تقلید نہ کبھی ناجائز سمجھی گئی نہ اسے کبھی ملت سے خروج گردانا گیا نہ کبھی ایسا ہوا کہ سب لوگ مجتہد بن گئے ہوں اور کسی صاحب علم کی پیروی اسکے علم پر اعتماد کر کے ناجائز قرار دی گئی ہو۔ اسلام ایک دین فطرت ہے اور انسانی سوسائٹی کے فطری تقاضوں میں کبھی انسان کو آداب فطرت سے محروم نہیں کرتا۔

صحابہؓ اور تابعینؒ میں تقلید سالہا سال غیر معین طور پر چلتی رہی اور عوام دلیل کی بحث میں پڑے بغیر اکابر ائمہ فن پر اعتماد کرتے رہے اور ان کی پیروی میں چلتے رہے یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری میں اس نے کچھ مستقل مکاتب فکر کی صورت اختیار کر لی اور ان ادوار میں کسی عالم دین نے عامی کے لیے مجتہد کی پیروی کو گناہ قرار نہیں دیا نہ کسی عالم دین نے یہ کہا کہ کتاب وسنت کے بعد بنی نوع انسان کو اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

جو مسائل کتاب وسنت میں صراحۃً نہ ملیں انکے حل کے لیے فقہ کی ضرورت ہے اور اس میں محسوس کی گئی فقہ کے مسائل میں تو بیشک مجتہدین کرام میں اختلاف ہے لیکن فقہ کی ضرورت پر ہمیشہ پورے اسلام کا اتفاق رہا۔ جس طرح فقہ کی ضرورت ہر دور میں مسلم رہی عام مسلمانوں کے لیے مجتہدین کی پیروی کا بھی اسی طرح انکار نہیں کیا گیا۔ مجتہدین میں مسائل میں تو بڑے بڑے اختلاف ہوئے لیکن نفس تقلید میں اسلام کی پہلی بارہ صدیوں میں کہیں کوئی وقیع اختلاف نہیں ملتا چاروں مذاہب میں کتاب وسنت اور اجماع وقیاس بالاتفاق ہی ماخذ علم تسلیم کیے گئے۔

تقلید کی تعریف

لفظ تقلید آزاد روی کے مقابلہ میں ہے۔ قرآن وحدیث میں تفسیر اور تشریح میں بہت مختلف باتیں کہی جاسکتی ہیں ان پر ہر شخص کو آزاد چھوڑا جائے تو ملت اسلامی کبھی ایک قوم کے درجہ میں نہ رہ سکے گی۔ صحابہؓ اور تابعینؒ میں فروعی مسائل میں بڑے بڑے اختلافات ہوئے مگر چونکہ ان میں خیر غالب تھی وہ امت کے لیے فتنہ نہ بن سکے آئندہ لوگوں کو اس آزاد روی سے بچانا تھا تو اسکے لئے پہلوں کی پیروی پر زور دیا گیا اور اس کی تعلیم خود صحابہؓ دے چکے تھے۔

حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو باوجودیکہ وہ مجتہد کے درجہ میں تھے ان پر سیرت شیخینؓ کی پیروی لازم کی گئی حضرت معاویہؓ باجودیکہ نہایت بلند پایہ فقیہ تھے انہیں خلیفہ بناتے ہوئے حضرت امام حسنؓ نے سیرت خلفائے صالحین کا پابند کیا تابعین میں اکابر تابعینؒ کی اتباع جاری رہی اور اسی اتباع نے آگے چل کر تقلید کا نام پایا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:۔

اتباع اور تقلید کے معنی واحد ہیں۔ (سبیل الرشاد ص ۲۷)

تقلید کے علمبردار کون ہیں؟ مقلد یا غیر مقلد؟ ظاہر ہے کہ مقلد ہی تقلید کے داعی اور علمبردار ہیں سو تقلید سے جو وہ مراد لیتے ہیں اس کا اعتبار ہوگا نہ کہ غیر مقلدوں کی تشریح کا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تقلید تو مقلدین کریں اور تقلید کا معنی غیر مقلدین طے کریں۔ صاحب البیت ادری بمافیہ کے ضابطہ اخلاق سے یہ ایک کھلا مذاق ہے۔

مقلدین تو اس کا معنی اتباع کا کرتے ہیں اور وہی مراد ہونا چاہیے لیکن غیر مقلدین اس کا معنی پٹکا ڈالنا کرتے ہیں۔ پٹکا ڈالنا کیا ہے کسی کی ماتحتی کا اقرار اور ظاہر ہے یہ کوئی بری بات نہیں مگر غیر مقلدین اس لفظ کو برے سے برے پیرائے میں لاکر اپنے دل کا غصہ نکالتے ہیں کبھی کہتے ہیں پٹہ کتے کے گلے میں ہوتا ہے۔ وہ نہیں سوچتے کہ پٹے والا کتا کن سے جدا اور ممتاز سمجھا جاتا ہے؟ بے پٹہ کتوں سے۔ وہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس مثال سے وہ اپنے آپ کو کس صف میں لا رہے ہیں معترضین کی لاعلمی کی اس سے بڑی مثال کیا ہوگی۔

یاد رہے جب کارپوریشن والے یا دیہات سدھار والے کتوں کو مارتے ہیں تو پٹے والے کتے کو زہر نہیں ڈالا جاتا نہ اسے گولی ماری جاتی ہے اس پٹے نے ان کو وہ وقایہ (بچاؤ) مہیا کیا کہ اب ان کے لیے یہ پٹہ شرح وقایہ ہوگیا ہے۔ بے پٹہ کے کتے کتوں میں بدترین سمجھے جاتے ہیں اور آزاد رو لوگ ضابطوں کے پابند لوگوں کے مقابل آوارہ لوگ کہلاتے ہیں۔

تقلید کا لفظ اتباع کے معنی میں

تقلید کا لفظ ایسا نہیں کہ اس کے سامنے آتے ہی کسی کو اس کی وحشت محسوس ہونے لگے ہمیں دیکھنا چاہیے کہ علمی حلقوں میں یہ لفظ کب سے اور کن معنوں میں استعمال

ہوتا چلا آیا ہے اور کون کون سے جبال علم اسے ان معنوں میں استعمال کرتے آئے ہیں

حضرت امام شافعیؒ (۱۵۰ھ) میں پیدا ہوئے آپ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد عطا بن ابی رباحؒ (۱۱۵ھ) کی کئی مسائل میں پیروی کی تو اسے لفظ تقلید سے تعبیر کیا گیا اور اس میں کوئی قباحت نہ سمجھی گئی۔

قال الشافعی فی مواضع من الحج قلته تقلید العطاء.

(اضواء البیان جلد ۷، ص ۵۰۴)

ترجمہ: امام شافعیؒ نے حج کے کئی مباحث میں کہا ہے کہ میں نے ایسا امام عطاء کی تقلید میں کہا ہے۔

ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا قلته تقلیدا لعمرؓ میں نے ایسا حضرت عمرؓ کی تقلید میں کہا ہے۔ ایک موقعہ پر فرمایا قلته تقلیدا لعثمانؓ میں نے یہ حضرت عثمانؓ کی تقلید میں کہا ہے۔ پھر ایک موقعہ پر فرمایا وانما قلت بقول زید میں نے یہ فتویٰ حضرت زید بن ثابتؓ کے قول پر دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہائے صحابہؓ اس دور میں امام سمجھے جاتے تھے اور حضرت عمر اور حضرت عثمان ان میں بہت نمایاں ہیں اور یہ کہ تابعین اور تبع تابعین میں ان کی تقلید جاری تھی۔ خود امام ابوحنیفہؒ کو دیکھئے پانی اور کنویں کے مسائل میں آپ نے اکابر تابعین کے فیصلوں پر فتوے دیئے امام مالکؒ بھی عمل اہل مدینہ کی پیروی کرتے تھے اور روایت ان کے ہاں دوسرے درجہ میں سمجھی جاتی تھی۔

وهذا ابوحنيفة قال فی مسائل الابار ليس معه الا تقليد من تقدمه من التابعين وهذا مالک لايخرج من عمل اهل المدينة. (ایضاً)

ترجمہ: یہ امام ابوحنیفہ ہیں آپ نے کنوؤں کے مسائل میں فرمایا کہ آپ کے پاس ان میں اپنے پہلے اکابر کی تقلید کے سوا اور کچھ نہیں اور یہ امام مالک ہیں جو عمل اہل مدینہ سے باہر نہیں جاتے۔

ائمہ بھی پہلوں کی تقلید سے آگے چلے ہیں

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ صرف کتاب وسنت سے آگے نہیں

چلے نئے حوادث میں بھی جب انہیں کتاب وسنت سے کوئی صریح بات نہ ملتی یہ اپنے سے پہلے کے مجتہدین کی تقلید کرتے۔ امام بخاری کو لیجیے جب انہیں کسی مسئلہ پر حدیث نہ ملے وہ کس طرح امام حسن بصری اور ابراہیم نخعی کے اقوال پر آجاتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:۔

امام ابوحنیفہؒ اپنے دادا استاد ابراہیم نخعیؒ کے مسلک پر ان کے اقوال پر تخریجات کرتے ہیں جن کو آپ کے شاگردوں میں سے سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ اور پھر امام محمدؒ نے اپنی تصنیفات میں جمع کیا۔

(تاریخ اہل حدیث ص ۷۴)

اس میں اس سوال کا جواب آگیا کہ حضرت امام نے اپنی شورائی فقہ پر خود کوئی کتاب کیوں نہیں لکھی؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام محمد کی ظاہر الروایہ کتابیں حضرت امام کی ہی فقہ پر مشتمل ہیں گو کتاب وسنت کی روشنی میں آپ اور امام ابو یوسف نے کئی مسائل میں حضرت امام صاحب سے اختلاف بھی کیا ہے۔ امام بخاری بھی ہر بات میں حدیث سے نہیں چلتے اجتہادی مسائل میں کبار تابعین کے اقوال اختیار کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ غیر منصوص مسائل میں آپ بھی تقلید کے قائل تھے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:۔

امام بخاری اپنی صحیح میں اجتہادی مسائل میں امام ابراہیم نخعی کے اقوال کثرت سے اور عزت سے علمائے تابعین کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس طرح صحیح بخاری قال الحسن (البصری) سے بھری پڑی ہے اسی طرح وہ قال ابراھیم وقال نخعی سے بھری پڑی ہے کسی کو ان کی بزرگی سے انکار نہیں صحیح بخاری اور فتح الباری کو مطالعہ میں رکھنے والے علماء اس بات کو خوب پہچانتے ہیں اگر کسی ناقص العلم اور متعصب کو ان کی بزرگی میں کلام ہو تو وہ اپنے دل کا علاج کرائے۔

(ایضاً حاشیہ ص ۷۴)

یہ پہلے فقہاء کی پیروی ان کے فتووں میں ان کی تقلید ہی تو ہے۔ تقلید صحابہ کرام کے فتووں پر اعتماد کرنے سے شروع ہوئی اور لوگ بلا طلب دلیل ان کے فتووں کو بڑے اعتماد سے قبول کرتے آئے ہیں۔

امام محمد بن الحسن بن علی بن خلف البربہاری (۳۲۹ھ) نمبر۷۵ کے تحت لکھتے ہیں:۔

اعلم ان الدين انما هو التقليد والتقليد لاصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم. (کتاب شرح السنۃ ص۴۲)

ترجمہ: جان لو دین تقلید کا ہی نام ہے اور تقلید اصحاب رسول کی پیروی سے ہی چلی ہے۔

پھر آگے جا کر نمبر ۱۲۰ کے تحت لکھتے ہیں:۔

فالله الله فى نفسك وعليك بالآثار واصحاب الاثر والتقليد فان الدين انما هو التقليد يعنى للنبى صلى الله عليه وسلم واصحابه رضوان الله عليه اجمعين ومن قبلنا لم يدعونا فى لبس فقلّدهم واسترح ولا تجاوز الاثر واهل الاثر وقف عند متشابه القران والحديث.

(کتاب شرح السنۃ ص۵۶)

ترجمہ: ہر وقت اپنے جی میں خدا کو یاد رکھو اور علم آثار اور محدثین اور تقلید کو لازم پکڑو (جو علم والے ہیں وہ حدیث کو اور جو علم والے نہیں وہ تقلید کو لازم پکڑیں) دین ہے ہی تقلید کا نام یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اور جو لوگ ہم سے پہلے ہوئے ان کی۔ انہوں نے ہمیں کسی التباس میں نہیں رکھا سو ان پہلوں کی تقلید کرو اور آرام سے رہو اور حدیث اور حدیث جاننے والوں سے تجاوز نہ کرنا اور قرآن وحدیث میں جہاں متشابہات کی بات چلے وہاں سکوت اختیار کرنا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں اس لفظ (تقلید) میں کوئی وحشت محسوس نہ کی جاتی تھی اور تقلید اس معنی کے اعتبار سے عہد صحابہ میں موجود تھی اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہ تھا۔

وهذا النوع من التقليد كان شائعا فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم ولا خلاف فيه. (اضواء البیان جلد۷، ص۴۸۷)

ترجمہ: اور اس طرح کی تقلید تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی شائع تھی اور اس میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ولم تختلف العلماء ان العامة عليها تقليد علمائها وانهم المرادون بقول الله عزوجل فاسئلوااهل الذكر ان كنتم لا تعلمون. (اضواء البیان جلد ۷، ص۴۹۵)

ترجمہ: اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عوام پر علماء کی تقلید لازم ہے اور اس آیت میں (فاسئلوا اهل الذكر) بھی اہل علم مراد ہیں۔

کیا اس دور میں تقلید صرف عام لوگوں کے لیے تھی؟

علامہ شعبی (۱۰۳ھ) جلیل القدر تابعی حضرت مسروق (۶۳ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

كانَ ستة من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم يفتون الناس. ١. ابن مسعود ٢. وعمر بن الخطاب ٣. وعلى ۴. وزيد بن ثابت ۵. وابى بن كعب ٦. وابو موسى الاشعرى.

(ایضاً ص۵۰۱)

ظاہر ہے کہ یہ ہر چھ حضرات اونچے درجے کے اہل علم تھے اور ان میں وہ بھی ہیں جو حضورؐ کے زمانے میں بھی فتویٰ دینے کے مجاز تھے پھر بھی ان میں اپنے اکابر کا بڑا احترام تھا اور ان میں سے تین دوسرے تین کے قول پر اپنا قول چھوڑ دیتے تھے

وكان ثلثة منهم يدعون قولهم بقول ثلثة كان عبدالله يدع قوله لقول عمرؓ و كان ابوموسىؓ يدع قوله لقول علیؓ وكذا زيدؓ يدع قوله لقول ابى بن كعبؓ وقال جندب ماكنت ادع قول ابن مسعودؓ لقول احد من الناس. (ایضاً)

ترجمہ: اور ان میں سے تین اپنا قول دوسرے تین بزرگوں کا فیصلہ آنے پر چھوڑ دیتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمرؓ کا قول ملنے پر اپنی بات چھوڑ دیتے تھے اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ حضرت

علیؓ کا قول ملنے پر اپنی بات چھوڑ دیتے اور حضرت زید بن ثابتؓ
حضرت ابی بن کعبؓ کے قول پر اپنی بات چھوڑ دیتے تھے۔ جندبؓ
کہتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول کسی کی بات ملنے پر
نہیں چھوڑتا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تقلید صرف عامۃ الناس کے لیے نہیں عالم بھی اپنی بات کو
چھوڑ کر اعلم کی بات پر آسکتا ہے اور کسی ایک کی بات پر رہنا ہی ہرگز کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔
دوسری صدی کے جلیل القدر مجتہد امام محمد (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں:۔

وقال محمد بن الحسن يجوز للعالم تقليد من هو اعلم منه
ولا يجوز تقليد من هو مثله. (اضواء البیان ص ۵۰۴)

ترجمہ: امام محمد کہتے ہیں کہ عالم کے لیے جائز ہے کہ اپنی بات چھوڑ
دے اور کسی اپنے سے بڑے عالم کی تقلید کرے اپنے برابر کے عالم
کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے۔

امام ابو محمد الحسن بن علی بن خلف البربہاری (۳۲۹ھ) کی کتاب شرح السنۃ
جامعہ ام القری کے استاذ محمد بن سعید بن سالم القحطانی کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے مصنف
نے اس میں تیسری صدی تک کا علمی ذخیرہ سامنے لا کر رکھ دیا ہے آپ لکھتے ہیں:۔

جميع ما وصفت لک في هذا الكتاب مشية من الله تعالى
.... عن القرن الثالث. (ایضاً ص ۴۷)

ترجمہ: جو کچھ میں نے تمہارے لیے اس کتاب میں رکھ دیا ہے اللہ
تعالی کی مشیت سے .... تیسری صدی تک کا حال ہے۔

علامہ شنقیطی (۱۳۹۳ھ) کی عبارات ہم نے صرف تائیداً نقل کی ہیں آپ کے
ہاں بھی تقلید اتباع کا ہی نام ہے اور اس لفظ میں کسی قسم کی کوئی وحشت نہیں پائی جاتی آپ
سے پورے دین کا لائحہ عمل ان الفاظ میں سنیے۔

وقد امر الله تعالى بطاعته وطاعة رسوله واولى الامروهم
العلماء اوالعلماء والامر اء طاعتهم تقليد هم فيما يفتون

بہ. (اضواء البیان ص ۵۰۱)

ترجمہ: اور بے شک اللہ تعالٰی نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ (اولی الامر کون ہیں؟ اس پر آپ لکھتے ہیں:) ا۔ علماء یا ۲۔ علماء اور امراء دونوں۔ اور ان کی بات ماننا ان کی ان کے فتووں میں تقلید کرنا ہے۔

یہ فتووں پر عمل کب سے چلا آرہا ہے صحابہ کرام اور تابعین عظام سے اور ائمہ مجتہدین کے فتووں کی پیروی بھی اس عمل کا ایک تسلسل ہے ائمہ اربعہ کا اختلاف بھی ان کی اپنی اختراع نہیں یہ اختلافات انہوں نے اپنے پہلوں سے لیے ہیں۔

حضرت مولانا ابراہیم میر لکھتے ہیں:۔

صحابہؓ اور تابعین کے اختلاف میں الحاد بے دینی کج روی بداعتقادی اتباع ہوی و بد مذہبی نہیں ہے اور اگر حدیث اختلاف امتی رحمۃ کا اعتبار کیا جائے تو اس کی بس یہی صورت ہے جو صحابہؓ اور تابعین میں تھی اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف بھی اسی پر مبنی ہے۔

(تاریخ اہل حدیث ص ۷۳)

ائمہ اربعہ (چاروں امام) پہلی اڑھائی صدیوں کے اندر اندر کے بزرگ ہیں امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) امام ابویوسف (۱۸۲ھ) امام مالک (۱۷۹ھ) امام محمد (۱۸۹ھ) اور امام شافعی (۲۰۴ھ) دوسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں اور امام احمد (۲۴۱ھ) تیسری صدی کے نصف اول کے اور ائمہ صحاح امام بخاری (۲۵۶ھ) امام مسلم (۲۶۱ھ) امام ترمذی (۲۷۹ھ) امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) امام دارمی (۲۵۵ھ) امام ابن ماجہ (۲۷۳ھ) امام نسائی (۳۰۳ھ) بھی تیسری صدی ہجری کے اندر اندر کے بزرگ ہیں۔ ان تین صدیوں میں علم وعمل کی یہی راہ رہی کہ اہل علم فتوے دیتے تھے اور دوسرے لوگ ان کے علم وتقویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے فتووں کو بلا طلب دلیل قبول کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ تقلید اعلم بھی ہوتی رہی یہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور لوگوں کا اشتغال بالعلم عام تھا اس زمانہ میں ایسے علماء بھی تھے جو خود بھی ایک رائے رکھتے تھے اور اپنے زیادہ مسائل میں کسی ایک امام

کے ساتھ چلتے ان کا اس سے اختلاف تلفیق کے طور پر نہیں تحقیق کے طور پر ہوتا تھا تاہم پہلے مذاہب تابعین کے نام سے بنے پھر منقح اور مبوب ہو کر ائمہ اربعہ سے ان کا فروغ ہوا ہاں دور پہلا ہو یا دوسرا غیر مشروط اطاعت جس سے کسی کو سرتابی نہ ہو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھی جاتی تھی۔ ائمہ تابعین اور مجتہدین کی یہ پیروی صرف مسائل غیر منصوصہ اور مسائل منصوصہ متعارضہ روایات میں ہوتی تھی۔

حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

فعند ذلک صار لکل عالم من علماء التابعين مذهب على حياله فانتصب فى كل بلد امام مثل سعيد بن المسيب وسالم بن عبدالله بن عمر فى المدينة وبعدها الزهرى والقاضى يحيى بن سعيد وربيعه بن عبدالرحمن وعطاء بن ابى رباح بمكة وابراهيم النخعى والشعبى بالكوفة وحسن البصرى بالبصره و طاؤس وكيسان باليمن و مكحول بالشام. (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۳)

ترجمہ: اس دور میں علماء تابعین میں سے ہر عالم کا اپنے حلقے میں ایک مذہب School of thought قائم ہو گیا ہر شہر میں فقہ کے امام نمایاں ہوئے امام سعید بن المسیب اور امام سالم مدینہ میں اور ان کے بعد امام زہری اور قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ رائے اور امام عطاء مکہ میں اور امام ابراہیم نخعی اور علامہ شعبی کوفہ میں اور امام حسن بصرہ میں اور طاؤس اور کیسان یمن میں اور امام مکحول شام میں اس امامت پر معروف رہے۔

عہد تابعین کے یہ بارہ امام ہیں جن کی تقلید اس پہلے دور میں جاری تھی آئندہ آنے والے مجتہدین بھی بیشتر مسائل میں ان کی پیروی کرتے رہے یہاں تک کہ یہ مذاہب ائمہ اربعہ کے دور میں اور نکھرے ان کی اور تنقیح ہوئی ان کے فقہی اصول مرتب ہوئے ان کے فروع مدون ہوئے اور اب یہ ذخائر علمی کتابوں میں آ گئے اب ان علوم کی

پیروی ان اماموں کے نام سے نہیں چار اماموں کے نام سے آگے چلی۔

یہ تین صدیوں کا علمی منہج آپ کے سامنے آچکا۔ اس دور میں ائمہ حدیث کا کسی امام فقہ سے انتساب ان سے اکثر مسائل میں اتفاق کی وجہ سے ہوتا تھا۔ پھر چوتھی صدی میں تقلید ایک مستقل مکتب فکر کی صورت اختیار کرگئی۔

اب چوتھی صدی میں چلئے اور دیکھئے کہ تقلید ان دنوں بھی کسی وحشت کی نظر سے نہ دیکھی جاتی تھی حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

وکان صاحب الحدیث قد ینسب الی احدی المذاهب لکثرة موافقته کالنسائی والبیهقی ینسبان الی الشافعی.

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۲)

ترجمہ: یہ اصحاب حدیث مذاہب اربعہ میں سے کسی طرف کثرت موافقت کے باعث منسوب ہوئے تھے اور امام نسائی اور بیہقی اسی پیرائے میں شافعی کہے جاتے ہیں۔

امام طحاوی بھی اسی طرح امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور امام ابوداؤد امام احمد بن حنبل کے مذہب میں جگہ پاتے ہیں۔

پروفیسر شعیب رنوط امام طحاوی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

لم یمنعه انتسابه الی الامام ابی حنیفة ان یخالفه فی عددقلیل من المسائل لماثبت لدیه اوصح فی نظره من الادلة مالم یثبت لدی امامه اویصح عنده.

(شرح مشکل الآثار جلد ۱، ص ۱۴ بیروت)

ترجمہ: آپ کی امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت آپ کو اس سے مانع نہ تھی کہ آپ چند مسائل میں حضرت امام کے موقف کے خلاف چلیں بایں طور کہ آپ کے پاس وہ دلائل ثابت ہوئے یا صحیح ٹھہرے جو حضرت امام کے ہاں ثابت نہ تھے یا صحیح نہ تھے۔

اس سے حضرت امام طحاوی کے کمال دیانت کا پتہ چلتا ہے کہ اصل چیزان کے

ہاں کتاب وسنت اور صحابہؓ کے فیصلے تھے اور حضرت امام کی تقلید میں آپ اسی حد تک چلے جہاں تک آپ کو فقہ حنفی کتاب وسنت کے مطابق نظر آئی اگر کہیں دوسرا پہلو نظر آیا آپ فوراً اصل ماخذ کی طرف لوٹے۔

حافظ ابوبکر الجصاص الرازیؒ (۳۷۰ھ) بھی تقلید کا لفظ اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں:۔

ان العامی علیه تقلید العلماء فی احکام الحوادث

(احکام القرآن جلد۲، ص۲۱۵)

ترجمہ: عامی پر لازم ہے کہ وہ عالم کی تقلید کرے نئے نئے حوادث میں۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

الزم المنذرین قبول قولهم (ایضاً ص۲۶۳)

ترجمہ: مکلفین پر لازم ٹھہرایا کہ وہ ان کی بات قبول کریں۔

حافظ خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں شرعی احکام دو طرح کے ہیں ایک وہ جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں سے ہونا ہر کسی کو معلوم ہو اس میں کوئی خفاء نہ ہو اور دوسرے وہ جو نظر واستدلال سے جانے جاتے ہیں۔ ان میں تقلید جائز ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون (پ۱۴، النحل:۴۳)

وضرب اخرلایعلم الابالنظر والاستدلال کفروع العبادات والمعاملات والفروج والمناکحات وغیرذلک من الاحکام فهذا یسوغ فیه التقلید بدلیل قول اللّٰه تعالی فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون ولانا لومنعنا التقلید فی هذه المسائل التی هی من فروع الدین لاحتاج کل احدان یتعلم ذلک وفی ایجاب ذلک قطع عن المعایش وهلاک الحرث والماشیة فوجب ان یسقط.

(الفقیه والمتفقه جلد۲، ص۶۸)

ترجمہ: اور ایک دوسری قسم ان مسائل کی ہے جو نظر واستدال کے بغیر

معلوم نہ ہو سکیں جیسے فروع عبادات اور معاملات اور نکاح وغیرہ یہ وہ مسائل ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی رو سے کہ ''اگر تم جانتے نہیں تو اہل علم سے پوچھ کر چلو'' تقلید چل سکتی ہے سو اگر ہم فروعی مسائل میں بھی تقلید کو منع کریں تو پھر ہر ایک پر علم دین کا حاصل کرنا ضروری ٹھہرے گا اور ہر کسی کے ذمہ لگانا کہ علم دین تفصیل سے معلوم کرے اس میں معیشت کی راہیں کٹ جائیں گی کھیتیاں برباد ہو جائیں گی اور مویشی ہلاک ہو جائیں گے سو ضروری ہے کہ علم دین تفصیلی حاصل کرنا ہر کسی کے ذمہ نہ لگایا جائے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۲ھ) بھی اسی دور کے ہیں وہ بھی لکھتے ہیں:۔

ولم تختلف العلماء ان العامة عليها تقليد علما ئها وانهم المرادون بقول الله عزوجل فاسئلوا اهل الذكران كنتم لاتعلمون واجمعوا على ان الاعمى لابدله من تقليد غيره ممن يثق يميزه بالقبلة اذااشكلت عليه فكذلك من لاعلم له ولا بصر بمعنى مايدين به لابد له من تقليد عالمه.

(جامع بیان العلم جلد۲، ص۱۱۵)

ترجمہ: اس میں علماء کا کبھی اختلاف نہیں رہا کہ عام لوگوں کے ذمہ اہل علم کی تقلید ہے اور فاسئلوا اهل الذكر الخ میں وہی مراد ہیں اور اس پر اہل علم کا اجماع ہے کہ اندھے کو دوسرے کے پیچھے چلنے سے جس پر اسے اعتماد ہو اور وہ اسے قبلہ کی سمت بتا سکے کوئی چارہ نہیں ہے اسی طرح اس شخص کا معاملہ ہے جو علم نہ رکھتا ہو اور نہ سمجھ کہ بات کو اس طرح نہ جانے کہ اس پر چل سکے تو اس کے لیے ضروری ہے وہ کسی عالم کی تقلید کرے۔

دیکھئے کیا یہاں تقلید کا لفظ اتباع کے معنی میں نہیں بولا جا رہا؟ یہ اعتماداً پیروی کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ اس لفظ سے ان دنوں ہرگز کوئی وحشت محسوس نہ کی جاتی تھی۔

اسی دور میں تاریخ اسلام کی مقتدر علمی شخصیت امام الحرمین معالی عبدالمالک بن عبداللہ بن یوسف الجوینی (۴۷۸ھ) ہوئے ہیں آپ عامی کے لیے اپنے دور کے مفتی کی پیروی ان الفاظ میں لازم کرتے ہیں اس سے اس بات میں کوئی ابہام نہیں رہتا کہ تقلید کا لفظ ان دنوں اتباع کے معنی میں ہی لیا جاتا تھا امام الحرمین لکھتے ہیں:۔

ومما يتعين ذكره ان من وجد فى زمانه مفتيا تعين عليه تقليده ليس له ان يرقى الى مذاهب الصحابة. (غیاث الامم فی التیاث الظلم ص ۴۱۰ تصنیف امام الحرمین)

ترجمہ: اور ان باتوں میں جن کا ذکر لازم ٹھہرتا ہے یہ ہے کہ جو شخص اپنے زمانے میں کسی مفتی کو پالے تو اس پر اس کی تقلید (پیروی) لازم ٹھہرتی ہے اور اسے صحابہؓ کے مذاہب تک پہنچنا صحیح نہیں ہے۔

صحابہؓ کے دور میں اصول فقہ مدون نہ ہوئے تھے وہ حوادث پیش آنے سے پہلے کسی تمہید کے قائل نہ تھے، نہ واقعات پیش آنے سے پہلے انہوں نے فقہ کے اصول وقواعد طے کیے ہوئے تھے اس لیے عامی براہ راست ان کی پیروی میں نہ چل سکتے تھے تاہم اس سے انکار نہیں کہ صحابہؓ کا مقام ائمہ فقہ سے کہیں زیادہ اونچا ہے۔ امام الحرمین آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

فان الصحابة وان كانوا صدور الدين واعلام المسلمين ومفاتيح الهدى، ومصابيح الدجى فماكانوا يقدمون تمهيد الابواب وتقديم الاسباب للوقائع قبل وقوعها. (غیاثی ص ۴۱۱)

ترجمہ: صحابہ کرامؓ اگرچہ دین کے صدر مسلمانوں کے جھنڈے ہدایت کی چابیاں اور اندھیروں کے چراغ ہیں لیکن وہ مسائل کو ابواب میں لانے اور واقعات کے وقوع میں آنے سے پہلے ان کے اسباب کی کوئی تمہید سامنے نہ رکھتے تھے (یعنی اس وقت اصول فقہ مدون نہ تھے لیکن جب علم فقہ مدون ہوا تو اب اس کی تقلید میں پوری کفایت تھی کہیں تشنگی باقی نہ رہی تھی)۔

یہ صحیح ہے کہ فقہ کے بہت سے مسائل ہمیں صحابہ کرامؓ اور کبار تابعین سے مل

جاتے ہیں لیکن وہ باہم مرتب نہیں ملتے۔ پھر انہیں ضرورت کے تحت بیان کیا گیا ہے ایک علمی خاکے میں انکی نشاندہی نہیں کی گئی۔ اصول کے تحت جزئیات بیان کی جائیں گو وہ فرضی اور تقدیری ہوں تو اس سے ایک علمی خاکہ بنتا ہے اور اصول فقہ ہر ایک میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ اور پھر جو مسائل ان میں نہیں آئے وہ بھی ان اصولوں کے تحت خود بخود واضح ہوتے چلے جاتے ہیں اس طرح مسائل فقہ کی تدوین صحابہؓ کے وقت میں نہ ہوئی تھی۔ فقہ کو اصول فقہ کے تحت مجتہدین جن ابواب میں لائے اور اس طرح علم فقہ مدون ہوا یہ وہ اسباب ہیں جن کے باعث امت میں صحابہ کی تقلید جاری نہ ہو پائی اور اس نے ائمہ اربعہ سے اپنی یہ ضرورت پوری کی کسی صحابی سے فقہی جزئیات ہمیں اس پیرایہ میں نہیں ملتیں کہ وہ زندگی کے ہر دائرہ کو شامل ہوں لیکن ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کی فقہ ضرورت کے تمام ابواب کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔

چھٹی صدی کے آخر میں امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) ہوئے ہیں آپ بھی تقلید کا لفظ اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں:۔

ان العامی یجب علیه تقلید العلماء فی احکام الحوادث.

(تفسیر کبیر جلد ۳، ص ۲۷۲)

ترجمہ: عامی آدمی پر نئے پیش آنے والے مسائل میں علماء کی تقلید واجب ہے۔

ساتویں صدی کے دوسرے بزرگ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) حدیث الدین النصیحة کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

وقد یتناول ذلک علی الائمة الذین هم علماء الدین وان من نصیحتهم قبول ماروه وتقلیدهم فی الاحکام واحسان الظن بهم. (شرح صحیح مسلم جلد ۱، ص ۵۴)

ترجمہ: یہ نصیحت خیر خواہی ان ائمہ کو بھی شامل ہے جو علمائے دین ہیں ان سے خیر خواہی کا تعلق یہ ہے کہ ان کی روایت کو قبول کیا جائے اور فروعات میں ان کی تقلید کی جائے اور ان کے بارے میں نیک گمان رکھا جائے (کہ جو کچھ وہ بتا رہے ہیں کتاب وسنت کی روشنی میں ہی

بتا رہے ہوں گے)۔

ساتویں صدی کے ایک نامور مفسر علامہ ابن حیان اندلسی (۶۵۴ھ) جو ادب اور عربیت کے بھی امام تھے وہ بھی لفظ تقلید کو اتباع کا مترادف شمار کرتے ہیں آپ منعم علیہم لوگوں میں چوتھے درجے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

الرابع الصالحون وهم الذين يعرفون الشئي باتباعات وتقليدات الراسخين في العلم. (البحر المحیط جلد۳،ص۲۸۸)

ترجمہ: ان میں چوتھا طبقہ صالحین کا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو حقائق کو اپنے راسخین فی العلم (مجتہد کے درجے پر پہنچے ہوئے اہل علم) کی پیروی اور تقلید سے جانتے ہیں۔

یہاں صریح لفظوں میں تقلید کو اتباع کا مترادف بتلایا گیا ہے۔

اتباع سے یہاں مراد ایک اصول فقہ کی پاسداری ہے عام لوگ مسائل غیر منصوصہ میں اپنے ائمہ کے استنباط کردہ مسائل کی پیروی کرتے ہیں مگر کبار اہل علم جو اصول فقہ کے اسی مکتب کے ہم خیال ہوں وہ قوت دلیل کی بناپر اپنے استنباط واستخراج میں کبھی اپنے امام سے اختلاف بھی کر لیتے ہیں جیسے امام محمد، امام ابوحفص کبیر، امام طحاوی اور امام کرخی بایں ہمہ اختلافات اسی مکتب فکر میں شمار ہوتے ہیں سو یہاں اتباع کا لفظ ایک وسیع مفہوم میں چلتا ہے۔

کسی کی پالیسی پر چلنا قدم قدم پر اس کی پیروی نہیں ہوتا۔اس کے لیے بھی ائمہ کبار کی عبارات میں لفظ تقلید ملتا ہے حضرت علامہ شعرانیؒ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:۔

یاد رکھیے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے کسی آدمی سے ہرگز تعصب مت کرو اور اپنے آپ کو ان لوگوں کی تقلید سے محفوظ رکھو جو امام ابوحنیفہؒ کے حالات اور آپ کے تقوی اور دینی احتیاط سے بے خبر ہیں اور کہتے ہیں کہ امام صاحب کے ادلہ ضعیف ہیں تم ان کی تقلید سے (ان کے) اس قول میں شریک نہ ہوجانا ورنہ تمہارا انجام خسارہ پانے والے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ (میزان کبریٰ مترجم جلد ا،ص ۱۸۶)

یہ کس کی نصیحت ہے؟ ایک شافعی المذہب عالم کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ

اربعہ کے پیروؤں میں اختلافات کے باوجود تعصب وتحزب ہرگز کارفرما نہیں رہا۔ اپنے اپنے موقف پر ہوتے ہوئے بھی وہ دوسروں کے صواب پر ہونے کی علمی گنجائش رکھتے تھے اور پوری وسعت علمی کا اقرار مذهبنا صواب ويحتمل الخطاان کی زبان پر ہوتا تھا۔ کیا آپ نے اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے ہاں بھی کبھی امام ابوحنیفہ یا فقہ حنفی کی یہ تعظیم دیکھی ہے؟ نہیں۔ انہوں نے کبھی کھلے دل سے حنفی فقہ کو صحابہ کے وقت کا ایک خاکہ علم تسلیم نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جو مناظرے آج آپ مقلدین اور غیر مقلدین میں دیکھ رہے ہیں وہ آپ کو ائمہ اربعہ کے پیروؤں میں کہیں دکھائی نہ دیں گے وہ ایک دوسرے کو اصولاً حق پر سمجھتے ہیں اور صحابہ کرام میں پائے جانے والے کسی عمل سے انہیں بغض نہیں ہوتا۔

دیکھئے تقلید کا لفظ یہاں اتباع کے معنی میں ہے نہ یہ کہ ان کی بلا دلیل بات ماننے کی ترغیب دی جارہی ہے ابن حزم ظاہریؒ کے سوا کسی نے ان ادوار میں تقلید کا انکار نہیں کیا اور انہیں ظاہری بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ شریعت کے استنباط واستخراج کے اندرونی مزاج سے ناآشنا تھے۔ جو اجتہاد کا قائل ہو وہی تقلید کا قائل ہوگا جو اجتہاد کا قائل نہ ہو ظاہری ہو اس کے ہاں تقلید کا تصور کیسے جگہ پاسکتا ہے۔ یہ آپ خود سوچیں۔

لفظی بحثوں میں وقت ضائع نہ کریں

تقلید اور اتباع میں کوئی نظری فرق ہو تو اسے اساس بنا کر اختلافات کو ہوا دینا کوئی عقلمندی نہیں۔ تقلید کرنے والے جب اسے اتباع کے معنی میں لیتے ہیں تو دوسروں کو اس پر اعتراض نہ ہونا چاہیے۔ عامی کا مجتہدین کی طرف رجوع کرنا اگر ان کی تقلید نہیں اتباع ہے اور اس اتباع کو غیر مقلدین بھی ناجائز نہیں سمجھتے اور مقلدین تقلید کو اتباع کے معنی میں لیتے ہیں تو کیا اس سے یوں بحث سمٹ نہیں جاتی؟ اور مسئلہ ایک لفظی بحث بن کر نہیں رہ جاتا؟ جس میں محکوم علیہ فریقین کا جدا جدا ہو اگر بات اس طرح ہے تو ہم کہیں گے لفظی بحثوں میں وقت ضائع کرنا داناؤں کا کام نہیں۔

غیر مقلد احباب مقلدین کے مجتہدین کی طرف رجوع کرنے کا نام اتباع رکھ لیں اور انہیں بلا دلیل والے مسائل ماننے کا ملزم نہ ٹھہرائیں تو دونوں اب بھی ایک دوسرے کے بہت قریب ہوسکتے ہیں۔

تقلید کے عرفی معنی

مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی (۱۳۲۰ھ) کو شیخ الکل اس معنی میں کہا جاتا ہے کہ غیر مقلدوں اور جماعت اہلحدیث کا آغاز انہی سے ہوا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

رجوع کرنا عامی کا طرف مجتہدوں کے اور تقلید کرنی ان کی کسی مسئلہ میں تقلید نہ ہوگی بلکہ اس کو اتباع اور سوال کہیں گے اور معنی تقلید کے عرف میں یہ ہیں کہ وقت لاعلمی کے کسی اہل علم کا قول مان لینا اور اس پر عمل کرنا اور اسی معنی عرفی میں مجتہدین کی اتباع کو تقلید بولا جاتا ہے۔ (معیار الحق ص ٦٦)

میاں صاحب کی مراد یہ ہے کہ مجتہدوں کی پیروی کے لیے شریعت میں دلائل موجود ہیں جیسے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون اس لیے ان کی پیروی کو اصولاً تقلید نہیں کہہ سکتے ہم کہتے ہیں اصولاً نہ سہی عرفاً تو اسے ہی تقلید کہتے ہیں اور یہ آپ بھی مانتے ہیں تو کیا یہ موضوع صرف ایک لفظی بحث نہیں رہ جاتا؟ یہ بات دونوں فریق کو تسلیم ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں کتاب وسنت کے بعد ہم اتباع سلف کے مامور ہیں آپ اسے تقلید نہ کہیں نہ سہی محض لفظوں کا اختلاف اہل علم کے ہاں پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا؟

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ لکھتے ہیں:۔

ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اتباع سلف کے مامور ہیں تقلید سلف کے مامور نہیں۔ (تقلید شخصی وسلفی ص ۴۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے ہاں بھی یہ ایک لفظی نزاع ہے انہیں صرف اس لفظ سے چڑ ہے اسکے معنی اور مفہوم سے نہیں۔

تقلید کے عرفی معنی اتباع سے مختلف نہیں ہیں مسلم الثبوت میں ہیں:۔

ولکن العرف علی ان العامی مقلد للمجتھد قال الامام وعلیه معظم الاصولیین. (مسلم الثبوت ص ۲۸۹)

ترجمہ: عرف یہی ہے کہ عامی مجتہد کا مقلد ہے امام الحرمین فرماتے ہیں بڑے بڑے علماء اصول سب اسی پر ہیں۔

میاں نذیر حسین صاحب نے معیار الحق میں فاضل قندھاری کی کتاب مغتنم الحصول سے جو عبارت نقل کی ہے اس کا ترجمہ خود میاں صاحب سے ہی سنیں:

مشہور یوں ہو گیا ہے کہ انجان مجتہد کا مقلد ہے امام الحرمین (۴۷۸ھ) نے کہا ہے کہ اسی پر بڑے بڑے اصولی ہیں اور امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) اور آمدیؒ (ھ) اور ابن حاجبؒ نے کہا ہے کہ رجوع کرنا آنحضرتؐ اور اجماع اور مفتی اور گواہوں کی طرف اگر تقلید قرار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (معیار الحق ص ترجمہ از میاں صاحب)

تقلید کا لفظ اتباع کے معنی میں ہم حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) امام جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) امام الحرمین (۴۷۸ھ) امام فخرالدین رازیؒ (۶۰۶ھ) علامہ ابن حیان اندلسی (۶۵۴ھ) اور امام نوویؒ (۶۷۲ھ) کے حوالوں سے آپ کے سامنے پیش کر آئے ہیں۔ امام الحرمین پانچویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں علامہ محب اللہ بہاریؒ (۱۱۱۹ھ) صاحب مسلم الثبوت بارھویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں ان بارہ صدیوں میں لفظ تقلید کبھی کسی علمی بحث میں کسی برے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔

اب انگریزوں کے اس ملک میں آنے کے بعد یہ نئے نئے فرقے کیا اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو مسلمانوں کے تیرہ صدیوں کے اتحاد واتفاق کو فرقہ بندی کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔

لغۃ قلادہ صرف پٹکے کو نہیں ہار کو بھی کہتے ہیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت اسماءؓ سے عاریۃ ہار لیا اسے امام بخاریؒ ان لفظوں میں روایت کرتے ہیں:

استعارت من اسماء قلادة.

(صحیح بخاری جلد ۱، ص ۵۳۲ صحیح مسلم جلد ۱، ص ۱۶۰)

ترجمہ: آپ نے اسماء سے عاریۃ ہار لیا۔

معلوم ہوا انسان کے لیے یہ لفظ وارد ہو تو اس کے معنی ہار کے ہوں گے پٹکے کے نہیں معترضین کو خواہ مخواہ جانوروں کی صف میں نہ آنا چاہیے۔

لفظوں سے کھیلنا اور محض استہزاء سے قوم میں انتشار پیدا کرنا ہرگز کسی بھی خواہ

ملت کا کام نہیں ہوسکتا ہم یہاں اس کے سوا کیا کہ سکتے ہیں۔ آغا تیغ درمیان کن

ائمہ اصول کے ہاں تقلید کی تعریف

عمدۃ المحدثین حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانی خیر المدارس ملتان النامی شرح حسامی سے نقل کرتے ہیں:۔

التقليد اتباع الغير على ظن انه محق بلانظر فی الدلیل.

(النامی شرح الحسامی ص۱۹۰ مطبع مجتبائی دہلی)

ترجمہ: تقلید دوسرے کی اتباع کا نام ہے اس اعتقاد سے کہ وہ حق بات کہہ رہا ہے بغیر دھیان کیے اس کی دلیل میں۔

حضرت مولانا جالندھریؒ اس پر لکھتے ہیں:۔

یہ عبارت بھی تقلید اور اتباع کے ایک ہونے پر صراحت سے دال ہے اور اس میں لفظ الدلیل پر لام عہد کے لیے ہے یعنی وہ خاص دلیل جس کو مجتہد نے پیش نظر رکھ کر اجتہاد کیا ہے اور من غیر نظر الی الدلیل اور من غیر تأمل فی الدلیل اور من غیر مطالبۃ الدلیل میں اسی خاص دلیل کی طرف اشارہ ہے اس دلیل سے وہ دلیل مراد نہیں جو مقلد اپنی طرف سے پیش کرتا ہے۔ (خیر التنقید فی سیر التقلید ص۱۳)

قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ اپنی مایہ ناز کتاب کشاف اصطلاحات الفنون میں لکھتے ہیں:۔

التقليد اتباع الانسان غيره فيما يقول اويفعل معتقداً للحقية من غير نظر الى الدليل كانَّ هذا المتبع جعل قول الغيراو فعله قلادة فی عنقه من غير مطالبة دليل. (کشاف ص۳۱)

ترجمہ: تقلید دوسرے انسان کی اس کے قول یا فعل میں پیروی کا نام ہے بایں گمان کہ وہ صحیح کہہ رہا ہے اس کی دلیل میں نظر کیے بغیر اس اتباع کرنیوالے نے گویا اس دوسرے کے قول یا فعل کو بغیر اس سے مطالبہ دلیل کیے اپنے گلے کا ہار بنالیا ہے۔

یہاں بھی تقلید کی تعریف لفظ اتباع سے کی گئی ہے تقلید اتباع کے معنی میں ہے اب اس پر تیسری شہادت بھی لیں۔

ابن الملک شرح منار میں ہے:۔

وھوعبارة عن اتباعه فی قوله اوفعله معتقداللحقیة من غیر تامل فی الدلیل. (شرح منار مصری ص۲۵۲ سبیل الرشاد ص۲۷)

ترجمہ: تقلید سے مراد اس دوسرے کی اتباع ہے اس کے قول میں یا اس کے فعل میں بایں اعتقاد کہ وہ حق کہہ رہا ہے بغیر اس کی دلیل کا انتظار کیے۔

تقلید مقلدین کے ہاں اتباع کے معنی میں ہے آیئے اب اس پر چوتھی شہادت بھی لے لیں۔ لیکن یہ انصاف نہیں ہے کہ تقلید کریں تو مقلدین مگر اس کا معنی بیان کریں غیر مقلدین اس سے زیادہ کھلا مذاق علم سے کیا ہوگا سرخیل علماء دیوبند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی یہ عبارت آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔

اتباع اور تقلید کے معنی واحد ہیں۔ (سبیل الرشاد ص۲۷)

ان چار شہادتوں کے بعد مسلم الثبوت کی عبارت میں بھی مضاف محذوف ماننا ضروری ہوگا "**من غیر حجة**" کو "**من غیرمطالبة حجة**" سمجھا جائے گا۔

التقلید العمل بقول الغیرمن غیر حجة. (مسلم الثبوت ص۲۸۹)

ترجمہ: تقلید کسی دوسرے کے قول پر بغیر مطالبہ دلیل عمل کرنے کا نام ہے۔

من غیر حجۃ عمل سے متعلق ہے یعنی وہ اس پر دلیل مانگے بغیر اس پر عمل کرتے ہیں غیر مقلد علماء عوام کو مغالطہ دینے کے لیے اسے قول سے متعلق کرتے ہیں اور معنی یوں کرتے ہیں:۔

تقلید دوسرے کے قول کو جس پر کوئی دلیل موجود نہ ہو ماننے کا نام ہے۔ **اعاذنا اللہ من الجھل وسوء الظن.**

ایک متوازی شہادت بھی لیجیے:۔

التقلید ھو العمل اعتماد اعلی فتوی المجتھد ولایتحقق بمجرد تعلم فتوی المجتھد ولابالالتزام بھا من دون العمل.

(منہاج الصالحین جلد۲، ص طبع بیروت)

ترجمہ: تقلید اس عمل کا نام ہے جو مجتہد کے فتویٰ پر اعتماد (کہ یہ قرآن وسنت کے مطابق ہوگا) کر کے کیا جائے تقلید امام مجتہد کے فتویٰ

کوصرف جاننے یا اسے ماننے کا نام نہیں جو اس پر عمل کے بغیر ہو
(تقلید کا تحقق عمل سے ہی ہوتا ہے)۔

تقلید اگر کسی ایسے قول کو ماننے کا نام ہوتا جس پر کوئی دلیل موجود نہ ہوتو اس بے دلیل بات کے لیے مجتہد کی ہی تلاش کیوں ہوتی کسی عامی کی بات لے کر اس کی پیروی کیوں نہ کر لی جاتی۔

یہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ عامی علت حکم جانے بغیر عالم کے قول پر اعتماد اعمل نہیں کر سکتا خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں:۔

وحکی عن بعض المعتزلة انه قال لایجوز للعامی العمل بقول العالم جتی یعوف علة الحکم. (الفقیہ والمتفقہ جلد۲،ص۶۹)

ترجمہ: بعض معتزلہ سے مروی ہے کہ عامی کے لیے کسی عالم کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں جب تک کہ وہ علت حکم کو نہ پہچان لے۔

وہ غیر مقلد علماء جو تقلید کے جوش مخالفت میں یہ معتزلہ والا عقیدہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اپنے اس عقیدے سے وہ اہل سنت کی صف سے نکل جاتے ہیں پھر ان کا اپنے آپ کو اہلحدیث کہنا معلوم نہیں کس جہت سے درست ہوگا۔

علامہ خطیب بغدادیؒ اس عقیدے پر اس طرح جرح کرتے ہیں:۔

وھذا غلط لانه لاسبیل للعامی الی الوقوف علی ذلک الابعد ان یتفقه سنین کثیرة ویخا لط الفقھاء المدة الطویلة ویتحقق طرق القیاس ویعلم مایصححه ویفسده وما یجب تقدیمه علی غیره من الادلة وفیه تکلیف مالا یطیقونه ولا سبیل لھم الیه. (الفقیہ والمتفقہ جلد۲،ص۶۹)

ترجمہ: یہ غلط ہے کیونکہ عامی آدمی کی علل حکم پر واقف ہونے کی کوئی راہ نہیں بغیر سالہا سال کی فقہ کی تعلیم کے اور مدت دراز تک فقہاء کی مجلس پانے کے اور قیاس کے طریقوں کے معلوم کرنے کے اور یہ جاننے سے کہ کون سی باتیں اسے صحیح ٹھہراتی ہیں اور کون سی اسے فاسد کرتی ہیں اور یہ کہ کس دلیل کو کس پر مقدم کیا جائے اور اس میں عامۃ الناس کو

اس کی تکلیف دینا ہے جو ان کی طاقت سے بالا ہے اور یہ ان میں کبھی نہ ہو سکے گی۔

علامہ سیف الدین آمدیؒ (ھ) کی عبارت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ تقلید کے اس درجہ کے مخالفین اس کے جوش مخالفت میں معتزلہ کی صف میں جا بیٹھے ہیں علامہ آمدیؒ قاعدہ ۳ کے دوسرے باب میں لکھتے ہیں:۔

العامی ومن لیس له اهلیة الاجتهادو ان کان محصلا لبعض العلوم المعتبرة فی الاجتهاد یلزمه اتباع قول المجتهدین والاخذ بفتواه عند المحققین من الا صو لیین ومنع من ذلک بعض معتزله البغداد یین. (احکام الاحکام لآمدی جلد۴، ص۱۹۷)

ترجمہ: عامی شخص اور وہ شخص جو عامی تو نہیں لیکن وہ مجتہد بھی نہیں اگر چہ وہ بعض علوم معتبرہ کا عالم ہو اسے مجتہدین کے قول کی پیروی کرنا اور اس کے فتویٰ پر فیصلہ دینا لازم ہے محققین علماء اصول کا یہی فیصلہ ہے اگر چہ بغداد کے بعض معتزلہ نے اس سے روکا ہے (وہ کہتے ہیں کہ دلیل معلوم کیے بغیر کسی کے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں)

اب پندرھویں صدی میں بعض علمائے اہلحدیث نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ لفظ تقلید اتباع کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے کسی ایسے معنی میں نہیں کہ اس سے وحشت پیدا ہو۔ انگلینڈ میں ایرانی انقلاب کی حمایت میں اٹھنے والے لوگوں میں ڈاکٹر کلیم صدیقی معروف شخصیت ہیں آپ نے مدت سے اس بات کی تحریک چلا رکھی ہے کہ یہاں مسلمان شیعوں کو کافر نہ کہیں اور ان سے اپنے اختلافات کو فروعی سمجھیں اس غرض کے لیے انہوں نے یہاں ایک مسلم پارلیمنٹ قائم کر رکھی ہے جس کے ڈپٹی سپیکر مولانا عبدالوہاب اچھروی ہیں اس مسلم اتحاد میں علماء اہلحدیث کے نمائندے مولانا محمد عبدالهادی جنرل سیکرٹری جمعیت اہلحدیث برطانیہ ہیں شیعوں کے عالم ان کے ساتھ محمد سرور سبزواری ہیں اور سنیوں کے مولانا عبدالرشید صاحب دینہ ضلع جہلم والے ان کے ساتھ ہیں۔

ان علماء نے ۱۰ جنوری ۱۹۹۳ء کو اپنی آیندہ پالیسی کا اعلان ان لفظوں میں کیا تھا:۔

''ہم ایک دوسرے پر کفر کے فتوے نہیں لگائیں گے۔''

اور عوام سے مطالبہ کیا ہے:۔

"اب عوام کو بھی ہماری تقلید میں چھوٹے چھوٹے اختلافات بھلا دینے چاہئیں"۔

جمعیت اہلحدیث برطانیہ کا لوگوں سے یہ تقلید کا مطالبہ اس ذہن کی خبر دیتا ہے کہ اب ان کے ہاں بھی یہ لفظ اتباع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس میں وہ ہر گز کوئی وحشت محسوس نہیں کرتے۔ ہم جمعیت اہلحدیث برطانیہ کے ساتھ اس اقرار میں متفق نہیں کہ شیعہ کے ساتھ ہمارے اختلافات فروعی ہیں لیکن اتباع کے لیے ان کا لفظ تقلید اختیار کرنا پتہ دیتا ہے کہ جو بات حضرت گنگوہیؒ نے اس سے ایک صدی پہلے کہی تھی جمعیت اہل حدیث برطانیہ نے اب ۱۹۹۳ء میں اسے تسلیم کر لیا ہے۔ مولانا عبدالہادی عمیری جنرل سیکرٹری جمعیت اہلحدیث برطانیہ کا یہ اقرار کہ تقلید اور اتباع کا معنی ایک ہے روزنامہ جنگ لندن ۱۰ جنوری ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔

پیشتر اس کے ہم اس بحث کو ختم کر کے حدود فقہ کی بحث شروع کریں یہاں تین سوالوں کا جواب دینا ضروری ہے

سوال ۱:

مقلد کو اپنے علم اور مطالعہ سے اگر کچھ دلائل میسر ہو جائیں جو اس کے امام کے فتوے کے مطابق ہوں مگر مقلد کو اپنے اس علم پر بھروسہ نہ ہو اور وہ اپنے امام کے اعتماد سے ان دلائل کو وزن دے اور اپنے علم کو کلیۃ کافی نہ سمجھے تو کیا وہ اپنے مسئلے کے یہ دلائل جاننے سے تقلید سے نکل آئے گا؟ یا وہ بدستور مقلد رہے گا؟

جواب:۔ اتنے علم سے تقلید سے نہ نکلے گا جو دلائل اس کے پاس ہیں ان پر اس کی مجتہدانہ نظر نہیں وہ اپنے امام کے علم پر اعتماد کر کے اس سے اس کی دلیل معلوم کیے بغیر اس مسئلے پر عمل کر رہا ہے گو اس کا اپنا مطالعہ اس کی تائید میں موجود ہے مگر اس کے امام نے جس خاص دلیل پر اپنے فیصلے کی بنیاد رکھی وہ تو اسے معلوم نہیں ہے۔

سوال ۲:

کیا تقلید مرتبہ جہل کا نام ہے؟

تقلید صرف اسی صورت میں نہیں کہ سائل کو بات کا مطلق پتہ نہ ہو اگر اسے مسئلے کی دلیل معلوم ہے مگر اسے اپنے علم پر کافی بھروسہ نہیں وہ کسی مجتہد کی طرف رجوع کرتا ہے

اور اس کی بات اس کے مطابق اترتی ہے اور وہ مجتہد کی بات تسلیم کرنے میں اسکی دلیل کا محتاج نہیں اسے اپنے علم پر بھروسہ نہ تھا مجتہد کی بات اس سے دلیل پوچھے بغیر اسے معلوم ہوگئی اور اب اسے اپنی دلیل پر بھروسہ ہوا تو چونکہ اس نے مجتہد کی بات اس سے دلیل پوچھے بغیر قبول کی تو اس کی قبولیت سے وہ تقلید سے باہر نہ ہوا اس سے پتہ چلا کہ تقلید مرتبہ جہل کا نام نہیں اس کے ساتھ کچھ علم جمع بھی ہوسکتا ہے۔

اسی طرح اس نے اگر پہلے مجتہد کی بات پر اس سے دلیل پوچھے بغیر عمل کرلیا بعد میں اسے اس پر اپنے علم سے کچھ دلائل بھی مل گئے مگر اسے ان مسائل اجتہادیہ میں بھروسہ اس مجتہد پر ہی رہا تو بھی وہ شخص اپنے اس عمل میں تقلید پر رہا تقلید سے باہر نہیں ہوا۔

دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات مولانا سید مرتضی حسنؒ (۱۳۷۱ھ) تقلید کے معنی لکھتے ہیں:۔

یہ معنی بھی ہے کہ غیر کا قول تسلیم کرنے میں دلیل کا محتاج نہ ہو تسلیم قول غیر دلیل پر موقوف نہ ہو جیسے صاحب ہدایہ فتح القدیر عنایہ بنایہ اور امام طحاویؒ وغیرہ سب مقلد ہیں حالانکہ ان کے دلائل بھی مشرح ہیں تو یہ لوگ باوجود علم بالدلیل کے نہ تو تقلید سے خارج تھے اور نہ ہی لوگ ان کو غیر مقلد سمجھتے تھے۔ (تنقیح التقلید ص ۲۹)

اس سے پتہ چلا کہ تقلید مرتبہ جہل کا نام نہیں ایسا علم جو مجتہدانہ درجے کا نہ ہو ہرگز تقلید کے خلاف نہیں ہے۔

سوال ۳:

عامی مجتہد کو کیسے پہچانے

مقلد کے پاس خود تو اتنا علم نہیں کہ وہ مجتہد کو پوری طرح پہچان سکے نہ وہ افضل اور مفضول کے درمیانی فاصلے پہچان سکتا ہے لیکن اگر کسی شخص کے بڑا عالم یا متقی ہونے کی خبریں اسے بتواتر ملیں اور وہ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگوں کو اس کی طرف رجوع کرتا پائے تو باوجود عامی ہونے کے اس کے سامنے ایک ایسا عرف ضرور معروف ہوجاتا ہے جس سے وہ کسی ایسے شخص کو مان سکے جس کے فتوئی پر وہ بغیر اس سے دلیل پوچھے پورے بھروسے سے عمل کر سکے اور اسے کوئی خلجان لاحق نہ ہو۔

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) ایک ایسے شبے کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ویعلم فضل الطبیبین بتواتر الاخبار وباذعان المفضول له وبتقویمه بامارات تفید غلبة الظن فکذلک فی حق العلماء یعلم الافضل بالتسامع وبالقرائن دون البحث عن نفس العلم والعامی اهل له فلا ینبغی ان یخالف الظن بالتشهی فهذاهوالاصح عندنا والا لیق بالمعنی الکلی فی ضبط الخلق وبلجام التقوی والتکلیف۔ (المستصفی جلد۲،ص۱۲۶)

ترجمہ: طبیب کونسا ماہر اور تجربہ کار ہے اس کا پتہ لوگوں کو (باوجودیکہ وہ علم ادویہ نہیں رکھتے) متواتر خبروں سے ملتا ہے یا اس سے کہ چھوٹے درجے کے طبیب اس کی بات مانتے ہوں اور اسے بڑا سمجھتے ہوں یاان علامات کہ اس سے غلبہ ظن حاصل ہوجائے۔ اسی طرح علماء میں اعلم کا پتہ اس کی عام شہرت اور اس قسم کے دوسرے قرائن سے کیا جاتا ہے بغیر یہ جانے کہ علم کیا ہے اور عامی آدمی اتنی بات (وہ طبیب کے بارے میں ہو یا عالم کے بارے میں) جاننے کا اہل ہے (یہ جان سکتا ہے)۔ پس اسے نہ چاہیے کہ اس طرح جو گمان غالب ہو اس کی مخالفت محض اپنے ذوق سے کرے ہمارے نزدیک یہی صحیح فیصلہ ہے اور یہی بات اس اصول کلی کے لائق ہے جس سے مخلوق خدا ایک ضابطے میں رہ سکتی ہے اور اسے تقویٰ اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی لگام دی جاسکتی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے یہاں تقلید کو گھوڑے کی لگام سے تشبیہ دی ہے منہ زور گھوڑے کی روک تھام اس کے بغیر ممکن نہیں جو لوگ قرآن وحدیث میں فقہ سنت اور فہم امت کو سامنے رکھے بغیر پوری آزادی فکر سے چلتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔

جب عام لوگ قرآن وحدیث کے اردو ترجموں سے دین سمجھنا شروع کر دیں اور انہیں دین میں فقہ کی ہوا بھی نہ لگی ہو تو وہ اس صف میں نہیں آتے جنہیں قرآن ہدایت دیتا ہے وہ اس فہرست کے لوگ ہیں جو قرآن سے گمراہی پاتے ہیں:۔

يضل به كثيرا ويهدي به كثير اوما يضل به الا الفاسقين

(پ ا، البقرہ:۲۶)

ترجمہ: گمراہ کرتا ہے اللہ اس مثال سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو اور گمراہ نہیں کرتا اس مثل سے مگر بدکاروں کو۔

اسی طرح آزاد مطالعہ حدیث بھی انہیں گمراہی کے سوا کچھ نہیں دیتا فقہ کے بغیر حدیث کی طلب جیسا کہ لوگ آج کل صحیح بخاری کا اردو ترجمہ اٹھائے دین سے جاہل لوگوں کو اس پر عمل کی دعوت دیتے ہیں بالکل ناجائز ہے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اس آزاد مطالعہ حدیث سے بڑے بڑے فتنوں نے جنم لیا ہے علماء قرون اولی اس قسم کے آزاد مطالعہ حدیث کو حرام کے قریب سمجھتے تھے اور یہ صرف ایک دو عالموں کی رائے نہ تھی ایک جماعت کی جماعت کا یہ فتویٰ تھا حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۲ھ) لکھتے ہیں:۔

اماطلب الحديث على مابطلبه كثير من اهل عصرنا اليوم دون تفقه فيه ولا تدبر لمعانيه فمكروه عند جماعة اهل العلم. (جامع بیان العلم جلد۲، ص ۱۲۷)

ترجمہ: حدیث کا مطالعہ بغیر فقہ اور اس کے معانی میں غور کرنے کے بغیر کرنا جیسا کہ ہمارے زمانے کے بہت سے لوگوں نے کرنا شروع کردیا ہے اہل علم کی ایک جماعت نے اسے مکروہ ٹھہرایا ہے۔ (اس میں آپ کا اشارہ ابن حزم ظاہری کی روش اختیار کرنے والوں کی طرف ہے)

تقلید اور شیعہ

شیعہ بھی فروع دین میں تقلید مجتہد کے قائل ہیں لیکن ان کی تقلید میں اور اہلسنت کی تقلید میں کچھ اصولی فرق ہے اہلسنّت کے ہاں تقلید ائمہ میں اماموں کے شارع ہونے کا کوئی گمان نہیں ہوتا مگر شیعہ کے ہاں مجتہد کو اپنے مقلدین پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے

شیعہ کے ہاں ہر انسان کو تین باتوں میں سے کسی ایک موقف پر ضرور ہونا چاہیے

۱۔ مجتہد ہو　　　۲۔ محتاط عمل کا ہو　　　۳۔ مقلد ہو

مقلد جس کی تقلید کرے اس کے لیے یہ چند شرائط ہیں:۔

ا۔ وہ مجتہد زندہ ہو۔

۲۔ عاقل ہو عادل ہو۔

۳۔ نیک اور متقی ہو۔

شیعہ کے مشہور عالم محمد التیجانی السماوی اپنی کتاب لاکون مع الصادقین میں لکھتے ہیں:۔

اجتہاد بہت ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقهه فی الدین

ترجمہ: جب خدا اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر کرنا چاہتا ہے تو اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔

یہی چیزیں اہلسنت کے یہاں بھی ضروری ہیں اور انہیں شرائط کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن مجتہد کا زندہ ہونا ان کے یہاں شرط نہیں ہے وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس ہدایت پر چلتے ہیں۔

من کان مستنًا فلیستن بمن قُدمات فان الحیی لاتومن علیه الفتنة

ترجمہ: جس نے کسی کی پیروی کرنی ہو سو وہ اسکی پیروی کرے جو فوت ہو چکا ہو کیونکہ جو زندہ ہے وہ فتنہ سے محفوظ نہیں (مشکوٰۃ ص ۳۲)

البتہ تقلید پر عمل کرنے کے سلسلہ میں شیعہ اور سنی میں واضح اختلاف موجود ہے کیونکہ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جو مجتہد شرائط مذکورہ کا جامع ہوتا ہے وہ زمانہ غیبت میں امام کا نائب ہوتا ہے وہی حاکم اور رئیس مطلق ہے جس طرح لوگوں کے قضایا اور لوگوں میں امام کو حق ہوتا ہے وہی حقوق مجتہد جامع الشرائط کو بھی ہوتے ہیں شیعوں کے نزدیک مجتہد جامع الشرائط صرف مرجع ہی نہیں ہوتا کہ اس سے فقط فتاوی حاصل کیے جائیں بلکہ اس کو اپنے مقلدین پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے اسی لیے تمام مقلدین احکام میں اور اپنے لڑائی جھگڑے میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اسی کو خمس وزکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ مجتہد اس مال کو امام کی نیابت میں شرعی امور میں خرچ کرتا ہے۔ تیجانی لکھتا ہے:

''اہلسنت کے یہاں مجتہد کو یہ اختیارات نہیں حاصل ہوتے کیونکہ وہ لوگ یہ نہیں مانتے کہ امام رسول خدا کا نائب ہوتا ہے وہ لوگ صرف فقہی مسائل میں چار اماموں امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرتے ہیں۔'' (دیکھئے لاکون مع الصادقین ص ۲۱۷ مترجم)

یہ ایک غیر جانبدارانہ شہادت ہے کہ اہلسنت کے ہاں تقلید کا جو عمل ہے اس میں شرک فی الرسالۃ کا ہرگز کوئی ابہام نہیں ہے وہ امام کو نائب رسول کی حیثیت سے نہیں ایک مجتہد کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ اور یہ اسی طرح کا ماننا ہے جیسے کوئی فن نہ جاننے والا شخص اسی فن میں اس فن کے جاننے والے پر اعتماد کرے اور اس سے اس فن کی تحقیق میں نہ الجھے بلا مطالبہ دلیل اس کی بات مانے۔ شیعہ چونکہ اس کے برعکس چلے ہیں اس لیے اہل سنت کے بارے میں ان کی یہ شہادت غیر جانب دارانہ ہے۔

نجف اشرف کے مجتہد ملا محمد کاظم خراسانی کے فتاوے ذخیرہ العباد کے نام سے چھپے ہوئے ہیں ۱۹۱۳ء میں سنٹرل ماڈل سکول لاہور کے مدرس شریف حسین سبزواری بریلوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا اس کا پہلا باب تقلید پر ہے اس میں ص ۷ پر یہ سوال وجواب دیکھئے:۔

س: میت کی تقلید پر قائم رہنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: جائز نہیں

شیعہ اثناعشریہ کے ہاں اس طرح بھی تقلید کرسکتا ہے کہ بعض مسائل میں ایک مجتہد کی تقلید کرے اور بعض میں دوسرے مجتہد کی لیکن یہ دونوں علم میں مساوی ہونے چاہئیں ص ۹

اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے عوام بھی اپنے علماء کی تقلید کرتے ہیں دلیل سمجھنے اور پرکھنے کی ان میں استعداد نہیں ہوتی سو جب یہ تقلید کی مخالفت کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد مرحومین کی تقلید ہوتی ہے نہ کہ زندوں کی۔ زندوں کی تقلید تو خود انکے ہاں بھی عام ہو رہی ہے۔

ایک عامی تراجم حدیث کے آزاد مطالعہ سے بھی عامی نہیں سمجھا جاتا گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل تقلید کو آزادی فکر کے خلاف سمجھتے ہیں اس عنوان میں یہ بھی اقرار ہے کہ تقلید عام لوگوں کی آزادی فکر میں ایک روک ہے یہ حدیث کے خلاف کوئی تحریک نہیں ہے۔

ہندوستان میں چودہویں صدی کے آغاز میں آزاد مطالعہ حدیث کی یہ رو نہ چلتی تو قادیانیت کو کبھی برگ و بار نہ لگتے نہ غیر مقلدین علیحدہ جماعت بندی کرتے اور نہ فروعات پر جمہور امت سے علیحدہ ہوتے نہ امت کو مولوی عبداللہ چکڑالوی اور فتنہ انکار حدیث کا سامنا کرنا پڑتا والی اللہ المشتکی

زاجتہاد عالماں کوتاہ نظر اقتداء رفتگاں محفوظ تر

تقلید کی ان متعدد مباحث کے بعد یہ بھی جاننا چاہیے کہ تقلید کی حدود کیا ہیں اور کس قسم کے مسائل میں مجتہدین کی پیروی کی جاسکتی ہے اسے آپ حدود تقلید میں مطالعہ فرمائیں۔

حدود تقلید

(موضوع فقہ)

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

ہماری دینی زندگی کے تین دائرے ہیں ا۔ عقائد ۲۔ احکام ۳۔ واردات قلبیہ۔ ان میں تقلید کی ضرورت کہاں پڑتی ہے ہم اسے حدود تقلید کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔

اسلام کے عقائد اور اصول اتنے کھلے اور واضح ہیں کہ ان میں تقلید کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بنیادی عقائد سب تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں ان میں کوئی موضوع ایسا نہیں جس میں کوئی بات بیان کرنے سے رہ گئی ہو۔ جہاں تک احکام کا تعلق ہے یہ ہر دور میں نئی نئی صورتوں میں سامنے آتے ہیں اور فقہاء ہر دور میں ضرورتوں اور حالات کے مطابق ان کا حل قوم میں پیش کرتے ہیں اس تخریج میں وہ اپنے امام کے اصولوں پر چلتے ہیں تقلید کی ضرورت ان احکام میں ہے۔ رہے وہ امور جو تزکیہ قلب سے تعلق رکھتے ہیں یہ ظاہری احکام عمل نہیں نہ یہ دائرہ فقہ میں آتے ہیں ان کا موضوع تصوف ہے۔

عقائد میں ذات وصفات کی بحث میں تاویل وتفویض کے دو مسلک ہیں۔ بہتر راہ تفویض کی ہے کہ اسے خدا کے سپرد کیا جائے ان میں اور کوئی تاویل نہ کی جائے لیکن معتزلہ کے جواب میں متکلمین نے اگر کہیں کوئی تاویل کی ہے تو ان پر انکار بھی نہ کیا جائے۔ جس طرح امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ یا امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ائمہ ہدی ہیں اسی طرح امام ابوالحسن الاشعریؒ اور امام ابوالمنصور ماتریدیؒ بھی ائمہ اہل سنت میں سے ہیں۔ ان میں سے کسی کی تضلیل وتفسیق جائز نہیں ہے، اختلاف اور بات ہے۔

عقائد میں ان کی موافقت تو ہو سکتی ہے لیکن پیروی نہیں پیروی کا تعلق عمل سے ہے اور اسلام میں اعمال کا دائرہ احکام ہیں اور تقلید صرف احکام میں ہوتی ہے۔ اصلاح باطن

اور تزکیہ قلب کے لیے اہل سلسلہ نے جو طریق علاج بتلائے ہیں وہ احکام کے ذیل میں نہیں آتے یہ اپنی اپنی واردات ہیں۔ سو عقائد اور تزکیہ قلوب میں تقلید نہیں، تقلید کا تعلق صرف احکام سے ہے عقائد اور اعمال قلب سے نہیں۔

تعجب ہے کہ گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل سلفی اتنی بات نہ سمجھ سکے اور اہلسنت کی ان تین نسبتوں میں حدود تقلید انہیں معلوم نہ ہوسکیں۔ آپ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

> ارباب تقلید کا عجیب حال ہے وہ بیک وقت تین اماموں کی تقلید کرتے ہیں عقائد میں ابوالحسن اشعری یاماتریدی کی، تصوف میں ان کی نظریں شیخ عبدالقادر جیلانی اور باقی متعارف سلاسل کی اقتداء کے لیے بے قرار ہوتی ہیں اور فروع فقہیہ میں وہ ائمہ اربعہ کی تقلید کو واجب فرماتے ہیں اس کے باوجود انہیں شبہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ غیر مقلد ہیں۔ (مقدمہ ترجمہ قرآن ص ۲۶ فاروقی کتب خانہ ملتان)

زمانہ بدلنے سے عقائد نہیں بدلتے نہ زمانے کی رفتار تصوف پر کسی طور اثر انداز ہوتی ہے یہ صرف فروع فقہیہ ہیں جو ارتقاء زمانہ کے ساتھ بدلتی ہیں۔ فقہاء عصر اس کے ساتھ ساتھ استنباط واستخراج کرتے ہیں۔ تقلید کی حدود احکام تک ہیں عقائد وتصوف دائرہ فقہ میں نہیں آتے۔ پھر اگر اہلسنت ان تین دائروں میں تین اماموں کی تقلید کرتے بھی ہیں تو مولانا محمد اسماعیل صاحب ان کو یہ الزام دے سکتے تھے کہ وہ تقلید شخصی پر نہیں رہے تین ائمہ کے مقلد ٹھہرے۔ لیکن معلوم نہیں مولانا نے اس صورت حال میں انہیں غیر مقلد کیسے سمجھ لیا یہ بات ہمیں سمجھ میں نہیں آئی ورنہ ہم انہیں علم کی داد ضرور دیتے۔

عقائد میں اجتہاد نہیں ہوتا

عقائد میں اجتہاد نہیں ہوتا اجتہاد کا موضوع احکام ہیں یہ احکام ہیں جن میں علت حکم کی تلاش ہوتی ہے عقائد میں کبھی علت کی تلاش نہیں ہوتی۔ اسی طرح واردات قلبیہ میں بھی اجتہاد نہیں ہوتا اجتہاد وہیں ہوتا ہے جہاں کوئی بات پردے میں ہو واردات قلبیہ میں پردے اٹھتے ہیں اٹھتے نہیں، سو اجتہاد کا موضوع صرف احکام ہیں۔

اجتہاد اور تقلید ایک دوسرے کے مقابلے کے لفظ ہیں جن دائروں میں اجتہاد ہو سکے گا تقلید کی حدود بھی وہیں ہوں گی۔ جب اجتہاد کا موضوع احکام ہیں تو تقلید کی ضرورت بھی احکام میں ہوگی عقائد میں نہیں عقائد اور واردات قلبیہ فقہ کے دائرہ میں نہیں آتے۔

مشرکین جو تقلید آباء کرتے تھے وہ عقل واہتداء کے بغیر تھی اور عقائد میں بھی یہ تقلید بے شک مذموم ہے سورۂ ہود کی آیت مایعبدون الاکما یعبد اباء ھم کے تحت علامہ اسماعیل حقیؒ لکھتے ہیں:۔

وفی الایة ذم التقلید وھی قبول قول الغیر بلا دلیل وھو جائز فی الفروع والعملیات ولایجوزفی اصول الدین والاعتقادیات بل لا بدمن النظر والاستدلال. (روح البیان جلد)

ترجمہ: اور اس آیت میں تقلید کی مذمت ہے اوراس سے مراد کسی دوسرے کی بات کو بلاطلب دلیل قبول کرنا ہے اور وہ صرف فروعی مسائل میں جائز ہے اور یہ (تقلید) اصول دین میں جائز نہیں نہ اعتقادیات میں یہ چل سکتی ہے ان میں نظرواستدلال سے چارہ نہیں (اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بغیر عقیدہ قائم ہی نہیں ہو پاتا)۔

امام فخرالدین رازیؒ (۶۰۶ھ) سورۂ توبہ کی آیت وان احدمن المشرکین استجارک فاجرہ کے تحت لکھتے ہیں:۔

ان التقلید غیر کاف فی الدین انه لابدمن النظر والاستدلال.

(تفسیر کبیر جلد)

ترجمہ: اصولی مسائل میں تقلید کفایت نہیں کرتی عقائد میں نظر واستدلال کی ضرورت ہے۔

امام رازیؒ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ عمل تو تقلید سے بن جاتے ہیں عقائد میں نظر وسمجھ کی ضرورت ہے۔ جب تک کہ کوئی شخص سمجھ سے کوئی عقیدہ اختیار نہ کرے اسے عقیدہ نہیں کہہ سکتے۔ یہ گرہ ہے جو جب تک دل میں نہ بندھے اسے عقیدہ نہیں کہا جاسکتا۔

مذاہب اربعہ فروع وعملیات میں بے شک مختلف ہیں مگر عقیدہ میں سب ایک ہیں اور اس اعتقاد پر ہیں جو امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) لکھ چکے۔ علامہ تاج الدین سبکیؒ (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں:۔

هذه المذاهب الاربعة ولله تعالی الحمد فی العقائد واحده ...... یقرون عقیدة ابی جعفر الطحاوی التی تلقا هاالعلماء سلفا و خلفا بالقبول. (معید النعم ومبید النقم ص۳۲)

ترجمہ: مذاہب اربعہ خدا کے فضل سے عقائد میں سب ایک ہیں اور اسی عقیدہ پر ہیں جو امام ابوجعفر طحاوی کا ہے علمائے سلف وخلف اسے قبول کرتے آئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ تقلید اعمال میں ہے عقائد میں نہیں مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) اگر ان عبارات کو دیکھ لیتے تو وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ مقلدین عقائد میں امام ابوالحسن الاشعریؒ یا امام ابوالمنصور ماتریدیؒ کی تقلید کرتے ہیں۔ عقائد تقلید کا موضوع ہی نہیں۔ متکلمین نظر واستدلال کو روشن کرتے ہیں فتوے نہیں دیتے جو اعتماداً قبول کیا جائے۔

ہاں مولانا اسماعیل صاحب امام رازیؒ اور علامہ سبکیؒ کی بات یہ کہہ کر رد کردیں کہ یہ دونوں بھی تو مقلد ہیں ان کی بات کا کیا اعتبار تو ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکیں گے کہ آئندہ آپ بھی اپنے ہاں کسی مقلد سے استناد نہ کیا کریں وہ حافظ حجر عسقلانی ہوں یا حافظ ابن تیمیہؒ۔ ان حضرات کی بات اگر مقلد ہونے کے باوجود لی جاسکتی ہے تو امام رازیؒ اور علامہ سبکیؒ کی بات کیوں نہیں لی جاسکتی؟ علامہ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:۔

فما یحل الاستفتاء فیه الظنیة لاالعقلیة علی الصحیح

ترجمہ: سو جن امور میں استفتاء ہوسکتا ہے وہ امور ظنیہ ہیں امور عقلیہ میں نہیں ہیں مذہب صحیح کے مطابق ان میں استفتاء نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ امیر بادشاہ بخاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

فما یحل الاستفتاء فیه الاحکام الظنیة لا العقلیة المتعلقة بالا عتقاد فان المطلوب فیها العلم علی المذهب الصحیح فلایجو ز التقلید فیها بل یجب تحصیلها بالنظر الصحیح.

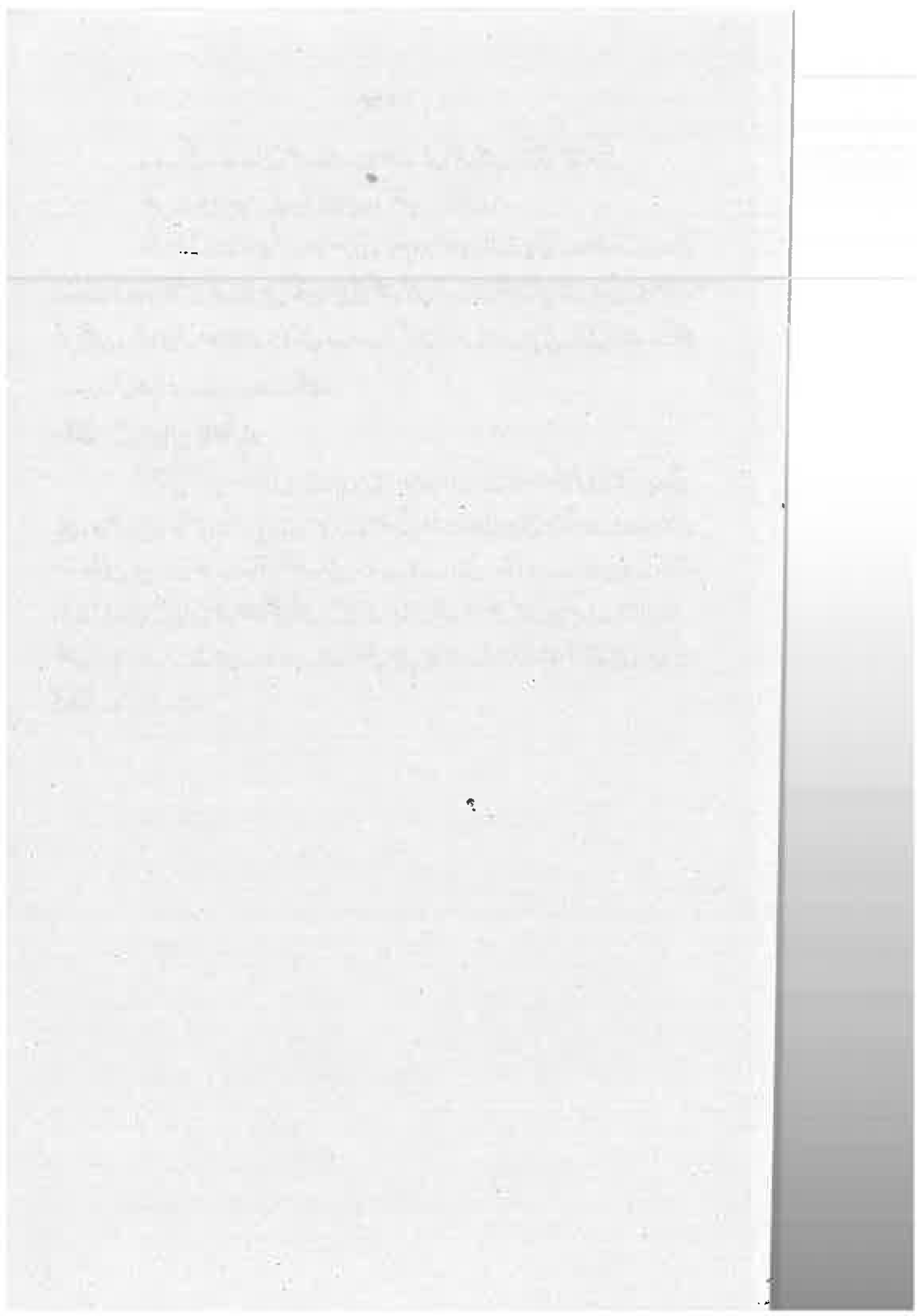
ترجمہ: جن امور میں استفتاء کرنا (فتویٰ پوچھنا) جائز ہے وہ اجتہادی احکام ہیں نہ کہ عقلی کہ جن کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے۔ عقائد میں

مذہب صحیح کے مطابق علم درکار ہے عقائد میں تقلید نہیں ہوسکتی عقائد صحیح
نظر سے ہی اختیار کیے جاسکتے ہیں (تقلید سے نہیں)۔

علماء اہلسنت امام ابوالحسن الاشعریؒ یا امام ابوالمنصور الماتریدیؒ سے عقائد میں روشنی اور وضاحت تو حاصل کرتے ہیں لیکن ان کی تقلید نہیں کرتے۔ تقلید عمل میں ہوتی ہے عقیدہ میں نہیں۔ افسوس کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) اس باریک فرق کو سمجھ نہ سکتے ورنہ وہ اس جرأت سے یہ بات نہ لکھتے۔

مقلد کے ایمان کا اعتبار

اگر کوئی شخص مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوا اور اس نے عام مسلمانوں میں پرورش پائی، وہ علم دین حاصل نہ کر پایا ہاں اس نے حضور کو اللہ کا رسول برحق مانا مگر اسے وہ دلائل معلوم نہیں جن سے حضرت خاتم النبیین کی رسالت ثابت ہوتی ہو تو اس کے ایمان کا بالاتفاق اعتبار کیا جائیگا۔ یہاں غیر مقلد بھی نہیں کہتے کہ ایمان تقلیدی معتبر نہیں وہ صرف اعمال میں تقلید کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ کون سے اعمال ہیں جو فقہ کے دائرہ میں آتے ہیں اس کی بحث آگے آرہی ہے۔



اتباع فقہ

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

تاریخ تقلید

اجتہاد اور تقلید کی تاریخ ایک ساتھ شروع ہوتی ہے۔ استادی اور شاگردی ایک ساتھ چلتی ہیں۔ استاد نہ ہو تو شاگرد نہیں اور شاگرد نہ ہو تو استاد استاد کیسے بنا؟ اجتہاد خود آنحضرتؐ کے زمانے سے شروع ہوا تو ظاہر ہے کہ اس کے ماننے والے بھی اسی دور کے لوگ ہوں گے۔ سو اس میں شک نہیں کہ اکابر صحابہؓ اجتہاد سے جو مسائل بتاتے تھے دوسرے صحابہؓ انکی پیروی کرتے تھے اور ہر بات میں ان سے دلیل کا مطالبہ کرنا ان کا طریق نہ تھا۔ عمل کی زیادہ سرحدیں اجتہاد سے عبور کی جاتی تھیں اور علم ہوتے ہوئے بھی زیادہ علم والے کی پیروی کرنا (تقلید اعلم) کسی جہت سے معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔ بعض صحابہؓ حضورؐ کی زندگی میں افتاء کا کام کرتے رہے اور ان کا امت مسلمہ کی اس ذمہ داری کو ادا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن سے ہوتا تھا۔

اگر اس وقت امت کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس کو اکابر صحابہؓ کے فتوں اور فیصلوں کی ضرورت ہو تو یہ اکابر آخر کن لوگوں کو فتویٰ دیتے تھے؟ یہ صورت حال کیا اس کا پتہ نہیں دیتی کہ مطلق تقلید صحابہؓ کے وقت میں بھی جاری تھی اور اسے خیر القرون میں کسی جہت سے عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ عہد صحابہؓ اور تابعینؒ میں سینکڑوں ایسے لوگ تھے جنکی پیروی امت میں جاری تھی اور وہ حضرات اپنے اپنے حلقے میں مجتہد مطلق تھے لیکن جب ائمہ اربعہؒ نے اصول فقہ مرتب کر لیے اور اسلام کا ذخیرۂ علم مدون ہوگیا تو اب وہ کثیر اختلافات سمٹ کر چار میں محدود ہو گئے اور وہ بھی کہیں کہیں۔ ائمہ کی ان محنتوں سے عہد صحابہؓ کے اختلافات کم ہوتے گئے اور امت وسعت عمل کی سہولت کے ساتھ ساتھ ایک وحدت

میں آتی گئی۔ اسلام کا یہ قافلہ چودہ سو سال سے اسی طرح چلا آرہا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ اپنے چار فقہی اختلافات کے باوجود ایک قوم اور ایک امت ہیں یہ چار مذاہب چار فرقے نہیں چار راہ عمل ہیں۔ بطور فرقہ سب اہل السنۃ والجماعت ہیں اور سبھی فرقہ ناجیہ ہیں۔

امت کا آغاز ہی اعتماد سے ہوا ہے

اس دین کی ابتداء اعتماد سے قائم ہوئی اور اب تک امت اس اعتماد کے سایہ تلے اپنے اسلاف سے وابستہ چلی آرہی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

ان الامة اجتمعت علی ان یعتمدوا علی ا لسلف فی معرفة الشریعة فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابة وتبع تابعین اعتمدوا علی التابعین وهکذا فی کل طبقة اعتمد العلماء علی من قبلهم والعقل یدل علی حسن ذلک لان الشریعة لایعرف الابالنقل والاستباط والنقل لایستقیم الابان یاخذ کل طبقة عمن قبلهابالاتصال. (عقد الجید ص ۳۶)

ترجمہ: بیشک امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ شریعت جاننے میں وہ سلف پر اعتماد کریں۔ تابعین کرامؒ نے اس میں صحابہؓ پر اعتماد کیا اور تبع تابعینؒ نے تابعینؒ پر اور اسی طرح ہر طبقہ علماء اپنے سے پہلوں پر اعتماد کرتا رہا۔ عقل بھی اس اعتماد کو تحسین کی نظر سے دیکھتی ہے کیونکہ شریعت کی راہ نقل واستنباط کے سوا کوئی نہیں اور نقل قائم نہیں ہوتی جب تک ہر طبقہ اس میں اپنے سے پہلے طبقے سے متصل نہ ہو۔

پہلوں پر اعتماد ان کی بات سنتا ہے یہ راہ عقیدت ہے۔ اور جو خود علم رکھتا ہو اس کے لیے یہ راہ بصیرت ہے۔ شریعت پر چلنے کی بس یہی دو راہیں ہیں یا عقیدت سے چلے اور یا اپنے اندر بصیرت پیدا کرے۔ جہنمی جہنم میں اسطرح اقرار جرم کریں گے:

قالوا لو کنا نسمع اونعقل ماکنا فی اصحاب السعیر ○ فاعترفوا بذنبهم فسحقا لاصحاب السعیر. (پ۲۹:الملک)

ترجمہ: اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم دوسروں سے سن پاتے (ان کی پیروی کر لیتے) یا خود سمجھتے (علم رکھتے) تو نہ ہوتے اس وقت دوزخ والوں میں، سو اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہ کا سو اب دفع ہوں دوزخ والے۔

یہ صرف ان کا اپنا اقرار ہی نہ ہوگا فرشتے بھی انہیں اس کا احساس دلائیں گے کہ تم نے یہ علم پایا نہ علم والوں کی عقیدت سے چلے۔ حضرت انسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: فرشتے ان سے کہیں گے نہ تم میں بصیرت تھی کہ تم بات سمجھ پاتے اور نہ تم نے جاننے والوں کی پیروی کی۔ مادریت و مالتیت۔ (رواہ البخاری مشکوۃ ص ۲۵)

یہ روایت اگرچہ کافروں اور منافقوں کے بارے میں ہے لیکن بنی نوع انسان کے لیے زندگی کے اصول یکساں ہیں کہ ہدایت کے دو ہی رستے ہیں بصیرت ہو یا عقیدت۔ ان دونوں سے لاپروا ہو کر تیسری راہ چلنا کہ نہ تحقیق ہو نہ تقلید یہ زندگی کی راہ نہیں انسانوں میں اس تیسری سوسائٹی کو کسی جگہ عزت سے نہیں دیکھا جاتا۔

ہم پیچھے کہہ آئے ہیں کہ تقلید مطلق صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں شروع ہو چکی تھی اور اس کا کوئی منکر نہ تھا کہ کسی صاحب علم پر اعتماد کر کے اس کی بات کو مان لینا کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہی بات کہے گا اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا جائز ہے اور یہ وقت کی ایک بڑی ضرورت ہے۔ حافظ خطیب بغدادیؒ کا بیان آپ الفقیہ والمتفقہ سے دیکھ آئے ہیں۔ عہد صحابہؓ میں اہل عراق اہل حجاز اور اہل شام کے فقہ کے مختلف مکاتب فکر قائم ہو چکے تھے ان میں اختلاف تو تھا لیکن خلاف نہ تھا اور تقلید عام رائج تھی۔ امام مسلم اپنی صحیح میں لکھتے ہیں اسلام کے پہلے دور میں سند نہیں مانگتے تھے اعتماد سے کام چلتا تھا:

عن ابن سیرین قال لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنۃ قالوا سموالنا رجالکم فینظر الی اھل السنۃ فیوخذ حدیثھم وینظر الی اھل البدع فلا یوخذ حدیثھم

(جلد ۱، ص ۱۱)

دائرہ اجتہاد میں اگر کسی امام کو صاحب مذہب کہہ دیا جائے تو ابتدائی دور میں اسے ہرگز عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ایک مجتہد صحابیؓ ہیں حضرت معاویہؓ بھی ایک

مجتہد درجے کے صحابی ہیں کسی مسئلے میں ان دونوں اماموں کا موقف ایک تھا اسے امام نوویؒ شارح صحیح مسلم اسے ان لفظوں میں نقل کرتے ہیں:۔

وهومذهب معاذ بن جبل ومعاوية. (شرح صحیح مسلم جلد۲، ص۳۳)

ترجمہ: یہ مذہب ہے حضرت معاذ بن جبلؓ کا اور معاویہؓ کا۔

حافظ ابن قیمؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے موقف اور رائے کو بھی مذہب کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔ ابن قیمؒ امام محمد بن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

لم يكن احد له اصحاب معروفون حرروا فتياه ومذاهبه فى الفقه غير ابن مسعودؓ وكان يترك مذهبه وقوله لقول عمر وكان لايكاد يخالفه فى شئ من مذاهبه.

(اعلام الموقعین جلد۱، ص۱۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا اور کوئی نہ تھا جس کے اتنے معروف شاگرد ہوں اور فروعات میں اس کے فتوؤں اور مذاہب کو قلم بند کرتے ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمرؓ کا فتویٰ سامنے آنے پر اپنا مذہب اور قول سب چھوڑ دیتے تھے اور حضرت عمرؓ سے ان کے کسی مذہب (فتویٰ) پر اختلاف نہ کرتے تھے۔

اس سے پتہ چلا کہ عہد صحابہؓ میں کسی امام فقہ کی طرف مذہب کی نسبت ہرگز کوئی عیب نہ سمجھی جاتی تھی۔ سو بعد کے یہ الفاظ کہ یہ مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ کا اور یہ مذہب ہے امام مالکؒ کا علمی دنیا میں ہرگز کسی وحشت کا سبب نہ ہونے چاہیں۔ پہلے دور میں تقلید صرف ہ اس کے لیے نہ تھی بڑے بڑے ائمہ بھی اپنے سے بڑے اہل علم کی پیروی کرتے تھے اور اسے کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

فلا تجد احدا من الائمة الا وهو مقلد من هو اعلم منه فى بعض الاحكام. (الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص ۶۸)

ترجمہ: اور اس لیے تم ائمہ میں کسی کو نہ پاؤ گے مگر یہ کہ وہ کچھ مسائل میں اپنے سے زیادہ علم والوں کی تقلید کرتا ہوگا۔

صحابہؓ میں عالم اعلم کی اقتداء میں

۱۔ حضرت عمرؓ کے علم وفضل اور فقہ وبصیرت میں کسے تردد ہو سکتا ہے۔ آپ نے ارادہ کیا کہ کعبہ میں جتنا سونا چاندی دھرا ہے وہ سب لوگوں میں تقسیم کردوں حضرت شیبہ بن عثمانؓ نے کہا آپ کو اس کا حق نہیں حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے ایسا نہیں کیا حضرت شیبہ بن عثمانؓ کہتے ہیں:۔

قلت ليس ذلک لک قد سبقک صاحباک لم يفعلاذلک فقال هما المران يقتدی بهما.

(مسند امام احمد جلد ۳، ص ۴۱۰)

ترجمہ: میں نے کہا آپ کو اس کا حق نہیں آپ کے دونوں پہلے ساتھیوں نے ایسا نہیں کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعی وہ دو ایسی ہستیاں ہیں کہ ان کی پیروی کی جانی چاہیے۔

حضورؐ تو حق رسالت میں لائق اقتداء ہیں یہ حضرت ابوبکرؓ کی پیروی کیوں؟ یہ محض اس لیے کہ عالم کے لیے اپنے سے بڑے عالم کی اقتداء میں چلنا جائز ہے گو ایک مجتہد کے کے لیے دوسرے مجتہد کی تقلید ضروری نہیں لیکن اگر کوئی کرے تو یہ شرک فی الرسالت نہیں۔ کسی نے حضرت عمرؓ کو نہ کہا کہ آپ نے **هما المران يقتدی بهما** کہہ کر حضرت ابوبکرؓ کو حضورؐ کے ساتھ شریک کر دیا ہے۔ اگر تقلید شرک فی الرسالت ہوتی تو صحابہؓ حضرت عمرؓ کے اس فرمان پر ضرور نکیر کرتے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم وفضل اور فقہ وبصیرت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ صبح کی نماز میں قنوت پڑھنے کا مسئلہ چلا آپ نے کہا اگر حضرت عمرؓ اسے اختیار کر لیں تو میں بھی اس کے لیے تیار ہوں۔ حافظ ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

كان يترک مذهبه وقوله لقول عمر وكان لايكاد يخالفه فی شیء من مذاهبه ويرجع من قوله الی قوله وقال الشعبی كان عبدالله لايقنت وقال لوقنت عمر لقنت عبدالله.

(اعلام الموقعین جلد ۱، ص ۱۶)

ترجمہ: آپ اپنی تحقیق اور اپنا قول حضرت عمرؓ کے فیصلے کے آگے
چھوڑ دیتے تھے اور اپنے فیصلوں میں کبھی ان کا (حضرت عمرؓ) خلاف
نہ کرتے تھے اپنی بات سے ان کی بات کی طرف رجوع کرتے۔
علامہ شعبیؒ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (فجر کی نماز میں) قنوت
نہ پڑھتے تھے فرماتے اگر حضرت عمرؓ یہ دعائے قنوت پڑھیں تو میں بھی
پڑھ لوں گا۔

۳۔ ایک صحابی نہیں صحابہؓ کا گروہ کا گروہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی پیروی میں کس طرح چلا اسے حضرت ابو مسلم الخولانی سے سنیئے:

آپ کہتے ہیں میں دمشق کی جامع مسجد میں آیا تو وہاں ایک علمی حلقہ دیکھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادھیڑ عمر کے کئی صحابہ نظر آئے ان میں ایک نوجوان جس کی آنکھیں سرگیں تھیں اور اگلے دانت چمکدار تھے بیٹھا تھا ابو مسلمؒ کہتے ہیں:۔

كلما اختلفوا في شئي ردوه الى الفتي فتي الشاب قال قلت لجليس لي من هذا قال هذا معاذ بن جبل.

(مسند امام احمد جلد ۵، ص ۲۳۶)

ترجمہ: جب وہ حضرات کسی شئے میں اختلاف کرتے تو آخر کار اسے
ایک نوجوان کی طرف لوٹاتے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا
کہ یہ نوجوان کون ہے اس نے بتایا معاذ بن جبلؓ۔

پیش نظر رہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ یہاں بطور قاضی مقدمے نہ سن رہے تھے مسائل کا ایک علمی مذاکرہ تھا اور سب اعلم کی طرف رجوع کر رہے تھے اور وہ نوجوان مدینہ منورہ سے حضورؐ سے مجتہد ہونے کی سند لے کر آیا تھا ان موجود صحابہؓ کا اپنے اجتہاد سے رکنا اور حضرت معاذؓ کی رائے پر آ جانا یہ حضرت معاذؓ کی تقلید تھی:۔

اذا اختلفوا في شئي اسند واالیه وصدروا عن رايه.

(ایضاً ص ۲۳۳)

ترجمہ: جب صحابہؓ میں کسی مسئلے میں اختلاف ہو جاتا تو وہ اسے
حضرت معاذؓ کے سپرد کرتے اور ان کی رائے کو (ان کے فتویٰ کو)

لے کر لو ثتے۔

اہل علم کا فتویٰ وہ علمی رائے ہے جسے وہ صادر کرتے ہیں اس پر انہیں یہ الزام نہیں دیا جا سکتا کہ وہ رائے پر چلتے ہیں۔ جو رائے کتاب وسنت کی روشنی میں قائم کی جائے وہ اجتہاد ہے، فقہ ہے محض رائے نہیں نہ اسے محض رائے کہہ کر رد کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ کوفہ میں دو ہی بڑے عالم تھے ایک والی کوفہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ اور دوسرے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ ان صحابہؓ میں سے ہیں جو بقول صفوان بن سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی مجاز فتویٰ تھے۔ کوفہ میں ابھی حضرت علیؓ نہ آئے تھے خلافت عثانی میں یہاں فتویٰ یا حضرت ابوموسےؓ کا چلتا تھا یا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے شاگردوں کا۔ ایک مسئلہ میں حضرت ابوموسےؓ کی رائے اور تھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اور جب حضرت ابوموسےؓ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:۔

لاتسئلو نی مادام ھذاالحبر فیکم.

(صحیح بخاری جلد۲، ص ۹۹۷ سنن ابی داؤد جلد۲، ص ۴۴)

ترجمہ: مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھو جب تک یہ بڑا عالم تم میں موجود ہے۔

یہ مسئلہ وراثت کے باب میں تھا۔ ایک دفعہ رضاعت میں ایک مسئلہ اٹھا اس وقت بھی حضرت ابوموسےؓ نے یہی کہا:۔

لاتسئلو نی من شئی ما اقام ھذا بین اظھرنا من اصحاب رسول اللّٰہ علیہ وسلم. (رواہ الطبرانی مجمع الزوائد جلد۴، ص ۲۶۲)

ترجمہ: مجھ سے تم کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو جب تک عبداللہ بن مسعودؓ ہم اصحاب رسول میں موجود ہیں۔

یہ صورت عمل تمام اہل کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تقلید شخصی کی تجویز نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ نے تو بقسم کہہ دیا تھا:۔

واللّٰہ لاافتیکم ما کان بھا.

(رواہ عبدالرزاق کما فی کنز العمال جلد۱، ص ۱۴۷)

ترجمہ: بخدا میں کبھی فتویٰ نہ دوں گا جب تک یہ یہاں موجود ہیں۔

۵۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی منزلت علمی سے کون واقف نہیں۔ آپ (اپنے سے اعلم) حضرت علی المرتضیٰؓ کے فیصلہ کے ہوتے ہوئے کوئی رائے قائم کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

عن ابی عباس قال اذا حدثنا ثقة عن علی لم نتجاوزها.

(فتح الباری جلد ۷، ص ۶۰)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں جب کوئی ثقہ شخص ہمیں کہہ دے کہ علیؓ نے ایسا کہا ہے تو پھر ہم کسی اور طرف نہ جاتے تھے۔

۶۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ ایک دفعہ حج کے ارادہ سے نکلے مکہ کے رستہ میں نازیہ کے مقام پر اپنی سواریاں گم کر بیٹھے اس تلاش اور پریشانی میں حج کا دن بھی گزر گیا قربانی کے دن (۱۰ تاریخ کو) آپ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا:۔

فقال عمربن الخطاب اصنع مایصنع المعتمر ثم قد حللت فاذا ادرککٔ الحج قابلا فاحجج واهد ماتیسر من الهدی.

(موطا امام مالک ص ۱۴۹)

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے کہا اب آپ وہ کریں جو عمرے والا کرتا ہے (حج کا دن تو گیا) اس سے آپ احرام سے نکل آئیں گے جب اگلے سال آپ کو حج ملے تو حج کریں اور جو قربانی میسر ہووے دیں۔

دیکھیئے یہاں حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت عمرؓ سے دلیل کا مطالبہ نہیں کرتے نہ حدیث پوچھتے ہیں ان کے اعتماد پر بغیر مطالبہ دلیل عمل کرتے ہیں اور احرام کھول دیتے ہیں۔ اگر کسی عالم کے قول پر اس سے دلیل پوچھے بغیر عمل کرنا ناجائز ہوتا تو حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت عمرؓ کی تقلید کیوں کرتے ان سے دلیل کیوں نہ پوچھتے؟

ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت بھی کئی علم والے اپنے سے اعلم (زیادہ جاننے والے) کی پیروی کرتے تھے

۷۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ شیخینؓ کی پیروی میں

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کس حیثیت کے آدمی تھے؟ آپ عشرہ مبشرہ میں سے

ہیں۔آپ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضرت عمرؓ نے کس طرح آپ کو تقلید اعلم کی تربیت دی یہ آپ ابھی پڑھ آئے ہیں آپ پر اس کا اتنا اثر تھا کہ جب آپ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے الیکشن کمشنر مقرر ہوئے تو آپ نے نئے منتخب ہونے والے خلیفہ کے لیے اتباع سیرت شیخین کی پابندی لگائی۔اور کسی صحابی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔

کیا اس وقت کتاب وسنت کی پیروی کافی نہ تھی؟ یقیناً تھی لیکن ان کے سمجھنے میں اگر کہیں اہل اعلم کا اختلاف ہوجائے تو شیرازہ امت بندھا رکھنے کے لیے قرآن وحدیث کے بعد بھی بڑوں کی پیروی لازمی ٹھہرتی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جب یہ شرط پیش کی تو امت کے اکابر صحابہؓ موجود تھے کسی نے اسے کتاب وسنت پر زیادتی نہ سمجھا صحابہؓ کی اکثریت نے اسے درست سمجھا۔

۸۔حضرت عثمانؓ شیخینؓ کی پیروی میں

حضرت عثمانؓ خود مجتہد تھے ان کی علمی اور فقہی منزلت سے کون واقف نہیں۔آپ مدتوں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سیکرٹری رہے، آپ خلافت کی تمام ذمہ داریوں سے بخوبی واقف تھے۔ بایں ہمہ آپ نے سیرت شیخین کی پابندی کی شرط قبول فرمائی اور اسے خوب نبھایا اگر کہیں کسی باب میں اختلاف کیا تو اس طرح جس طرح امام محمد اور طحاوی کبھی امام ابوحنیفہؒ سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرلیں۔

۹۔حضرت علیؓ خلفائے ثلثہؓ کی پیروی میں

آپ خود فرماتے ہیں میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کی اور انہی شرطوں پر انہوں نے میری بیعت کی جن شرائط پر انہوں نے ان کی بیعت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت عثمانؓ سے یہ شرط لی گئی تھی تو حضرت علیؓ کی بیعت میں بھی یہ شرط ضرور ہوگی۔آپ فرماتے ہیں:۔

انه بايعنى القوم الذين بايعوا ابابكر وعمر وعثمان على مابايعوهم عليه. (نہج البلاغہ جلد۲، ص۱۰۲)

ترجمہ: میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے پہلوں کی بیعت کی اور انہی شرطوں پر جو ان سے کی گئیں۔

قاضی نوراللہ شوستری لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے دور خلافت میں کوئی ایسا کام نہ کر سکتے تھے جو ان کے تین پیشرؤوں کے خلاف ہو۔

حضرت امیر درایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابوبکر وعمر رامعتقد اند وایشاں رابرحق مے دانند قدرت برآں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت برفساد خلافت ایشاں داشتہ باشد۔

(مجالس المومنین جلد ۱، ص ۵۴)

ترجمہ: حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں دیکھا کہ لوگ اکثریت سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اچھی سیرت کے قائل ہیں آپ یہ ہمت نہ رکھتے تھے کہ کوئی ایسا کام کریں جو ان کی خلافت کے خلاف ہو۔

حضرت علیؓ باوجود مجتہد ہونے کے اپنے پیشرؤوں کی پیروی کرتے رہے۔ فدک کی زمین آپ کی حدود ولایت میں تھی آپ نے وہ حضرت فاطمہؓ کے وارثوں کو نہ دی اس کی آمدنی اہلبیت کرام کو اس طرح دیتے رہے جس طرح حضور اکرمؐ انہیں اسکی پیداوار دیتے تھے۔ اصل زمین بیت المال کی ملکیت رہی۔ علی نقی شارح نہج البلاغہ لکھتا ہے:۔

ابوبکر غلہ وسود آں راگرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام مے داد و خلفاء بعد ازوہم برآں اسلوب رفتار نمودند

پھر حضرت حسنؓ نے بھی حضرت معاویہؓ پر شرط لگائی کہ وہ پہلے خلفاء کرام کی سیرت پر چلیں ان دنوں کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ پیغمبر کے سوا کسی کی پیروی نہ کرو (دین بس یہی ہے اطیعوا اللّٰہ واطیعو الرسول)

تابعینؒ صحابہؓ کے اقوال کی پیروی میں

تابعینؒ میں صحابہؓ کے قول کی پیروی ہرگز کوئی عیب نہ سمجھی جاتی تھی۔ ان میں ایسے لوگ نہ تھے جو کہیں اقوال کو چھوڑ و حدیث کی تلاش کرو۔ ان کے ہاں اقوال فقہ حدیث کے مقابل

نہ تھے، حدیث کا حاصل تھے۔ ان کے ہاں صحابہ کا قول فقہ سمجھا جاتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے:۔

ان اهل المدينة سألواابن عباس عن المراة طافت ثم حاضت قال لهم تنفرقالو الاناخذ بقولك وندع قول زيد.

(صحیح بخاری جلدا، ص ۲۳۷)

ترجمہ: مدینہ کے لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا ایک عورت فرض طواف کے بعد ایام میں ہوگئی اب کیا وہ (طواف وداع کیے بغیر) جا سکتی ہے؟ آپ نے کہا جا سکتی ہے۔ انہوں نے کہا ہم آپ کا قول نہ لیں گے زید بن ثابتؓ کے قول پر رہیں گے

مدینہ والے دلیل کی تحقیق میں نہ پڑے انہوں نے یہ نہ کہا کہ اس مسئلے میں حدیث کی تلاش میں نکلو ان کے ہاں فقہاء صحابہؓ کے اقوال پر عمل کرنا، ان کے کسی قول کو لینا اور کسی کو نہ لینا دین پر عمل کرنے کی ایک راہ تھی۔ یہ تقلید ہے کہ اہل علم کے قول پر بایں خیال کہ وہ دلیل کے مطابق بات کہیں گے عمل کرنا اور دلیل کی بحث میں نہ پڑنا۔ یہ وہ راہ ہے جس پر قومیں ہمیشہ چلی ہیں۔ اس سے پتہ چلا مدینہ والوں میں ان دنوں حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلید چلتی تھی۔

دلیل کی طرف حضرت ابن عباسؓ نے توجہ دلائی کہ مدینہ جاکر حضرت ام سلیمؓ سے پوچھ لینا مگر مقلدین اسی قول پر رہے جب تک کہ حضرت زیدؓ نے اس سے رجوع نہ کر لیا۔ حضرت زیدؓ نے اپنے فیصلے کی اطلاع حضرت ابن عباسؓ کو بھی دی۔ یہ مجتہدین کا اپنا معاملہ ہے مقلدین اپنے امام کے قول کے پابند رہنے میں کوئی شرعی حرج نہ سمجھتے تھے۔

تقلید کی ایک اور مثال

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص پر ایک معین مدت کا قرض ہے صاحب مال کو ضرورت پڑی وہ مدت ختم ہونے سے پہلے اپنی رقم واپس مانگتا ہے اور اس قبل از مدت لینے کے بدلے اپنا کچھ مال چھوڑتا ہے کیا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے؟

حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں:۔

فكره ذلك ونهى عنه. (موطا امام مالک ص ۲۷۹)

ترجمہ: آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور اسے اس سے روک دیا۔

سائل نے آپ سے اس قول کی دلیل نہیں پوچھی نہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس پر کوئی دلیل بیان کی یہی تقلید ہے کہ مجتہد کے علمی اعتماد پر کوئی مقلد اس کے قول پر عمل کرے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک فتوے پر قرآن کریم یا سنت نبوی سے کوئی دلیل پیش نہیں کی حضرت ابوایوبؓ نے اس پر بلاطلب دلیل عمل کیا۔ دوسرے کے قول پر یہ بلاطلب دلیل عمل کرنا اور اس پر اعتماد کرنا ہی تو تقلید ہے سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہؓ کے عہد میں تقلید جاری تھی اور صحابہؓ میں دو طرح کے لوگ تھے ۱۔ مجتہد، ۲۔ مقلد۔ غیر مقلد ان دنوں کوئی نہ تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ قرۃ العینین میں لکھتے ہیں:۔

صحابہ وتابعین ہمہ در یک مرتبہ نبودند بلکہ بعض ایشاں مجتہد بودند وبعض مقلد قال اللہ تعالیٰ لعلمه الذین یستنبطونه وحقیقت اجماع اتفاق مجتہدین است وغیر مجتہدین را در حل وعقد مدخل نیست پس دلیل ثالث از ادلہ اربعہ کہ اخذ باں واجب است اتفاق مجتہدین لاغیر اگر در مسئلہ بعض اہل تقلید قولی گفتہ باشند ومجتہدین اتفاق نمودہ باشند بر قول دیگر دلیل قطعی کہ اخذ باں واجب است ہماں قول مجتہدین خواہ بود۔ (قرۃ العینین ص ۲۵۱، مکتبہ سلفیہ لاہور)

اس سے واضح ہوا کہ دور صحابہؓ میں مقلدین تو تھے مگر غیر مقلدین اس دور میں کہیں نہ تھے۔

عہد صحابہؓ میں تقلید کا ایک اور ثبوت

حضرت قبیصہ بن جابرؓ کہتے ہیں ہم ایک دفعہ احرام باندھے کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں سامنے سے ایک ہرن گزرا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اسے ایک پتھر مارا آپ کا ارادہ اسے مارنے کا نہ تھا مگر وہ مر گیا۔ اب یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ احرام کی حالت میں کسی جانور کو مارنا کیسا ہے؟ یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے پوچھا تو نے یہ پتھر عمداً مارا یا خطاءً؟ انہوں نے کہا پتھر تو عمداً مارا تھا مگر ہرن کو مارنے کا ارادہ نہ تھا۔ آپ نے فرمایا تم نے عمد اور خطا کو جمع کر دیا ہے عمد کی صورت میں

کفارہ لازم آتا ہے خطا کی صورت میں صدقہ۔ لیکن یہ ایک عجیب صورت حال تھی کہ عمداور خطا جمع تھے جب کچھ تردد پیدا ہو جائے اس کا فائدہ قصوروار کو پہنچتا ہے۔ آپ نے انہیں صدقہ دینے کا حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء کو دے دیا جائے۔ یہ حضرات بھی اہل علم تھے وہاں تو نہ بولے لیکن واپس آئے آپس میں کہنے لگے حرم میں جانور کا قتل بڑا سنگین معاملہ ہے ہمیں کفارہ دینا چاہیے اور ایک اونٹ ذبح کرنا چاہیے۔ حدیث میں یہ مسئلہ کہیں مذکور نہ تھا کہ یہ حضرات اس کے مطابق فیصلہ کرتے اب اجتہاد سے چارہ نہ تھا یہ حضرات اپنا اجتہاد کریں یا حضرت عمرؓ کے اجتہاد پر عمل کریں۔

یہ صرف تقلید اعلم کا مسئلہ نہ تھا حضرت عمرؓ امام فقہ تھے بلا دلیل اگر کسی کا قول قبول کیا جائے تو وہ قول کسی بڑے عالم کا ہونا چاہیے۔ جتنا کسی کا علم اونچا ہوگا اتنا اس پر اعتماد پختہ ہوگا کہ اس کے فیصلے میں کتاب وسنت کی روح کارفرما ہوگی کسی کی بات بلا دلیل ماننی ہے تو پھر وہ کسی بڑے امام کی بات ہونی چاہیے۔

قبیصہ بن جابرؓ کہتے ہیں کہ ہماری بات کی حضرت عمرؓ کو خبر ہوگئی آپ غصہ میں بھرے تشریف لائے اور کوڑے مارنے لگے آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا:

قتلت فی الحرم وسفهت الحكم وتغمض الفتيا

(تفسیر ابن جریر جلد ۷، ص ۳۰)

ترجمہ: تو نے جانور کو حرم میں مارا اور میرے حکم کو بے وقوفی سمجھا اور اس فقہی فتوے کو نظر انداز کیا (یہ کوڑے اس کی سزا ہیں)۔

معلوم ہوا جس مسئلہ میں قرآن وسنت کا منصوص فیصلہ نہ ملے اس میں صحابہؓ بھی فقہ سے کام لیتے تھے۔ امام کے فتوے کو معمولی سمجھنا ان کے ہاں ایک قابل تعزیر جرم تھا۔ ایسے مسائل میں صرف اتباع عالم کافی نہیں شیرازہ امت کو بندھا رکھنے کے لیے تقلید اعلم کی ضرورت ہے۔

سوال: اگر اس دور میں صحابہؓ کی تقلید ہوتی تھی تو آج بھی انہی کی تقلید ہونی چاہیے یہ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کیوں اختیار کی گئی ہے؟

جواب: صحابہ کرامؓ بے شک اونچے درجے کے امام فقہ تھے مگر ان کا مذہب اپنے جملہ اصول وفروع کے ساتھ مدون نہیں ہوا۔ بطور ضابطہ تقلید ان ائمہ علم کی ہونی چاہیے جن کا

مذہب اصول وفروع میں مدون ہو چکا ہو اور ضرورت کے ہر موقع پر اس کی طرف رجوع کیا جاسکے اس امت میں اس پیرائے میں جو مذہب مدون ہوئے وہ صرف چار ہی ہیں۔

پھر ان ائمہ علم کے اپنے فیصلوں میں پہلے دور کے ائمہ علم (حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ) کی پیروی بھی موجود ہے حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں؟ جو فیصلے ہمیں صحابہؓ سے ملیں ہم انہیں بسر وچشم قبول کرتے ہیں سو آپ کی فقہ ازخود صحابہؓ کی فقہ ہے۔

حضرت علامہ معین الدین اجمیری نے بجا لکھا ہے:۔

امام اعظمؒ حضرت فاروق اعظمؓ کے مقلد ہیں۔ (القول الاظہر ص۶)

آگے یہ اللہ رب العزت کی حضرت امام ابوحنیفہؒ پر عنایت ہے کہ ان کا مذہب اصول وفروع میں اس طرح مدون ہوا ہے کہ اس کی علمی دنیا میں اور کوئی مثال نہیں ملتی ان کے قریب قریب اور کسی امام کے مذہب کی تدوین پہنچتی ہے تو وہ فقہ شافعی ہے

سو اس امت میں مسائل غیر منصوصہ میں اگر کوئی مذاہب فقہی ضرورتوں کو پورا کر سکتے ہیں تو وہ یہ مذاہب اربعہ ہی ہیں اور اس امت میں ایسے مواقع میں ایک ہزار سال سے صرف انہی کی پیروی چلی آرہی ہے۔

مقلد اپنے امام کے خلاف کیا صحابہؓ کی بات کو لے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرامؓ کا مرتبہ ائمہ اربعہ کے مقام سے بہت اونچا ہے۔ کوئی غیر صحابی کسی صحابی کے درجے کو نہیں پاسکتا۔ کئی صحابہ ہیں جو بہ نص نبوی جنتی ہیں اور وہ سعادت ابدی پا چکے اور رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ کا تاج تو سب صحابہؓ کے سروں پر ہے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان کے مذاہب باضابطہ مدون نہ ہو پائے۔ کہاں مطلق کی تقیید ہے اور کہاں عام کی تخصیص علم کے یہ پہلو ان کی روایات کے ساتھ ساتھ نہیں چلتے۔ ائمہ اربعہ کی فقہیں جو مدون ہوئیں ان میں یہ ساری بحثیں ہو چکی ہیں فقہ کی کتابوں کے حاشیے در حاشیے ان امور کی وضاحتوں میں لکھے گئے ہیں۔ سو ائمہ اربعہ کی مدون فقہ کے مقابل محض روایات پر گو وہ روایات صحابہؓ کی ہوں اپنے عمل کی بنیاد رکھنا اور ان روایات میں تقیید مطلق اور تخصیص عام خود کرنا ہرگز قرین دانش نہیں یہ حق صرف مجتہدین

حضرات کا ہے۔

امام غزالیؒ کے استاد امام الحرمینؒ (۴۷۸ھ) لکھتے ہیں:۔

ومما يتعين ذكره ان من وجد فی زمانه مفتيا تعين عليه تقليده وليس له ان يرقى الى مذاهب الصحابة وبيان ذلک انه اذاثبت مذهب ابی بکرالصديق فی واقعة وفتوى مفتی الزمان خالفت مذهبه فليس للعامی المقلد ان يوثر تقديم مذهب ابی بکر الصديق من حيث انه عقيدته افضل الخليقة بعدالمرسلين عليهم السلام فان الصحابة وان کانواصدور الدين واعلام المسلين ومفاتيح الهدى ومصابيح الدجى فماکانو يقدمون تمهيدا لابواب وتقديم الاسباب قبل وقوعها فمن ظهرله وجوب اتباع الشافعی لم يکن له ان يوثر مذهب ابی بکر علی مذهب الشافعی وهذامتفق عليه. (الغیاثی ص۴۱۱)

ترجمہ: جو اپنے زمانہ میں کسی مفتی کو پائے اس پر اس کی تقلید کرنا متعین ہوگا اور اسے یہ حق نہ ہوگا کہ مذاہب صحابہ کی طرف بڑھے۔ جب کسی واقعہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مذہب کا پتہ چلے اور وقت کے مفتی کا فتوی اس کے خلاف ہو تو عامی مقلد کے لیے یہ نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے مذہب کو مقدم کرے اس حیثیت سے کہ اس کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ انبیاء ومرسلین کے بعد سب سے افضل شخصیت ہیں۔ سو صحابہؓ اگرچہ دین کے سردار ہیں مسلمانوں کے بڑے ہیں ہدایت کی چابیاں اور اندھیروں کے چراغ ہیں لیکن انہوں نے واقعات پیش آنے سے پہلے نہ مسائل کے ابواب کی تمہیدیں باندھیں اور نہ ان وقائع کے اسباب مقدم رکھے (یہ وہ کام ہے جو فقہ مدون کرنے والے مجتہدین نے کیا) سو جس کا امام شافعی کی اتباع کرنا واقع ہوا سے نہ چاہیے کہ اپنی رائے سے حضرت ابوبکرؓ کے

مذہب کوامام شافعی کے مذہب پر ترجیح دینے لگے۔ یہ مسئلہ علماء میں
کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے اس پر سب فقہاء متفق ہیں۔

امام الحرمین نے اپنے اس موقف کو متفق علیہ موقف قرار دیا ہے جس پر سب فقہاء کا اتفاق ہوا۔ مذاہب اربعہ کے مقلدین اپنے مذہب کو تمہید ابواب اور تقدیم اسباب سے اور اصول وفروع سے مرتب کر چکے۔ ان روایات کو (گو وہ اکابر صحابہ کی ہوں) سامنے لانا جن کے مطلق کی بھی تقیید نہیں ہوئی اور عام کی بھی تخصیص نہیں موجود دور کے اہل علم کا کام نہیں۔ اب صحابہ کی اتباع بھی ان ائمہ اربعہ کی اتباع کے ذریعہ ہی آئے گی۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب جو مدون ہوئے وہ صحابہؓ کے مذاہب فقہیہ کی ہی منضبط صورتیں ہیں:

اہل سنت کا عقیدہ ہے **مذاہب الائمۃ لاتنقطع بموتہم.**

(الغیاثی للامام الحرمین ص ۴۱۳۔ص ۴۱۴)

ترجمہ: ائمہ مجتہدین کے مذاہب ان کی وفات کے بعد بھی چلتے ہیں۔
یعنی ان کا موقف نہیں کہ مفتی کی وفات پر اس کا فتویٰ بھی جاتا رہے۔
علامہ عبدالرؤف المناوی (۱۰۰۳ھ) لکھتے ہیں:۔

لایجوز تقلید الصحابة وكذاتقليد التابعين كما قاله امام الحرمين من كل من لم يدون مذهبه فيمتنع تقليد غيرالاربعة فى القضاء والافتاء لان المذاهب الاربعة انتشرت وتحررت حتى ظهر تقييد مطلقها وتخصيص عامها بخلاف غيرهم لانقراض اتباعهم وقد نقل الامام الرازى اجماع المحققين على منع العوام من تقليد اعيان الصحابة واكابرهم. (شرح جامع الصغیر للسیوطی نقلاعن خلاصۃ التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق للشیخ عبدالغنی النابلسی ص ۴، تالیف ۱۰۸۶ھ)

ترجمہ: صحابہؓ کی اور اسی طرح (اکابر) تابعین کی جیسا کہ امام الحرمین (۴۷۸ھ) نے کہا ہے جن کے مذاہب مدون نہیں ہو پائے تقلید جائز نہیں۔ سو قضاء اور افتاء میں ائمہ اربعہ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہ ہو گی کیونکہ ان کے مذاہب پھیل چکے اور لکھے جا چکے ہیں (پوری طرح

مدون ہو چکے) ان کے مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص ظاہر ہو چکی۔
بخلاف دوسرے مجتہدین کے (جیسے امام ثوری، لیث مصری اور اسحٰق)
کہ ان کے ماننے والے نہ رہے بلکہ امام رازی نے اس پر محققین کا
اجماع نقل کیا ہے کہ عوام کو اکابر صحابہؓ کی تقلید سے روکا جائے۔
اس کا مطلب یہ نہیں کہ ائمہ اربعہ کا درجہ صحابہؓ سے زیادہ سمجھا گیا ہے اس کی وجہ
صرف یہ ہے کہ ان کے ارشادات ہمیں صرف کتب حدیث میں ملتے ہیں اور یہ بات ہمیں
صرف علماء کے بتلانے سے معلوم ہوئی ہے کہ ان کا کونسا مطلق حکم دوسری نصوص کی روشنی
میں تقیید چاہتا ہے اور ان کا کونسا عام حکم تخصیص رکھتا ہے۔ لیکن ائمہ اربعہ کے مذاہب ان
جیسے امور میں ایسے مدون ہو چکے ہیں کہ ان کی بات پوری کھل چکی ہے۔ امت کی ضرورات
میں قضاء اور افتاء ایسے نازک مراحل ہیں کہ کسی بھی بے پرواہی سے کسی مسلمان کا کوئی حق رہ
جائے تو یہ آخرت میں قاضی اور مفتی کے ذمہ ہوگا سوایسی صورت میں احادیث اور اکابر صحابہؓ
کے اقوال سے خود کسی مسئلے کو ترتیب دینا اس کے مطلق کی تقیید کرنا یا اس کے عام کی تخصیص
کرنا یا مجمل کی تفصیل کرنا کسی احتمال خطا سے خالی نہیں۔ لیکن فقہ مذاہب اربعہ میں یہ سب
امور طے ہوئے ملیں گے ان کے اصول وفروع سب مدون ہو چکے اور ایک ایک بات حاشیہ
در حاشیہ میں آ کر کھل چکی۔ سو قضاء اور افتاء انہی کے مطابق چاہیے خود اسے صحابہؓ اور اکابر
تابعین کے اقوال سے استنباط نہ کریں۔ شیخ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ) پہلے اس کی
وضاحت کر آئے ہیں:۔

واما تقلید مذهب من مذاهبهم الان غیر المذاهب الاربعة
فلایجوز لالنقصان فی مذاهبهم ورحجان المذاهب الا ربعة
علیهم لان فیهم الخلفاء المفضلین لعدم تدوین مذاهبهم
وعدم معرفتنا الآن بشروطها وقیودها وعدم وصول ذلک
الینا بطریق التواتر حتی لو وصل الینا شئی من ذلک جازلنا
تقلیده لکنه لم یصل کذلک. (ایضاً ص۳)

ترجمہ: سواب ان مذاہب اربعہ کے سوا ان اکابر میں سے کسی کے
مذہب کی پیروی کرنا جائز نہیں یہ اس لیے نہیں کہ ان کے مذاہب

میں کچھ کمی ہے اور ان مذاہب اربعہ کو ان پر کچھ ترجیح ہے کیونکہ ان
میں وہ خلفاء راشدینؓ بھی ہیں جنہیں تمام امت پر فضیلت حاصل
ہے بلکہ اس کی وجہ ان کے مذاہب کا (اصول وفروع کے طور پر)
مدون نہ ہونا ہے اور ہم ان کے فیصلوں کی شروط وقیود کو بھی نہیں
جانتے اور وہ ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچی بھی نہیں اگر ہم تک ان کی یہ
مدوین پہنچتی تو ہمارے لیے ان کی تقلید کرنا جائز ہوتا لیکن ان کے
مذاہب ہم تک اس طرح نہیں پہنچے۔

اس تفصیل پر ذرا غور فرمائیں کہ اب جو لوگ مقلدین پر فقہ کی پیروی میں یہ الزام لگاتے ہیں کہ جب کھلی احادیث چھوڑ کر فقہ کی پیروی کرتے ہیں تو وہ فقہ کو حدیث پر ترجیح دے رہے ہوتے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان احادیث اور آثار صحابہ میں نئے سرے سے مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص معلوم کرنا عام علماء کے بس کا روگ نہیں یہ بات عام کر دی جائے تو اور کئی نئے مذاہب ابھریں گے اور امت میں ان علماء کی پیروی اور بھٹک جائے گی جو سرے سے مجتہد نہیں اور پوری روایات پر ان کی نظر بھی نہیں۔ سو یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ ہمارے نقش قدم پر چلیں اور ہم اس لائق تبھی ہو سکتے ہیں کہ ہم بھی اپنے سے پہلوں کے طریقے پر چلیں

مبتدی ہو کوئی یا کہ ہو منتہی
کہتے ہیں دوستو ماعرفنا سبھی
اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر
مقتدا وہ نہیں جو نہیں مقتدی

امام بخاریؒ اس آیت کا مضمون ان لفظوں میں واضح کرتے ہیں۔

واجعلنا للمتقين اماما قال ائمة نقتدى بمن قبلنا ويقتدي بنامن بعدنا. (صحیح بخاری جلد۲، ص۱۰۸۰)

ترجمہ: اور تو ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنادے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم پہلوں کی اقتداء کرنے والے ہوں اور جو ہمارے بعد آئیں وہ ہماری پیروی کرنے والے ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے آپ نے فرمایا:۔

اء تموابی ولیاتم بکم من بعد کم. (ایضاً جلد۱، ص۹۹)

ترجمہ: تم میری اقتداء کرو اور وہ جو تمہارے بعد آئیں وہ تمہاری پیروی کریں۔

اس میں آپ نے شریعت کا تسلسل بتادیا یہ اس طرح ہوگا کہ آنے والے لوگ صحابہؓ کی پیروی کریں یہی راہ تاریخ میں شریعت کے تسلسل کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اس روایت پر لکھتے ہیں:۔

وقیل معناہ تعلموا منی احکام الشریعة ویتعلم منکم التابعون بعد کم و کذلک اتباعھم الی انقراض الدنیا

(فتح الباری جلد۲، ص۱۷۱)

ترجمہ: اس کا معنی یہ ہے کہ تم مجھ سے احکام شریعت سیکھو اور تم سے تمہارے بعد آنیوالے تابعین دین سیکھیں اس طرح ان کے پیروان کی پیروی کریں اور یہ نظام دنیا ختم ہونے تک رہے۔

اب سلامتی کی راہ یہی ہے کہ ان مذاہب اربعہ سے ہی قضاء وافتاء کی ضرورتیں پوری کی جائیں۔

زاجتہاد عالماں کوتاہ نظر　　　　اقتداء رفتگاں محفوظ تر

مقلد مجتہد کی پیروی میں جو فتوے دے گا اس میں اسے بھی خطاء پر ایک اجر ملے گا محقق ابن الہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:۔

حکم المقلد فی المسئلة الاجتھادیة کالمجتھد.

(راجع لہ خلاصۃ التحقیق للنابلسی ص۵)

قرآن کریم میں امت کے تسلسل کا سبق

تاریخ امت اسی سے قائم ہوئی ہے کہ پچھلے پہلوں کے نقش قدم پر چلیں اور عمل کے ہر مرحلے پر دلیل کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہ ہو۔ یہ راہ بھی صحابہؓ کی اپنی اختیار کردہ نہیں اللہ رب العزت کی تعلیم بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عبادالرحمٰن کی ایک یہ دعا بتلائی

ہے وہ اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں:۔

واجعلنا للمتقین اماما (پ۱۸، الفرقان:۷۴)

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

حضرت امام بخاریؒ نے اس کی یہ تفصیل نقل کی ہے۔

نقتدی بمن قبلنا و یقتدی بنا من بعدنا (صحیح بخاری جلد۲،ص۱۰۸۰)

ترک تقلید سے امت میں اتحاد پیدا ہوا یا انتشار

ترک تقلید سے انسان میں جو آزادی پیدا ہوگی ظاہر ہے کہ اس میں ہر انسان کی سوچ اور فکر اپنی اپنی ہوگی۔ احادیث بھی اسے ایک راہ پر نہ رکھ سکیں گی کیونکہ احادیث کا آپس میں بہت اختلاف ہے اور ہر جگہ ترجیح نہیں چلتی کئی جگہ تطبیق بھی دینی پڑتی ہے۔ ائمہ میں جو اختلاف ابھرے وہ انہی احادیث کی بنا پر ہی تو تھے سو اگر تقلید نہ کی جائے تو امت میں اتنے اور اختلافات ابھریں گے کہ پھر ان کو سمیٹا نہ جاسکے گا اور اس پر کئی سابق تجربے گواہ ہیں۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے ۱۸۸۸ء کے اشاعۃ السنہ جلد۱۱ص۴ پر اپنے پچیس برس کے تجربے کا حاصل یہی بتایا ہے

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) خلفائے راشدینؓ کی مقتداء ہونے کی حیثیت کی اس طرح تصدیق کرتے ہیں:۔

وکذلک فعل ابوبکر و عمر و عثمان انھم الائمة الاعلام وقادة الاسلام ویقتدی بھم فی عصرھم وبعدھم.

(شرح صحیح مسلم جلد۱،ص۳۸۶)

ترجمہ: اور اسی طرح کیا حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ نے اور حضرت عثمانؓ نے بے شک یہ بڑے امام اور اسلام کے قائدین گزرے ہیں ان کی پیروی ان کے اپنے عہد میں بھی ہوتی رہی اور ان کے بعد بھی ہوتی رہے گی۔

اس میں یہ الفاظ فی عصرھم وبعدھم قابل غور ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ان کی پیروی اور اقتداء حاکم سلطنت اسلامی کی جہت سے نہیں حکومت کا تعلق صرف اپنے دور

سے ہوتا ہے ان ائمہ اعلام کی یہ پیروی اصحاب رسولؐ ہونے کی حیثیت سے ہے ان کے لیے کسی وقت کی حد نہیں اور تابعین کیلیے شریعت کا تسلسل صحابہؓ کی اسی پیروی میں ہے۔

یہ حضرات حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ تو عشرہ مبشرہ میں سے تھے ایک اور انصاری صحابی جسے حضورؐ نے جنتی فرمایا محض اس بشارت پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ ان کی اقتدار کے خواہاں ہوئے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عہدہ صحابہؓ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ اعلام کی اقتداء اور پیروی تسلسل شریعت کا نشان سمجھی جاتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ اس انصاری صحابیؓ کو کہتے ہیں:۔

فاردت ان اوی الیک لانظر ماعملک؟ فاقتدی به.

(مسند امام احمد جلد۳، ص۱۶۶عن انسؓ)

ترجمہ: میں نے ارادہ کیا کہ تیرے پاس آکر ٹھہروں اور دیکھوں تیرا ایسا عمل کونسا ہے سو میں بھی اس کی پیروی کروں۔

یہ اپنے سے بزرگ تر امتی کی پیروی کیا ہے؟ یہی تو تقلید ہے ظاہر ہے کہ اس موقعہ پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو کسی حدیث کی تلاش نہ تھی آپ اس انصاری صحابیؓ کو اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ سمجھ کر اس کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اور مقبولان بارگاہ الٰہی کی تقلید یہ وہی جذبہ ہے جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔

واتبع سبیل من اناب الی (پ۲۱، لقمان:۱۵)

ترجمہ: اور تو اس کے پیچھے چل جو میری طرف رجوع لائے۔

اس آیت میں یہ تخصیص نہیں کہ صرف انبیاء کی پیروی کرو جو بھی اللہ کے حضور جھکا ہوا اس کی تقلید کی جا سکتی ہے۔

مذکورہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اقتداء کا لفظ استعمال کیا ہے مقلدین اسے ہی تقلید کہتے ہیں۔

ہم اس مقام پر صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں بھی اپنے اکابر کی پیروی جاری تھی اور وہ دلیل کی بحث میں گئے بغیر اکابر کے اعتماد پر ان کے اقوال کی پیروی کرتے تھے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے اس جذبہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا بھی اثر تھا حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من نظرفی دینه الی من هوفوقه فاقتدی به و نظر فی دنیا ہ
الی من هودونه فحمد الله. (ونحوہ فی صحیح مسلم جلد۲، ص ۴۰۷)

ترجمہ: جس نے اپنے دین میں اپنے سے بڑے کی طرف نظر کی اور
اس کی پیروی کی اور دنیوی امور میں اپنے سے چھوٹے کی طرف
دیکھا اس نے اللہ کی حمد کی (کہ یہ اسی کی بتلائی راہ ہے)

کیا یہاں نیک لوگوں کی اقتداء کی ترغیب نہیں؟ اسلام میں اگر صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اطاعت ہو اور امتی کی پیروی تقلیداً نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ائمہ دین کی اقتداء کی ترغیب نہ دیتے۔

صحابہؓ کی مقتداء حیثیت لوگوں میں مسلم تھی حضرت عمرؓ نے جابیہ میں جو خطبہ دیا اس میں آپ نے فرمایا تھا:۔

من اراد ان یسا ل عن الفرائض فلیات زیدبن ثابت ومن ازاد
ان یسال عن الفقه فلیات معاذبن جبل. (المطالب العالیہ جلد۱، ص ۵۱)

ترجمہ: جس شخص کو وراثت کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو وہ حضرت زیدبن
ثابتؓ کے پاس جائے اور جس کو فقہ کا کوئی مسئلہ (کوئی مجتہد فیہ
مسئلہ) پوچھنا ہو وہ حضرت معاذؓ کے پاس آئے۔

اس روایت سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اس ماحول میں سب لوگ عالم نہ ہوتے تھے کہ مسائل کو خود جانتے ہوں تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ علم کے مختلف دائروں میں ماہرین فن کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان کے فیصلوں کو اپنے لیے حجت اور دلیل سمجھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ نہ کہا کہ تم ان سے (حضرت زیدؓ سے یا حضرت معاذؓ سے) احادیث پوچھنا۔ بغیر دلیل پوچھے اعتماداً ان کی بات لینا کہ یہ کتاب وسنت کے مطابق ہی ہوگی یہی تو تقلید ہے اگر ان حضرات سے صرف احادیث ہی معلوم کرنی ہوتیں تو حضرت عمرؓ انہیں حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت معاذؓ کی طرف بھیجنے کی بجائے سیدھے حضرت ابو ہریرہؓ یا حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس بھیجتے ان سے زیادہ حدیث روایت کرنے والا اور کون تھا۔

حضرت محمد بن سیرینؒ (۱۱۰ھ) جلیل القدر تابعی ہیں اور فن تعبیر کے امام ہیں آپ سے مسئلہ پوچھا گیا غسل کے لیے حمام میں داخل ہونا کیسا ہے؟

فقال کان عمر بن الخطاب یکرهه۔

ترجمہ: آپ نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ناپسند کرتے تھے۔

کسی چیز کو مکروہ قرار دینا ایک حکم شرعی ہے امام ابن سیرینؒ کے پاس اس کے لیے حضورؐ کی کوئی حدیث موجود نہ تھی آپ نے اس میں حضرت عمرؓ کے فیصلے پر اعتماد کیا اور آپ سے پوچھنے والے نے بھی آپ سے اس پر حدیث طلب نہ کی بس اعتماداً اس فیصلے کو قبول کر لیا معلوم ہوا اس دور میں صحابہ کی تقلید عام جاری تھی اور دلیل کی بحث میں پڑنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے آپ یہ حدیث پہلے پڑھ آئے ہیں

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے حضرت سالمؒ کہتے ہیں حضرت عبداللہؓ سے مسئلہ پوچھا گیا ایک شخص کا کسی پر کوئی میعادی قرض تھا صاحب قرض کو ضرورت پڑی اس نے کہا کیا وہ اس میں سے کچھ چھوڑنے کو تیار ہے بشرطیکہ وہ وقت موعود سے پہلے اسے قرض واپس کردے حضرت امام مالکؒ نقل فرماتے ہیں:۔

فکره ذلک عبدالله بن عمرو نهی عنه.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے مکروہ کہا اور اسے اس سے منع کیا۔

دیکھئے سائل یہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس کی دلیل نہیں مانگ رہا انہیں مجتہد اور فقیہ سمجھتے ہوئے ان کے فتوے پر عمل کرے گا یہی تقلید ہے اور یہ ان پر اظہار اعتماد ہے۔

صحابہ کرامؓ کے فیصلے جو علمی تقدس رکھتے ہیں وہ اپنی جگہ رہے اگلے آنے والے لوگ تو ان کے اعمال کو بھی اپنے لیے سند بتاتے تھے:

۱۔ حضرت سعد ابی وقاصؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں آپ جب مسجد میں نماز پڑھتے تو اسے مختصر کرتے اور جب گھر میں نماز پڑھتے تو لمبی نماز پڑھتے آپ کے بیٹے حضرت مصعبؓ نے آپ سے اس فرق کی وجہ پوچھی آپ نے فرمایا:۔

یا بنی انا ائمة یقتدی بنا. (رواہ الطبرانی مجمع الزوائد جلد ۱، ص ۱۸۲)

ترجمہ: بیٹا ہم (اصحاب رسول) ائمہ ہیں لوگ ہماری اقتداء کرتے ہیں۔

یعنی لوگ یہ نہ سمجھیں کہ نماز لمبی پڑھنی چاہئے اس لیے میں ان کے سامنے نماز ہلکی پڑھتا ہوں۔ حضرت مصعبؓ نے اپنے والد سے اس فرق کی دلیل نہیں پوچھی نہ یہ کہا کہ لوگوں کے ذمہ دلیل کی تحقیق ہے اگر وہ آپ کو دیکھے لمبی نماز شروع کردیں گے تو وہ خود

گنہگار ہوں گے کہ انہوں نے آپ کی تقلید کیوں کی۔ آپ کیوں فکر مند ہیں کہ امت غلط سمت پر نہ جانکلے اصل چیز دلیل ہے کسی بزرگ کی پیروی نہیں آپ نے کوئی ایسی بات نہ کی جس سے معلوم ہوا کہ بلا دلیل کسی کی بات پر عمل کرنا ناجائز نہیں ہے۔

۲۔ حضرت طلحہؓ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں آپ نے ایک دفعہ احرام میں رنگ دار کپڑا اوڑھا وہ گیرو رنگ کا تھا اس میں خوشبو نہ تھی عام آدمی اس میں مغالطے میں پڑسکتا تھا حضرت عمرؓ نے آپ کو احرام میں رنگ دار کپڑا پہننے سے منع کردیا اور فرمایا:۔

انکم ایھا الرھط ائمة یقتدی بکم الناس فلو ان رجلا جاھلا رای ھذا الثوب یقال ان طلحة بن عبید اللّٰہ قد کان یلبس الثیاب المصبغة فی الاحرام. (موطا امام مالک ص۱۳۲)

ترجمہ: اے قافلہ والو! (اے اصحاب رسول) تم امام ہو لوگ تمہاری پیروی کرتے ہیں ناواقف آدمی جب اس کپڑے کو دیکھے گا تو وہ لوگوں کو کہے گا کہ حضرت طلحہؓ رنگدار کپڑے میں بھی احرام باندھ لیتے تھے۔

اندیشہ ہے کہ وہ احرام میں خوشبو والے رنگدار کپڑے اوڑھنا شروع کردیں اس لیے ان کے سامنے اس احتمال کو باقی نہ رہنے دینا چاہیے۔

۳۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں آپ خود مجتہد تھے اور آنحضرتؐ نے ان کے پیچھے ایک دفعہ نماز بھی پڑھی۔ آپ نے ایک دفعہ موزے پہنے ہوئے تھے اور مسح کیا۔

حضرت عمرؓ نے آپ کو اس سے منع فرمایا کہ اپنی مقتداء حیثیت کو پہچانیے لوگ اس میں آپ کی اقتداء کریں گے تو آپ ان کے لیے کیوں گنجائش پیدا کرتے ہیں اور فرمایا:۔

عزمت علیک الانزعتھما فانی اخاف ان ینظر الناس الیک فیقتدون بک. (مسند امام احمد جلد۱، ص۱۹۲)

ترجمہ: میں نے تمہارے خلاف فیصلہ کیا ہے مگر یہ کہ تم انہیں (ان موزوں کو) اتار دو مجھے ڈر ہے کہ لوگ تمہیں دیکھیں گے اور (اس میں) تمہاری اتباع کریں گے۔

یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ تابعین اور تبع تابعین میں صحابہ کی مقدا حیثیت مسلم

تھی۔ یہ لوگ دین اپنے سے اوپر والوں کے قول وعمل سے لیتے تھے جس بات پر صحابہؓ کو دیکھتے اس میں انہیں علمی تقدس نظر آتا اور وہ ان کی پیروی کرتے تھے دین کا علم وعمل امت میں اسی طرح طبقہ بہ طبقہ اعتماد سے چلتا آیا ہے۔

۴۔ قرات خلف الامام کا مسئلہ اہل علم میں مختلف فیہ چلا آرہا ہے حضرت زید بن ثابتؓ صریح لفظوں میں اس کی نفی کرتے تھے آپ فرماتے ہیں۔

لاقراة مع الامام فی شئی. (صحیح مسلم جلد۱، ص۲۱۸)

ترجمہ: امام کے ساتھ کسی حصہ میں قرأت نہیں (نہ فاتحہ میں اور نہ مازاد علی الفاتحہ میں)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی امام کے پیچھے قرآن نہ پڑھتے تھے مدینہ کے فقہاء سبعہ میں حضرت ابوبکرؓ کے پوتے قاسم بن محمدؒ سے کون واقف نہیں وہ بھی امام کے پیچھے قرآن کا کوئی حصہ نہ پڑھتے تھے۔

لیکن آپ (قاسم بن محمدؒ) محض اس لیے کہ بعض صحابہ جی میں امام کے پیچھے پڑھنے کے قائل تھے فرماتے ہیں کہ آپ دونوں طرح عمل کرسکتے ہیں کیوں کہ دونوں طرف مقتداء درجے کے لوگ موجود ہیں ان کی تقلید میں کوئی پڑھ بھی لے تو ان شاء اللہ اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔ اجتہادی مسائل میں خطا ہو جائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں ہوتا لیکن یہ تبھی ہے کہ وہ کسی مجتہد کی پیروی میں ایسا کرے۔ حضرت ابن عمرؓ کے بیٹے حضرت سالمؒ فرماتے ہیں:۔

کان ابن عمر لایقرأ خلف الامام قال فسئلت القاسم بن محمد عن ذلک فقال ان ترکت فقد ترکه ناس یقتدی بهم وان قرأت فقد قراه ناس یقتدی بهم وکان القاسم ممن لایقرأ. (مؤطا امام محمد ص۹۶)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرآن نہ پڑھتے تھے (سالمؒ کہتے ہیں) میں نے قاسم بن محمدؒ سے اس کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا اگر تم نہ پڑھو تو بے شک وہ لوگ (صحابہ) نہ پڑھتے تھے جن کی امت میں پیروی جاری ہوئی اور اگر تم پڑھتے ہو تو پڑھنے والوں میں وہ بھی تھے جن کی امت میں تقلید چلی اور قاسم بن محمدؒ نہ پڑھنے والوں

میں سے تھے۔

اس سے پتہ چلا اجتہادی مسائل میں عمل تقلیدی ہونا چاہیے ان میں انسان مجتہدین کی پیروی کرے جن کی امت میں اقتداء جاری ہوئی۔

۵۔ حضرت امام حسنؓ سے کسی نے پوچھا آپ مسجد کے اس سقاوہ سے پانی پیتے ہیں اور یہ تو صدقہ ہے اور صدقہ بنو ہاشم پر حرام ہے آپ نے جواب دیا:

قال الحسن قدشرب ابوبکر و عمر من سقایة ام سعدفمه.

(کنز العمال جلد۳، ص ۳۱۸)

ترجمہ: حضرت حسنؓ نے کہا میں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اس کنویں سے (جو حضرت سعدؓ نے اپنی والدہ کے ایصال ثواب کے لیے لگوایا تھا) پانی پیتے دیکھا ہے تو اب اگر میں پیوں تو اس میں کیا ہے۔

صدقہ جس طرح بنو ہاشم کے لیے جائز نہیں امیر المومنین کے لیے بھی تو جائز نہیں۔

دیکھیے حضرت امام حسنؓ نے کس طرح عمل شیخین کی تقلید کی ہے آپ نے حضرت عمرؓ سے اس کی دلیل پوچھے بغیر ان کے عمل کو اپنے لیے سند سمجھا۔

کنواں تو صدقہ ہوتا ہے لیکن پانی کا صدقہ ہونا چہ معنی دارد؟ پانی کی تو کوئی قیمت نہیں ہوتی اور اس سے نفع لینے میں سب برابر کا حق رکھتے ہیں۔

صحابہؓ کے بعد اکابر امت کی تدریجا پیروی

فقہائے کرام کے فیصلے تو اپنی جگہ رہے امت تو ان کے اعمال اور مختارات کو بھی اپنے لیے سند سمجھتی آئی ہے۔ صحابہؓ میں اگر اکابر کی تقلید جاری نہ ہوتی تو امت میں اکابر کی پیروی کی راہ نہ بنتی۔

دوسری صدی میں جن حضرات کی تقلید جاری ہوئی

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین میں بڑے بڑے جبال علم تھے حضرت سعید بن میسبؒ، حضرت علقمہ بن قیسؒ، حضرت قاسم بن محمدؒ، حضرت سالم بن عبداللہ، امام ابراہیم نخعیؒ، حضرت عطاء بن ابی رباحؒ، حضرت سلیمان بن یسارؒ اور ان جیسے اور کئی تابعین کبار تھے جو

اکناف عالم میں پھیلے ہوئے تھے لوگوں کو دین کی راہ بتاتے تھے اور لوگ ان کی پیروی کرتے تھے بلکہ ان کے شاگردوں میں بھی وہ ائمہ کبار ہوئے کہ لوگوں کا ان کے فتوؤں کی طرف رجوع ہوا اور ان کی پیروی ان کے حین حیات ہونے لگی۔

دوسری صدی کے چند مقلدین کے نام

۱۔ قاضی اسماعیل الکندیؒ (۱۶۴ھ) قاضی مصر

آپ امام ابوحنیفہؒ کے طریقہ پر چلتے تھے (الجواہر المضیہ جلد۱،ص۱۶)

۲۔ لیث بن سعدؒ (۱۷۵ھ) مفتی اعظم مصر

یہ بھی حنفی المذہب تھے۔ (اتحاف النبلاء ص۲۳۷)

۳۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ (۱۸۲ھ)

آپ بھی اصحاب ابی حنیفہ میں سے تھے (تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد۱ص۲۸۲)

۴۔ امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ)

کان یفتی بقول ابی حنیفة (تذکرہ الحفاظ للذہبی جلد۱ص۲۸۲)

آپ امام ابوحنیفہؒ کے حدیث میں شاگرد بھی تھے۔

کان قد سمع من ابی حنیفة حدیثا کثیراً

(جامع بیان العلم لابن عبدالبر المالکی جلد۲،ص۱۴۶)

۵۔ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ (۱۹۸ھ)

یفتی بقول ابی حنیفة

(تذکرہ جلد۱،ص۲۸۲ تہذیب التہذیب جلد۱۰ص۴۵۰)

۶۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ)

کان یذھب الی قول مالک (الدیباج المذہب ص۱۳۶)

۷۔ امام عبدالغفار بن داؤد الحرانی (۲۰۴ھ)

امام ابوحنیفہؒ کے پیرو تھے۔ (دیکھئے تہذیب جلد۶،ص۳۶۶)

۸۔ امام محمد بن عبداللہ بن الحکمؒ (۲۰۸)

احد فقھاء مصر من اصحاب مالک (تذکرہ جلد۲،ص۱۱۶)

مالکی مذہب میں سخت متشدد تھے۔

آپ نے حنفیوں اور شافعیوں کے خلاف کتابیں لکھیں۔

(الدیباج المذہب ص۲۳۲)

۹۔ امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) بھی دوسری صدی کے آخر میں ہوئے ہیں آپ جب مصر گئے تو وہاں کے لوگوں کو زیادہ مالکی مذہب پر پایا وہ لوگ امام شافعیؒ کی جلالت قدر سے زیادہ متاثر ہوئے اور انہوں نے شافعی مذہب اختیار کرلیا۔ اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی میں مصر میں بھی تقلید پہنچ چکی تھی وہاں حنفی مفتی بھی رہے پھر مالکیہ نے زور پکڑا اور جب وہاں حضرت امام شافعیؒ آئے تو وہ شافعی مذہب پر آگئے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

اهل مصر كانوا مالكية فلما قدم الشافعي مصر تحولوا الشافعية. (الجنہ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص۴۵)

ترجمہ: مصر کے لوگ پہلے مالکی طریقہ پر تھے جب وہاں امام شافعی گئے تو وہ آپ کے مذہب پر آگئے۔

اگر چوتھی صدی سے پہلے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ کی تقلید نہ چلی تھی تو امام شافعیؒ کے مصر آنے پر عوام میں یہ تبدیلی کس طرح واقع ہوئی۔

امام ابن شریحؒ کی منزلت علمی سے کون واقف نہیں آپ دوسری صدی کے مجدد مانے جاتے تھے۔ آپ نے قواعد تقلید ترتیب دیئے یہ کس لیے؟ تاکہ تقلید میں کوئی غلط راہ اختیار نہ کرجائے۔ تاہم اتنا تو معلوم ہوا کہ تقلید ان دنوں رائج تھی اور یہ کوئی ایسا عمل نہ تھا جس میں کتاب وسنت کی رو سے کوئی قباحت ہو۔

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ الانصاف کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

نشا ابن شريح فأسس قواعد التقليد. (الجنہ ص۳۹)

ترجمہ: ابن شریحؒ نے ہوش سنبھالا اور قواعد تقلید کی بنیادیں قائم کیں۔

تیسری صدی کے چند مقلدین کے نام

۱۔ امام یحییٰ بن معینؒ (۲۳۳ھ)

جرح وتعدیل کے امام ہیں علم حدیث میں مرجع خلائق تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور فقہ حنفی کا اعتبار کرتے تھے (دیکھئے تاریخ بغداد جلد ۱۳، ص ۳۴۷)

۲۔ امام عبدالملک بن حبیبؒ (۲۳۹ھ)

مالکی مذہب کے پیرو تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۱۰۷)

۳۔ اسماعیل قاضیؒ (۲۸۲ھ)

شیخ المالکیۃ بالعراق۔ (تذکرہ جلد ۲، ص ۱۸۰)

۴۔ خلیفہ جعفر بن معتصم عباسیؒ (۲۴۶ھ)

آپ امام شافعیؒ کے مقلد تھے۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۲۵۹)

۵۔ امام عبدالغفار بن داؤد الحرانیؒ (۲۴۰ھ)

حنفی مسلک پر تھے (دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۶، ص ۳۶۶)

۶۔ امام ابوبکر احمد بن محمد الاثرم (۲۶۰ھ)

صاحب الامام احمد (تذکرہ جلد ۲، ص ۱۳۵)

۷۔ امام میمونی ابوالحسن عبدالملکؒ (۲۷۴ھ)

کان من کبارا صحاب احمد (تذکرہ جلد ۲، ص ۱۶۲)

۸۔ امام ابوبکر بن احمد بن محمد المروزیؒ (۲۷۵ھ)

من اجل اصحاب احمدبن حنبل (تذکرہ جلد ۲، ص ۱۸۵)

۹۔ ابوعبداللہ محمد بن ابراہیمؒ البوشنجی (۲۹۰ھ)

امام ابوبکر بن خزیمہؒ (۳۱۱ھ) ان کی رکاب تھامے ہوئے چلتے تھے۔

من کبار الشافعیۃ (تہذیب جلد ۹، ص ۱۰)

۱۰۔ امام محمد بن نصرؒ (۲۹۱ھ)

اهل بیته حنفیون (تذکرہ جلد ۲، ص ۲۲۰)

آپ کے سب اہل بیت حنفی مسلک پر تھے۔

حدیث میں حافظ تھے اور حنفی مسلک پر تھے۔

۱۱۔ امام نسائیؒ (۳۰۳ھ)

آپ شافعی مسلک تھے۔ خطیب تبریزیؒ صاحب مشکوۃ لکھتے ہیں۔

وکان شافعی المذھب (الاکمال ص ۶۲۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ائمہ اربعہ کی تقلید عام ہو چکی تھی ہاں یہ صورت حال کہ کوئی شخص تقلید معین سے باہر نہ نکلے یہ صورت چوتھی صدی میں دیکھی گئی دوسری اور تیسری صدیوں میں بیشتر لوگ غیر معین تقلید پر رہے سو یہ کہنا صحیح نہیں کہ تقلید چوتھی صدی کے بعد شروع ہوئی پہلی صدیوں میں نہ تھی۔

اسلام کی پہلی تین صدیوں کا عمل

حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) اور امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) پہلی دو صدیوں کے ائمہ مجتہدین ہیں دوسری صدی کے آخر میں امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور تیسری صدی کے وسط میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کے مکاتب فکر قائم ہوئے ان تین صدیوں میں ان جہال علم کی غیر معین تقلید کو ناجائز نہ سمجھا جاتا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الی ان ظھرت المذاھب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکاره ولو کان ذلک باطلا لانکروه.

(عقد الجید ص ۳۳)

ترجمہ: لوگ صحابہؓ کے زمانے سے لے کر مذاہب اربعہ کے ظہور تک انہیں جس عالم کی بات لینے کا بھی اتفاق ہو جائے اس کی تقلید کرتے رہے بغیر اس کے کہ وہ کسی دوسرے پر نکیر کریں اگر تقلید کرنا کوئی غلط کام ہوتا تو وہ اسی دور میں اس کا انکار کر دیتے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تقلید تو بے شک عہد صحابہؓ سے چلی آرہی ہے اور اسے ہم بدعت نہیں کہتے لیکن امام حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید تو عہد صحابہؓ میں نہ تھی یہ کیوں بدعت نہ ہوگی؟

ہم جواباً کہتے ہیں کہ آج ہم جن اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں کیا صحابہؓ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی؟ اگر نہیں تو چاہیے کہ آج کل جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور عہد صحابہؓ کے بعد کے کسی شخص کو امام بنانا یہ بھی بدعت ہو ظاہر ہے کہ ایسی بات کوئی جاہل بھی نہ کہے گا نماز باجماعت پڑھنے کا مسئلہ جب شریعت سے ثابت ہے تو ان (اس عہد کے اماموں) کے پیچھے نماز کیوں ناجائز ہوگی؟ اسی طرح تقلید کا مسئلہ (کہ اعتماداً کسی کی بات مان لی جائے اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کیا جائے) جب عہد صحابہؓ سے ثابت ہے تو پھر امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید کیوں ناجائز ہوگی؟ شریعت تو صرف اصول بتلاتی ہے ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہر دور میں لوگ چننے پڑتے ہیں اور جن لوگوں کو پوری امت میں قبولیت حاصل ہوجائے تو اسے اللہ تعالیٰ کا سر تکوینی سمجھنا چاہیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

> وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالى العلماء وجمعهم من حيث يشعرون اولا يشعرون۔ (الانصاف ص ٦٧)
>
> ترجمہ: حاصل اینکہ ان مجتہدین کے مذہب کا پابند ہونا ایک سر الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں اتارا ہے اور اس پر سب کو جمع کردیا ہے وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دور تک سب علماء تقلید پر متفق تھے اس وقت کوئی معروف غیر مقلد صفحۂ زمین پر نہ تھا۔

ائمہ اربعہ کی امامت پر کوئی نص نہ تھی لیکن اسے کیا کہیں کہ اور ائمہ کے مقلد آہستہ آہستہ ناپید ہوتے گئے اور ان چار فقہوں کے سوا اور کوئی ضابطہ عمل نہ رہا جس پر امامت چل سکے اسے سر الٰہی اور راز تکوینی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے اس کے لیے اگر کوئی لفظ مصطلحات شرعیہ میں موجود ہوتا تو حضرت شاہ ولی اللہؒ اس کو ضرور پالیتے۔

علامہ ابن خلدون مغربیؒ (۸۰۸ھ) کے علم و فضل اور فہم فراست سے کون واقف نہیں۔ آپ امت محمدی کی استقامت علی التقلید کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں محدث نیمویؒ (۱۳۲۲ھ) نے اوشحہ الجید میں اسے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:۔

> دیار و امصار میں ان ہی ائمہ اربعہ میں تقلید منحصر ہوگئی اور ان کے سوا

جو امام تھے ان کے مقلد ناپید ہوگئے اور لوگوں نے اختلافات کے دروازے اور راستے بند کردیئے اور چونکہ اصطلاحات علیہ مختلف ہوگئیں اور لوگ مرتبہ اجتہاد تک پہنچنے سے رہ گئے اور اس امر کا اندیشہ پیدا ہوا کہ اجتہاد کے میدان میں کہیں ایسے لوگ نہ کود پڑیں جو نہ تو اس کے اہل ہیں نہ ان کا دین اور ان کی رائے قابل وثوق ہے لہذا علمائے زمانہ میں جو محتاط تھے انہوں نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کردیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح فرمادی اور ان ہی ائمہ مجتہدین کی تقلید کے لیے جن کے لوگ مقلد ہورہے تھے ہدایت اور راہنمائی کرنے لگے۔

اور چونکہ متداول تقلید میں تلاعب ہے یعنی اس طرح تقلید کرنے میں کہ کبھی ایک امام کی طرف اور کبھی دوسرے امام کی طرف رجوع کریں اس سے دین کھلونا بن جاتا ہے اس لیے اس طرح کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے اور ایک ہی امام کی تقلید کرنے پرزور دینے لگے اور صرف نقل مذہب باقی رہ گیا اور بعد تصحیح اصول واتصال سند بالروایۃ ہر مقلد اپنے اپنے امام مجتہد کی تقلید کرنے لگا اور فقہ سے آج بجز اس امر کے اور کچھ مطلب نہیں ہے اور فی زمانا مدعی اجتہاد مردود اور اس کی تقلید مہجور اور متروک ہے اور اہل اسلام ان ہی ائمہ اربعہ کی تقلید پر مستقیم ہوگئے ہیں۔

(مقدمہ تاریخ ابن خلدون بحوالہ اوشحہ الجید للمحدث النیموی ؒ ص۸۹ مفصلا مقدمہ جلد۲، ص۳۴۴)

یہاں جس مدعی اجتہاد کو مردود کہا گیا ہے اس سے مراد مدعی اجتہاد مطلق ہے۔ ائمہ اربعہ کے اصولوں کی روشنی میں قرآن وحدیث سے نئے مسائل کا استنباط واستخراج یہ اجتہاد مطلق نہیں ہے یہ اجتہاد فی المسائل ہے۔ ان میں اجتہاد کرنے والا اپنے امام کے اصول اجتہاد کے تحت چلتا ہے گو وہ اپنے استنباط و استخراج میں اپنے امام سے کہیں مختلف کیوں نہ جا نکلے جیسے امام طحاوی ؒ جو مجتہد مطلق نہیں صرف مجتہد فی المسائل ہیں۔

دو اہم قابل غور نکتے

جدید تعلیم یافتہ لوگ جنہوں نے کتاب وسنت کی تعلیم صاحب فن اساتذہ سے نہیں صرف رسالوں اور اخباروں سے حاصل کی ہے وہ اجتہاد کے ان مختلف مراتب کو سمجھتے نہیں صرف اجتہاد کا لفظ انہوں نے سن رکھا ہے اور اسے وہ اسلام کے محض تیسرے ماخذ علم کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ وہ جب ابن خلدون کی یہ بات پڑھتے ہیں کہ علماء محتاطین نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا تو وہ تھرا اٹھتے ہیں کہ یہ بات قومی سطح پر بالکل خلاف فطرت ہے جب ضرورات زمانہ پھیلتی جاری ہیں تو اگر اجتہاد کا دروازہ بند ہو تو ان حالات میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل کیا ہوگا ہم کہتے ہیں اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہے اجتہاد فی المسائل کی راہ بے شک کھلی ہے۔ اصول اجتہاد ائمہ اربعہ کے بعد اور وضع نہ کیے جائیں گے ان کے دائرہ اصول میں رہ کر نئے اٹھنے والے مسائل آج بھی اجتہاداً طے کیے جاسکتے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پرانے مسائل میں بھی نئے سرے سے اجتہاد کیا جائے ان مسائل میں اجتہاد چار فقہوں کی وسعت کے ساتھ موجود ہے ان میں کوئی نئی راہ نکالنا پچھلی کئی صدیوں کی امت کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد ہوگی اس لیے نئے اجتہاد کو نئے پیش آمدہ مسائل تک محدود رکھنا ہوگا تاکہ اپنی علمی تاریخ قائم رہے اور پوری امت کے خلاف عدم اعتماد نہ ہو۔

دوسرا نکتہ محض ایک وسوسہ ہے جو بعض ذہنوں میں کھٹکتا ہے کہ مجتہدین مطلق وہ امام ابوحنیفہؒ ہوں یا امام مالکؒ ہیں تو آخر مجتہد ہی اور مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے اور کبھی مخطیٔ بھی تو گو وہ ایک اجر سے کسی صورت میں بھی نہیں نکلتا اور اس کی پیروی سے کوئی امتی زیر بار خطا نہیں ہوتا تاہم مقلدین نے جو ان کی ہر ہر بات میں پیروی کیا اسے مقام رسالت کے قریب تو لا کھڑا نہیں کرتی؟ یہ وہ سوال ہے جو کئی ذہنوں میں کھٹکتا ہے۔

الجواب

فقہ حنفی کے پیرووں کو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے شروع سے اس گمان سے نکال رکھا ہے امام صاحبؒ کے ایک ایک مسئلے پر ان حضرات نے تنقیدی نظر کی ہے ان حضرات نے اور دوسرے ائمہ سے بھی ملاقات کی ہے اور ان سے اختلافی مسائل سنے ہیں

اور ان پر مزید غور کیا ہے یہ حنفی صرف اس معنی میں ہیں کہ یہ اپنے امام کے اصول اجتہاد سے باہر نہیں نکلتے۔

کتاب وسنت سے استخراج واستنباط کے سلسلے میں یہ پورے مجتہد ہیں حضرت امام سے کبھی اتفاق کرتے اور کبھی اختلاف بھی یہ حضرات مجتہد فی المذہب ہیں۔ پھر ان تینوں سے جو مسائل رہ گئے ہوں انہیں امام طحاویؒ جیسے حضرات حل کر گئے ہیں یہ اجتہاد فی المسائل ہے۔ پھر آگے ائمہ ثلثہ کے استنباط کردہ مسائل پر نئے مسائل کی تخریج ہوتی ہے امام کرخیؒ اس دائرہ میں بہت وسیع کام کر گئے ہیں۔ پھر آگے ائمہ ترجیح آتے ہیں جیسے علامہ برھان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ۔

سو جس شخص کی فقہ حنفی پر پوری نظر ہوگی اس کے ذہن میں کبھی یہ وسوسہ پیدا نہ ہوگا کہ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید نے مقلدین کی نظر میں انہیں مقام رسالت کے قریب لا کھڑا کیا ہے فقہ کے اس تاریخی پس منظر میں اس کا وہم تک کسی ذہن میں پیدا نہیں ہوتا۔ فقہ حنفی میں ائمہ کے مختلف اقوال اور ان کی مختلف تخریجات ملتی ہیں عمل صرف مفتی بہ اقوال پر ہوتا ہے دوسرے اقوال صرف بصیرت پیدا کرنے کے لیے زیر بحث لائے جاتے ہیں۔

ان سب ائمہ کے حنفی ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ حضرات اصول اجتہاد میں حضرت امام کے اصولوں پر چلے ہیں باقی رہا پیروی کا مسئلہ تو فقہ حنفی میں لائق عمل صرف مفتی بہ امور کو ٹھہرایا جاتا ہے نہ کہ حضرت امام کو ذاتا مفترض الطاعۃ جانا جاتا ہے۔

سو مسائل مفتی بہ کی رو سے فقہ حنفی میں ایک اور خاص مذہب نکل آتا ہے پیروی اس کی کی جاتی ہے نہ کہ صرف حضرت امام کے فیصلوں کی۔ اس صورت عمل نے فقہ حنفی کو کتاب وسنت کے بہت قریب کر دیا ہے بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ فقہ حنفی کی پیروی کتاب وسنت کی پیروی کا ہی ایک دوسرا نام ہے۔

جو عالم مل جائے اس کی تقلید کر لی جائے اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان علماء کی تقلید کی جائے جو اپنے علم وتقویٰ اور تفقہ میں مرکزی شہرت رکھتے ہوں سو اسی بھلائی کی تلاش میں لوگ تیسری صدی میں اہل علم پر جمع ہونے لگے اور بہت کم رہ گئے جو کسی امام فن مجتہد پر جمع نہ ہوں۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

بعد المائتین ظهر فیھم التمذھب للمجتھدین اعیانھم وقل من قال لایعتمد علی مذھب مجتھد بعینه وکان ھوالواجب فی ذلک الزمان. (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۲)

ترجمہ: مسلمانوں میں دو صدیوں بعد معین مجتہدین سے انسلاک شروع ہو گیا تھا اور بہت کم لوگ رہ گئے جو کسی خاص مجتہد پر اعتماد نہ کرنے والے تھے اور یہ اعتماد اس دور میں واجب کے درجے میں سمجھا جاتا تھا۔

تیسری صدی کے بعد مجتہدین کی پیروی میں یہ مذاہب معین طور پر قائم ہو گئے اور یہ اسی نظام کی تکمیل تھی جو صحابہؓ سے شروع ہوا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:۔

اعلم ان الناس کانوا قبل المائة الرابعة غیر مجتمعین علی تقلید الخاص لمذھب واحد بعینه.

ترجمہ: جان لو لوگ چوتھی صدی سے پہلے کسی ایک خاص امام کی تقلید پر جمع نہ تھے۔

اس عبارت کو اگر شاہ صاحبؒ کی پہلی عبارتوں کی روشنی میں سمجھا جائے تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ پہلی دو صدیوں میں تقلید موجود تھی لیکن ابھی سب لوگ کسی ایک امام کی تقلید پر جمع نہ تھے ائمہ بھی تھے اور ان کے مقلدین بھی۔ تقلید ان صدیوں میں موجود تھی لیکن لوگ باضابطہ طور پر کسی ایک امام کی تقلید پر جمع نہ تھے کچھ مطلق تقلید پر عمل پیرا تھے۔ تیسری صدی میں لوگ معین تقلید پر جمع ہو گئے اور بہت کم رہ گئے جو تقلید مطلق پر ہوں البتہ چوتھی صدی میں سب لوگ ائمہ مجتہدین کے مذاہب پر آ گئے اور یہ سلسلہ آگے چلتا رہا یہاں تک کہ کوئی بھی تقلید کا تارک نہ تھا اور اہل السنۃ والجماعۃ انہی کا نام ہو کر رہ گیا جو ان مجتہدین کے پیرو تھے۔

امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) امام مالکؒ (۱۷۹ھ) امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کی تقلید چلتی رہی اور سب مسلمان ان ائمہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد رہے یہاں تک کہ بعض مذاہب مندرس ہوتے گئے اور صرف چار مذاہب باقی رہ گئے۔ اس وقت بھی مقلدین مذاہب اربعہ امت محمدیہ کا سواد اعظم تھے اور اس تقلید سے باہر آنا سواد اعظم سے خروج سمجھا جاتا رہا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

ولما اندرست المذاهب الحقة الاهذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسوا د الا عظم والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم (عقدالجید ص ۳۸)

ترجمہ: جب تمام مذاہب حقہ ان چار کے سوا ناپید ہو گئے تو اب چار کی پیروی ہی سواد اعظم کی پیروی رہی اور ان سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ٹھہرا۔

تمام مسائل میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع کرنا

ہمارے کرم فرما یہ تو مان لیتے ہیں کہ عامی عالم پر اعتماد کر کے اس کا فتویٰ مان لے اور اس پر عمل کرے لیکن یہاں وہ دو نکتے اٹھاتے ہیں:۔

۱۔ صاحب علم کو وہ دوسرے سے درجے میں کم ہو دوسرے کی بات پر اعتماد اًعمل نہ کرے اس سے دلیل پوچھے۔

۲۔ تمام مسائل پیش آمدہ میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع نہ کرے یہ صرف نبی کی شان ہے کہ ہر مسئلے میں اسی کی طرف رجوع ہو۔

ہم ان دونوں باتوں سے اتفاق نہیں کرتے

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی منزلت علمی سے کون واقف نہیں بایں ہمہ شان علم آپ حضرت علی المرتضیٰؓ کی پیروی اپنے لیے جائز سمجھتے ہیں اور ان کے فیصلے کے ہوتے ہوئے کسی اور طرف رجوع نہیں کرتے سب باتوں میں انہی کی طرف رجوع چاہتے ہیں۔

طبقات ابن سعد میں سند صحیح سے مروی ہے:۔

عن ابن عباس قال اذا حدثنا ثقة عن علي لم نتجاوزها.

(فتح الباری جلد ۷، ص ۶۰)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب کوئی ثقہ شخص ہمیں یہ بتا دے کہ حضرت علیؓ نے یہ بات کہی ہے تو ہم کسی اور طرف نہ دیکھتے تھے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جلالت علمی سے کس کو انکار ہوسکتا ہے آپ حضرت عمرؓ کی پیروی کو بحث میں جائے بغیر اپنے لیے سند سمجھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

لو ان الناس سلکوا وادیا وشعبا وسلک عمر وادیا وشعبا سلکت وادی عمر و شعبه لوقنت عمر قنت عبداللّٰہ

(اعلام الموقعین جلد ۱، ص ۱۶)

ترجمہ: لوگ اگر ایک وادی اور راہ پر چل پڑیں اور حضرت عمرؓ کسی دوسری راہ پر چلیں تو میں اس وادی میں چلوں گا جس پر حضرت عمرؓ چل رہے ہوں۔ وہ فجر میں قنوت کریں گے تو میں بھی قنوت پڑھوں گا۔

۳۔ حضرت ابوموسےٰ الاشعریؓ کی عبقری شخصیت کس سے ڈھکی چھپی ہے آپ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا آپ نے اسے بتایا (اس نے نہ دلیل پوچھی نہ انہوں نے بتائی) اس نے پھر وہی مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا آپ نے اسے وہ اور طرح بتایا (اس نے نہ دلیل پوچھی نہ انہوں نے بتائی) اس نے ان کا جواب پھر آکر حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ کو بتایا تو آپ نے فرمایا:۔

لا تسئلو نی مادام هذا الحبر فیکم.

(صحیح بخاری جلد ۲، ص ۹۹۷ سنن ابوداؤد جلد ۲، ص ۴۳)

ترجمہ: مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھو جب تک یہ اتنا بڑا عالم تم میں موجود ہے۔

سب مسائل میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع کرنا ناجائز ہوتا تو حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کبھی اس کی تلقین نہ فرماتے کہ سب مسائل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی پوچھا کرو۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ وہ مسئلہ اجتہادی ہوگا اگر اس پر کوئی کتاب وسنت کی نص موجود ہوتی تو دونوں صحابیوں میں کوئی اختلاف نہ ہوتا معلوم ہوا اجتہادی مسائل میں لوگوں کا ایک بڑے عالم کی طرف رجوع کرنا اور دلیل طلبی میں نہ پڑنا صحابہ کی نظر میں ہرگز کوئی امر مذموم نہ تھا تقلید کی حقیقت اگر یہی ہے تو کیا صحابہؓ کے عہد میں یہ موجود نہ تھی؟

۴۔ حضرت معاذؓ بن جبلؓ وہ صحابی ہیں جنہیں مجتہد ہونے کی سند حضورؐ نے بخشی تھی آپ کے جلیل القدر شاگرد حضرت عمرو بن میمونؓ سے کون واقف نہیں؟ حضرت معاذؓ نے

انہیں وصیت کی کہ میری وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاں چلے جانا انہی سے علم حاصل کرنا اور انہی کے پاس رہنا۔ (الجنہ فی الاسوۃ الحسنہ بالسنۃ ص ٦)

زندگی بھر ایک ہی عالم کے پاس رہنا اس پر علماً اور اجتہاداً اعتماد کرنا ہے اسی طرح حضرت امام محمدؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ رہے عہد صحابہؓ میں بڑے عالموں پر اعتماد کرنا اور ان سے دلیل کی بحث میں نہ پڑنا ہرگز عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

۵۔ بڑے تو اپنی جگہ رہے چھوٹے بھی علم میں بڑے ہو جائیں تو تمام مسائل میں ان عالموں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے حضرت انس بن مالکؓ کتنی اونچی علمی شان رکھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور خادم نو سال رہے آپ کے سامنے حضرت حسن بصریؒ جوان ہوئے اور مجتہد کے درجہ کو پہنچے اب آپ بوڑھے ہو چکے تھے اب آپ سے کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے آتا تو آپ فرماتے:۔

سلوا مولانا الحسن ہمارے مولی حسنؓ سے پوچھو۔

(طبقات ابن سعد جلد ۷، ص ۱۲۸)

معلوم ہوا تمام مسائل میں کسی ایک امام کی طرف رجوع کرنا ہرگز کوئی امر ممنوع نہ سمجھا جاتا تھا۔

٦۔ امام فن تعبیر حضرت محمد بن سیرینؒ کو کون نہیں جانتا آپ نے اپنے شاگرد ابوبکر الہذلیؒ کو نصیحت فرمائی:۔

الزم الشعبی فلقد رایته یستفتی و الصحابة متوافرون.

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۲، ص ۷٦)

ترجمہ: شعبیؒ کی پیروی کا التزام کرنا میں نے انہیں اس وقت سے فتوی دیتے دیکھا ہے جب صحابہؓ بڑی تعداد میں موجود تھے۔

اس سے پتہ چلا کہ اکابر علماء کی پیروی عہد صحابہؓ میں شروع ہو چکی تھی ان علماء کے فتوے (گو وہ صحابہؓ میں سے نہ ہوں) عام چلتے تھے اور لوگ ان کی پیروی کرتے تھے۔ اعتماداً کسی عالم کے فتووں پر عمل پیرا ہونا اور اس کے ساتھ دلیل کی بحث میں نہ پڑنا اس دور میں ہرگز عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کی پیروی بھی عہد صحابہؓ میں شروع ہو چکی تھی آپ نے ۱۱۰ھ میں فتویٰ

دینا شروع کیا اور دینی مسائل میں لوگ آپ کی طرف رجوع کرنے لگے آپ ۱۲۰ھ میں اپنے استاد کے جانشین ہوئے صحابی رسول حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ (۱۰۶ھ) کا دور پایا اس وقت حضرت امام کی عمر ۲۲ سال کی تھی حضرت امام ابوحنیفہؒ بلکہ امام مالکؒ کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی پیروی عہد صحابہؓ میں شروع ہوگئی تھی اور لوگ ان کے فتووں پر عمل کرتے تھے تاہم وہ عہد صحابہؓ کے مجتہدین میں سے نہیں ہیں اس دور کے مجتہد کہلانے کا حق حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ جیسے اکابر کو ہی حاصل ہے دوسرے دور کے مجتہدین میں سرفہرست امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، امام لیث بن سعدؒ، امام سفیان الثوریؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ ہیں۔

فقہ کے تیسرے دور میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ مجتہد مطلق ہوئے (۱۷۰ھ) سے (۲۲۰ھ) کے مابین جن ائمہ کے فتوے امت میں جاری ہوئے اور لوگ ان سے دلیل کی بحث میں گئے بغیر اعتماداً ان پر عمل کرتے رہے ان میں یہ ائمہ کبار بھی آ شامل ہوئے۔ یہ تیسرے قرن کے فقہاء ہیں ان کے بعد کوئی مجتہد اس درجے میں نہیں آیا کہ اس کی پیروی امت میں جاری ہوئی ہو۔

اس امت میں ائمہ اربعہ کی پیروی اس لیے خیر و برکت کا سبب سمجھی گئی ہے کہ یہ چاروں امام ان تین زمانوں (قرون ثلثہ مشہو دلہا بالخیر) میں اپنے فتووں کی پیروی پا چکے تھے یہ فتوے دیتے رہے اور امت ان سے ان فتووں کی دلیل معلوم کیے بغیر اعتماداً ان پر عمل کرتی رہی جو چیز (تقلید) ان تین زمانوں میں قبولیت عام پا جائے اسے کسی طرح برا نہیں کہا جا سکتا۔ آنحضرتؐ نے ان تین زمانوں کے خیر ہونے کی اس طرح خبر دی ہے آپ نے فرمایا:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم.

(صحیح مسلم جلد ۲، ص ۳۰۹ عن عبداللہ عن النبیؐ)

ترجمہ: لوگوں میں سب سے اچھے میرے دور کے لوگ (صحابہ کرامؓ) ہیں۔ پھر ان کے بعد آنیوالے (تابعینؒ) پھر ان کے بعد آنیوالے (تبع تابعینؒ)۔

یہ تین زمانے بلسان رسالت خیر القرون ہیں تقلید ان زمانوں میں جاری ہوئی

اہل علم فتوی دیتے تھے اور امت ان پر عمل کرتی تھی لوگوں کو دلیل سے بحث نہ تھی اعتماداً اہل علم کی بات قبول کرلی جاتی تھی یہ تقلید کا آغاز ہے جو خیر القرون میں ہوا اگر یہ گمراہی ہوتی تو اس کا آغاز خیر القرون سے نہ ہوتا ان ادوار کے لوگ مجموعی طور پر خیر الناس تھے حضور ﷺ سے پوچھا گیا تھا۔

ای الناس خیر سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں یہ بات کہی تھی۔ تقلید کا آغاز انہی اچھے لوگوں سے ہوا تھا اللہ تعالی جن لوگوں سے خیر کا ارادہ کریں انہیں فقہ سے نوازتے ہیں۔

تقلید شخصی کی تاریخ

تقلید ایک مسئلے کی حیثیت سے کتاب وسنت کا موضوع ہے اور تقلید امت میں کب سے چلی یہ تاریخ کا موضوع ہے سب مسئلوں میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع کرنا یہ تقلید شخصی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ امت کے دور اول میں صحابہؓ کی پیروی جاری ہوئی اور پھر اکابر صحابہؓ کی پیروی کا التزام بھی رہا۔ ازاں بعد اکابر ائمہ تابعینؒ کی پیروی چلی مگر چونکہ ان کے مذاہب مدون نہ ہو پائے اس لیے ان کی تقلید ان کے ناموں پر آگے نہ چل سکی۔

امام ابوحنیفہؒ اس امت کی پہلی علمی شخصیت ہیں جنہوں نے علماء کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر فقہ کی تدوین کی، آپ کی وفات (۱۵۰ھ) میں ہوئی، آپ کے بڑے بڑے شاگرد آپ کے اصول فقہ کی روشنی میں آگے بڑھے اور ایک فقہ مرتب کر دی۔ سو یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں میں دوسری صدی میں آپ کی پیروی جاری ہو چکی تھی۔ امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) کی تقلید شام میں جاری ہوئی اور امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کی حجاز میں۔ تاہم یہ تقلید ایک متفرق پیرائے میں تھی سب لوگ کسی معین مذہب میں پابندی سے منسلک نہ تھے پھر آہستہ آہستہ لوگ معین مذاہب میں آتے گئے امام احمد بن حنبلؒ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی اور تیسری صدی میں اُن کی فقہ بھی مدون ہوگئی۔

سو دوسری صدی کے آخر سے تیسری صدی کے آخر تک وہ دور ہے جس میں ائمہ اربعہ کی معین پیروی آگے چلی۔

دوسری صدی میں فقہ حنفی کی پیروی

عباسی خلیفہ الواثق باللہ نے ۲۲۸ھ میں کچھ لوگوں کو سد سکندری کا حال دریافت

کرنے کے لیے اقصائے چین بھیجا انہوں نے آکر جو رپورٹ دی اس میں یہ صریح طور پر مذکور ہے کہ وہ لوگ حنفی مذہب کے پیرو تھے اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ لوگ سلطنت عباسیہ سے بالکل بے خبر تھے عباسی حکومت ۲۳۱ھ میں قائم ہوئی اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ اس سے پہلے سے مشرق وسطی سے نکلے ہوئے تھے اور یہ کہ اس وقت مسلمانوں میں فقہ حنفی کی پیروی جاری ہو چکی تھی۔

نواب صدیق حسن خانؒ نے ریاض المرتاض میں مسالک الممالک کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

> محافظان سد سکندری کہ در آنجا بودند ہمہ دین اسلام داشتند و مذہب حنفی و زبان عربی و فارسی ے گفتند اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند۔
>
> (ریاض المرتاض بحوالہ اوشحۃ الجید)

> ترجمہ: محافظان سد سکندری جو اس وقت تھے سب دین اسلام پر تھے مذہب ان کا حنفی تھا اور عربی اور فارسی بولتے تھے لیکن سلطنت عباسیہ سے بے خبر تھے (انہیں علم نہ تھا کہ مرکز میں خلافت بدل چکی ہے)

امام طحاویؒ ۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے یہ اسماعیل بن یحییٰ مزنیؒ (۲۶۴ھ) شاگرد امام شافعیؒ کے شاگرد اور بھانجے تھے مؤرخین لکھتے ہیں یہ شافعی المذہب تھے اور پھر حنفی ہو گئے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیسری صدی کے نصف آخر میں ان معین فقہوں کی پیروی جاری ہو چکی تھی ورنہ ایک فقہ سے نکل کر دوسری میں آنا کسی طرح سمجھا نہیں جاسکتا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا قافلہ اموی دور خلافت میں محمد بن قاسمؒ کی سرکردگی میں پہنچا یہاں جب اسلام آیا تو وہ کون سی فقہ کے مطابق تھا؟ یہ خلافت عباسیہ سے پہلے کی بات ہے جس سے اقصائے چین کے لوگ بے خبر تھے کشمیر کب سے مسلمانوں کی بستی چلا آرہا ہے؟ یہ بات کسی سے مخفی نہیں اہل کشمیر اس دور میں کس فقہ پر تھے اسے تاریخ فرشتہ میں ملاحظہ کریں۔

> رعائے آں ملک کلہم اجمعین حنفی مذہب اند (تاریخ فرشتہ ص ۳۳۶)
>
> ترجمہ: اس ملک کی آبادی سب حنفی مذہب پر ہے۔

فاتح ہند سلطان محمود غزنویؒ (ھ) کا نام فقہائے حنفیہ میں بڑی عزت سے لیا جاتا

ہے یہ وہ دور ہے جب مسلمانوں کے قافلے گنگا اور جمنا کے کنارے اتر رہے تھے حضرت علی ہجویریؒ (۴۶۵ھ) اولیائے ہند میں پہلے بزرگ ہیں جو لاہور میں آئے آپ بھی حنفی مذہب کے پیرو تھے اور اس دور میں ہندوستان میں حنفی فقہ کی پیروی جاری تھی۔

ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں فقہ حنفی کی ہی پیروی قدیم الایام سے رائج ہو چکی تھی اور ان میں کچھ وہ زمانہ بھی داخل ہے جس کے خیر ہونے اور گمراہی سے محفوظ ہونے کی خود لسان شریعت نے خبر دی تھی۔

بغداد میں امام الحرمین (۴۷۸ھ) اور امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) شافعی مذہب کے پیرو تھے یہ ایک معین مذہب کی پیروی تھی امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) بھی ایک معین مذہب کے پیرو تھے اور اس زمانے میں ایک معین مذہب کی پیروی میں چلنا ہرگز کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔

آیئے اب آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں:۔

حضرت خواجہ نظام الدین دہلویؒ نے راحت القلوب میں پاکپتن کے شہرہ آفاق بزرگ بابا فرید الحقؒ کا ایک ارشاد ۱۱ ذوالحجہ ۶۵۵ھ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:۔

> ہر چار مذہب برحق ہیں لیکن بالیقین جاننا چاہیے کہ مذہب امام اعظمؒ کا سب سے فاضل تر ہے اور دوسرے مذاہب ان کے پس رو ہیں اور امام ابوحنیفہؒ افضل المتقدمین ہیں اور الحمدللہ کہ ہم ان کے مذہب پر ہیں۔ (حدائق الحنفیہ ص ۱۰۴ بحوالہ راحت القلوب)

شافعی مذہب کے جلیل القدر فقیہ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

> اما الاجتهاد المطلق فقالو اختتم بالائمة الاربعة حتى اوجبوا التقليد واحد من هؤلاء ونقل امام الحرمين الاجماع عليه. (روضة الطالبين)

> ترجمہ: اجتہاد مطلق کے متعلق علماء نے کہا کہ وہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو چکا ہے یہاں تک کہ اب وہ ان مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ٹھہراتے ہیں اور امام الحرمین (۴۷۸ھ) نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں ایک بھی غیر مقلد نہ تھا اور جو مجتہد نہ ہو اس کے لیے ائمہ اربعہ کی تقلید ہرگز کوئی عیب نہ تھی غیر مجتہد ہر جگہ مجتہدین کی پیروی میں چلتے رہے ہیں۔

آٹھویں صدی کے حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) اس اعتراض کے جواب میں کہ لوگوں نے اپنی طرف سے چار مذہب گھڑ لیئے ہیں یہ حضورؐ کے زمانہ میں نہ تھے اپنی شہرۂ آفاق کتاب منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں:۔

قوله ان هذه المذاهب لم تكن في زمن النبي ولا الصحابة ان اراد ان اقوالهم لم تنقل عن النبي اوعن الصحابة بان تركوا قول النبي والصحابة وابتدعوا خلاف ذلك فهذا كذب عليهم لانهم لم يتفقو ا على مخالفة الصحابة بل هم وسائر اهل السنة متبعون للصحابة في اقوالهم وان قدران بعض اهل السنة خالف الصحابة لعدم علمه باقاويلهم فالباقون يوا فقونهم ويثبتون خطاء من يخالفهم وان اراد ان نفس اصحابهالم يكونو ا في ذلك الزما ن فهو لامحذور فيه فمن المعلوم ان كل قرن ياتي يكون بعد القرن الاول

(الفتاویٰ الکبری جلد۲)

ترجمہ: اس شیعی کا یہ کہنا کہ یہ مذاہب اربعہ آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے زمانہ میں نہ تھے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ انکے اقوال آنحضرت اور صحابہ سے منقول نہیں بایں طور کہ انہوں نے حضور اور صحابہ کی بات چھوڑ دی ہے اور اپنی طرف سے یہ مذاہب گھڑ لیئے ہیں تو یہ ان ائمہ اربعہ پر کھلا جھوٹ ہے کیونکہ وہ ہرگز صحابہؓ کی مخالفت پر متفق نہیں بلکہ وہ سب اپنے اقوال میں صحابہ کے متبعین ہیں اور اگر یہ بات تجویز کی جائے کہ انہوں نے (صحابہؓ کے) اقوال پر اطلاع نہ پانے کے باعث ان کے خلاف کیا تو باقی تو ان کے موافق رہے اور ان کی غلطی ثابت کرتے رہے جو ان کی مخالفت کرتے رہے اور اگر اس (شیعی)

معترض کی مراد یہ ہے کہ ان مذاہب کے امام اس دور میں نہ تھے تو اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہر کسی کو معلوم ہے کہ ہر آنے والا دور پہلے دور کے بعد ہی آتا ہے۔

تقلید شخصی کی ضرورت اور اہمیت پرزور دیتے ہوئے آپ ان لوگوں پر جرح کرتے ہیں جو کبھی کسی امام کے پیچھے چلیں اور کبھی کسی کے پیچھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

یکونون فی وقت یقلدون من یفسده وفی وقت یقلدون من یصححه بحسب الغرض والهوی ومثل هذا لایجوز باتفاق الائمة. (الفتاویٰ الکبریٰ جلد۲، ص ۲۸۵)

ترجمہ: ایسے لوگ ایک وقت میں تو اس کی بات مانیں گے جو اس نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور پھر دوسرے موقع پر اس کی پیروی کریں گے جو اسے صحیح کہے اور یہ سب اپنی غرض کے لیے ہوگا ایسا کرنا کہ کبھی تقلید کسی کی اور کبھی کسی کی یہ بات باتفاق ائمہ جائز نہیں ہے۔

نویں صدی کے جلیل القدر محدث حافظ ابن ہمام اسکندریؒ (۸۶۱ھ) اپنی اصول فقہ کی کتاب التحریر میں لکھتے ہیں:۔

وعلی هذا ماذکر بعض المتاخرین منع التقلید غیر الاربعة لانضباط مذاهبهم وتقلید مسائلهم وتخصیص عمومها ولم یلدرمثله فی غیر هم الا ن لانقراض اتباعهم وهو صحیح.

(التحریر ص ۵۵۲)

ترجمہ: بعض متاخرین نے جو ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی دوسرے کی تقلید سے منع کیا ہے اسی پر مبنی ہے کہ مذاہب انہی چار اماموں کے منضبط ہوئے اور تقلید انہی کے مسائل کی جاری ہوئی اور تخصیص عمومات انہی کے ہاں چلتی رہیں اور یہ باتیں (ان ائمہ اربعہ کے علاوہ) کسی دوسرے امام کے بارے میں معلوم نہیں ہوئیں کیونکہ ان کے پیروباقی نہ رہے اور یہ بات صحیح ہے۔

اب دسویں صدی میں چلیں تقلید فقہ معین پر تیسری صدی میں جو اجماع ہوا اس کی

صدائے بازگشت یہاں دسویں صدی میں بھی اسی طرح سنیں امام ابن نجیم مصریؒ (۹۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

وما خالف الائمة الاربعة فهو مخالف للاجماع.

(الاشباہ والنظائر ص ۱۳۱)

ترجمہ: اور جو چیز ائمہ اربعہ کے مخالف ہو وہ اجماع امت کا خلاف ہے۔

یعنی ائمہ اربعہ کی پیروی پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اب جو ترک تقلید کی راہ پر چلے یا ان ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور امام (جیسے امام اوزاعیؒ، سفیان الثوریؒ اور لیث بن سعدؒ وغیرہ) کی پیروی تجویز کرے تو وہ اجماع امت کے خلاف چلنے کا مرتکب سمجھا جائے گا اور یہ ظاہر ہے کہ جو مسلمانوں کے طریق کے خلاف چلے اس کا رخ جہنم کی طرف ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ اربعین نوویؒ کی شرح علامہ ابراہیم سرخسی مالکیؒ نے لکھی ہے اس میں آپ اس وقت کا مالکی نقطہ نظر بھی ملاحظہ فرمائیں:

اما فيما بعد ذلک کماقال ابن الصلاح فلا يجوز تقليد غير الائمة الاربعة مالک وابی حنيفة والشافعی واحمد لان هؤلاء عرفت قواعد مذاهبهم واستقرت احكامها وقد مهاتابعوهم وحرروها فرعا فرعا وحكما حكما.

(الفتوحات الوھبیہ شرح اربعین النوویہ ص ۱۹۹)

ترجمہ: سو اس کے بعد جیسا کہ امام ابن الصلاح نے کہا ہے ائمہ اربعہ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں ان ائمہ کے قواعد مذہب معروف ہو چکے ان کے احکام میں استقرار ہوا ان کے پیرووں نے انہیں سامنے رکھا ہے اور ان کی ایک ایک فرع لکھی ہے اور ان کے ایک ایک حکم کو قلم بند کیا ہے۔

صاحب تفسیر جلالین علامہ جلال الدین محلیؒ شرح جمع الجوامع میں لکھتے ہیں:۔

يجب على العامی وغيره ممن لم يبلغ مرتبة الاجتهاد التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين. (شرح جمع الجوامع)

ترجمہ: عامی اور دوسرے وہ لوگ جو (علم رکھنے کے باوجود) مرتبہ

اجتہاد کو نہیں پہنچے ان پر ان مجتہدین میں سے کسی ایک معین مذہب کا التزام ضروری ہے۔

امام عبدالوہاب الشعرانیؒ (۹۷۳ھ) میزان الشریعۃ الکبریٰ میں لکھتے ہیں:۔

وکان سیدی الخواص رحم اللّٰہ تعالی اذا سالہ انسان عن التقلید بمذھب معین الا ن ھل ھو واجب ام لایقول لہ یجب علیک التقلید بمذھب مادمت لم تصل الی شھود عین الشریعۃ الاولی من الوقوع فی الضلال و علیہ عمل الناس الیوم. (میزان الشریعۃ الکبریٰ)

ترجمہ: سیدی حضرت خواص سے جب کوئی شخص اس زمانے میں کسی مذہب معین کی تقلید کے لیے پوچھتا کہ کیا یہ درجہ واجب میں ضروری ہے تو آپ اسے کہتے کہ جب تک شریعت اولیٰ کے چشمہ علم کا مقام شہود نہ پالے کہ گمراہی میں گرنے کا موقع نہ رہے اس وقت تک تجھ پر تقلید واجب ہے اور اسی پر آج مسلمانوں کا عمل ہے۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے استاد شیخ احمد ملاجیونؒ (۱۱۳۰ھ) تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں:

قدوقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوزللاربع وکذا لایجوز الاتباع لمن حدث مجتھد امخالفالھم.

(تفسیر احمدی ص۳۴۶ زیر سورۃ الانبیاء)

ترجمہ: اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ اتباع صرف چار مذاہب کی ہے اور اسی طرح اس کی پیروی جائز نہیں جو کوئی نیا مجتہد ان مذاہب اربعہ کے خلاف اٹھے۔

آیئے اب آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں تا کہ آپ دیکھیں کہ ان مذاہب اربعہ کی پیروی کس طرح اس امت میں مسلسل چلی آرہی ہے

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں۔

خانہ دین چہار است ہر کہ راہے ازیں راہا ودرے ازیں درہا اختیار نمودہ براہ دیگر رفتن ودرے دیگر گرفتن عبث دیاوہ باشد۔

(شرح سفر السعادۃ ص۲۱)

ترجمہ: اب (عملاً) دین کے چار ہی دائرے ہیں جو ان راہوں میں سے کسی ایک کو چن لے اوران دروازوں میں سے کسی ایک پر آبیٹھے اس کے لیے کسی اور راہ کو اختیار کرنا یا کسی اور دروازے پر آ بیٹھنا فضول اور یا وہ (آوارگی) ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) مذہب حنفی کے بارے میں لکھتے ہیں:

وایں مذہب باوجود کثرت متابعاں دراصول وفروع از سائر مذاہب متمیز وور استنباط طریق علیحدہ دارودایں معنی مبنی بر حقیقت است عجب معاملہ است امام ابوحنیفہ در تقلید سنت از ہمہ پیش قدم است واحادیث مرسل رادر رنگ احادیث مسند شایان متابعت مے داند وبرائے خود مقدم مے دارد ودیگراں نہ چنیں اند۔ (مکتوبات دفتر دوم ص ۵۵ ص ۱۰۷، ۱۰۸)

ترجمہ: اور حنفی مذہب اصول وفروع میں اپنے پیروؤں کی کثرت کے ساتھ دوسرے مذاہب سے امتیاز اور استنباط مسائل میں اپنی ایک علیحدہ راہ رکھتا ہے اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے اور عجیب بات ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سنت کی پیروی میں تمام اماموں سے آگے ہیں اوراحادیث مرسل کو بھی احادیث مسند کے درجہ میں پیروی کے لائق سمجھتے ہیں اور اپنے قیاس پر اسے مقدم کرتے ہیں اوردوسرے مذاہب اس طور پر نہیں ہیں۔

یعنی ان کے ہاں مرسل حدیث اپنے قیاس پر مقدم نہیں کی جاتی اوراس طرح وہ (دوسرے ائمہ) ضعیف حدیث پر اپنے قیاس کومقدم ٹھہراتے ہیں۔

اس وقت سے لے کرشاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) تک پوری امت کے اکابر تقلید شخصی پر جمع رہے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قداجتمعت الامة اومن يعتدبها منها على جواز تقليد هاالى يومنا هذا.

(حجۃ اللہ البالغہ جلد۱، ص ۲۳)

ترجمہ: یہ چار مذاہب جومدون ہوچکے اور لکھے جاچکے پوری امت یا جو

اس میں سمجھے جاسکتے ہیں ہمارے دور تک سب ان مذاہب کی تقلید پر
متفق ہیں۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:

وفی ذلک کلھا من المصالح مالا یخفی لاسیما فی ھذہ
الایام التی قصرت الھمم جد اواشربت النفوس الھوی
واعجب کل ذی رای رایہ. (ایضاً)

ترجمہ: اور ان تمام امور میں جو مصلحتیں ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں خصوصا
ان دنوں میں کہ ہمتیں بہت کمزور پڑ چکی ہیں انسان خواہشات نفس
میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ہررائے رکھنے والا اپنی رائے کا گرویدہ
ہورہا ہے۔

یعنی خواہشات اور خود پسندی کے اس دور میں ترک تقلید اور بڑی آفت ہوگی اور
اس میں امت کے لیے اور بڑی ابتلاء ہے۔

ہندوستان میں امام ابوحنیفہؒ کی پیروی واجب ہے اور عامی کے لیے تقلید سے نکلنا
شریعت کے پٹکے کو گلے سے اتارنا ہے حضرت شاہ صاحبؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

فاذا کان الانسان جاھلا فی بلاد الھند اوبلاد ماوراء النھر
لیس ھنالک عالم شافعی ولا مالکی ولاحنبلی ولاکتاب
من کتب المذاھب وجب علیہ ان یقلد بمذھب ابی حنیفۃ
ویحرم علیہ ان یخرج من مذھبہ لانہ حینئذ یخلع من عنقہ
ربقۃ الشریعۃ ویبقی سدا مھملاً بخلاف ما اذاکان فی
الحرمین. (الانصاف ص ۵۳)

ترجمہ: مثلاً کوئی انسان ہندوستان یاماوراء النہر کے کسی علاقے میں
رہتا ہے جہاں کوئی شافعی یامالکی یا حنبلی عالم نہیں ہے نہ ان مذاہب
میں سے کسی کی کتاب اس کے پاس ہے تو اس پرواجب ہے کہ وہ
امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرے اس کے لیے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب
سے نکلنا حرام ہے کیونکہ اس صورت میں وہ شریعت کا پٹکا ہی اپنی

گردن سے اتارنے والا ہوگا اور وہ دین سے بالکل خالی ہوکر رہ جائے گا بخلاف اس صورت کے کہ وہ حرمین میں ہو جہاں دوسرے مذاہب کے پیرو بھی ملتے ہیں۔

یہ بارہویں صدی میں نظریہ تقلید کی توثیق ہے آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بھی اس پر پوری طرح کاربند رہے ان کے بعد ان کے جانشین استاذ آفاق حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ اس پر پوری طرح کاربند رہے آپ لکھتے ہیں:۔

اتباع مسائل مذاہب اربعہ بدعت نیست نہ سیئہ نہ حسنہ بلکہ اتباع آنہا سنت است۔ (مأتہ مسائل ص ۹۲)

ترجمہ: مذاہب اربعہ کی پیروی کرنا بدعت نہیں ہے نہ سیئہ اور نہ حسنہ ان کے طریق پر چلنا ہی راہ سنت ہے۔

پھر یہ بھی فرماتے ہیں:۔

ہرگز مقلد ایشاں رابدعتی نخواہند گفت زیرا کہ تقلید ایشاں تقلید حدیث شریف است باعتبار الظاہر والباطن پس متبع حدیث رابدعتی گفتن ضلال وموجب نکال است۔ (ایضاً ص ۹۳)

ترجمہ: مذاہب اربعہ کے مقلدین کو بدعتی نہ کہنا چاہیے کیونکہ ان کی تقلید حقیقت میں باعتبار ظاہر وباطن حدیث شریف کی پیروی ہے سو ان کے مقلدین کو بدعتی کہنا گمراہی ہے اور یہ موقف مستوجب سزا ہے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید بھی لکھتے ہیں:۔

در اعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج در تمام اہل اسلام است بہتر و خوب است۔ (صراط مستقیم)

ترجمہ: اعمال میں مذاہب اربعہ کی پیروی جیسا کہ سب اہل اسلام میں رائج ہے بہت اچھی بات ہے اور خوب ہے۔

غور کیجیے آپ نے یہاں اس دور میں تمام عالم اسلام کو مذاہب اربعہ میں منسلک بتلایا ہے معلوم ہوا ان دنوں ہندوستان میں کوئی گروہ غیر مقلدین کا نہ تھا نہ ملک میں کوئی

جماعت ترک تقلید کے نام سے پائی جاتی تھی اگر کوئی اور گروہ ہو بھی تو آپ اسے اہل اسلام میں سے نہ سمجھتے ہوں گے اہل اسلام ان دنوں ان مذاہب اربعہ میں ہی پائے جاتے تھے۔

اسی عہد کے قریب قریب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ (۱۲۰۶ھ) ہوئے ہیں آپ بھی مقلد تھے اور حنبلی المذہب تھے اب تک ان کے پیرو مسجد حرام میں بیس رکعات تراویح پڑھتے ہیں آٹھ نہیں پڑھتے۔ اگر وہ آمین آواز سے کہتے ہیں تو حنبلی ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں غیر مقلدین کے طور پر نہیں۔ نہ وہ ایک مجلس کی طلاق ثلثہ کو ایک طلاق کہتے ہیں آل سعود آل شیخ کے مذہب پر ہیں اور یہ حضرات ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کو واجب جانتے ہیں اس کے منکر نہیں۔

۱۲ محرم ۱۲۸۱ھ ہفتہ کے دن شاہ سعود اول مکہ میں داخل ہوئے اور اپنے عقیدے کا ان لفظوں میں اظہار فرمایا:۔

> سلف صالحین میں سب سے پہلے خلفائے راشدینؓ آتے ہیں جن کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ خلفائے راشدینؓ کے بعد ائمہ اربعہ مجتہدین ہیں ائمہ اربعہ کے بعد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ائمہ اربعہ سے علم حاصل کیا اور اسی طرح ہم تیسرے قرن تک کے بزرگوں کے اقوال و آثار کے ماننے اور قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔

(رسالہ ۲ ص ۲، ترجمہ مولانا اسماعیل غزنوی مطبع انوار الاسلام امرتسر)

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

> ہم فروعی مسائل میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے طریقہ پر ہیں چونکہ ائمہ اربعہ ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ کا طریقہ منضبط ہے اس لیے ہم ان کے کسی مقلد پر انکار نہیں کرتے۔ ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ چاروں ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں۔ (ایضاً ۶۱)

مترجم مولانا اسماعیل غزنوی نے ترجمہ کے نیچے اپنا اختلافی نوٹ لکھ دیا کہ یہ چیز خلاف شریعت ہے مولانا یہاں یہ بتلانا چاہتے تھے کہ وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی اس بات کو خلاف شریعت سمجھتے ہیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے صاحبزادے شیخ عبداللہ نے اپنے مسلک پر ایک رسالہ

لکھا ہے آپ اس میں کھل کر اپنے نظریہ تقلید کی تائید کرتے ہیں آپ لکھتے ہیں:۔

ونحن ایضا فی الفروع علی مذھب الامام احمدبن حنبل ولاننکر علی من قلد الائمة الاربعة دون غیر ھم لعدم ضبط مذاھب الغیر........ ونجبرھم علی تقلید احدَالائمة الاربعة ولانستحق مرتبة الاجتھاد وما احدمنایدعیه (الشیخ محمد بن عبدالوہاب ص۵۶ تالیف الشیخ احمد بن حجر قاضی محکمہ شرعیہ قطر)

ترجمہ: اور ہم فروعات میں امام احمد بن حنبل کے مذہب پر ہیں اور ہم ائمہ اربعہ کے مقلدین میں سے کسی پر (ترک حدیث کی) نکیر نہیں کرتے۔ یہ بات اور مذاہب کے لیے نہیں کیونکہ اور ائمہ کے مذاہب منضبط نہیں ہو پائے ہم لوگوں کو ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کا پابند رکھتے ہیں اور اپنے لیے ہم اجتہاد کے مدعی نہیں نہ ہم (علمائے نجد) میں سے کسی نے اس کا دعوی کیا ہے۔

مولانا اسماعیل غزنوی کے اردو ترجمہ میں یہ عبارت ہے:۔

مطلق اجتہاد کے نہ ہم مستحق ہیں اور نہ ہم میں سے کوئی اس کا دعویدار ہے۔

(رسالہ ص۶۲)

معلوم رہے کہ یہ صرف حنفی نہیں جو مطلق اجتہاد کا دروازہ بند مانتے ہیں سعودی عرب کے حنبلی علماء کی بھی یہی صدا ہے۔

ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ کیا ہندوستان اور کیا سعودی عرب پوری دنیا میں ان دنوں کہیں بھی ترک تقلید یا سلف صالحین اور فقہاء و محدثین کے خلاف مسلمانوں میں کوئی تحریک تھی نہ ان دنوں انکار فقہ کے نام پر کوئی فرقہ کہیں پایا جاتا تھا نہ انکار حدیث کے نام پر ان دنوں برصغیر پاک و ہند میں کوئی تحریک موجود تھی۔

اس عہد کے قریب قریب علامہ بحرالعلوم (۱۲۲۵ھ) شارح مسلم الثبوت گزرے ہیں ان سے تیرہویں صدی کا حال معلوم کریں:۔

بل یجب علیھم اتباع الذین سبر وااى تعمقوا وبوبوا ای اوردوا ابوابالکل مسئلہ علیحدة فھذ بوا مسئلة کل باب

وتفقهوا كل مسئلة عن غيرها وجمعوا بينهما بجامع وفرقوا بفارق وعللوا اى اوردوا لكل مسئلة علته وفصلوا تفصيلا وعليه بنى ابن الصلاح منع تقليد غير الائمة الاربعة لأن ذلك المذكور لم يدر فى غيرهم. (فواتح الرحموت ص ۶۲۹)

ترجمہ: لوگوں پر ان لوگوں کی اتباع ضروری ہے جنہوں نے دین کی گہرائی پائی (وہ مجتہد ہوئے) اور انہوں نے دین کے مسائل کو مختلف ابواب میں علیحدہ علیحدہ نکھارا ہر باب کے مسائل کی تہذیب اور تنقیح کی اور ان کے مابین مشترک قدریں معلوم کیں اور مابہ الفرق امور معلوم کیے۔ ابن صلاح نے اسی بناء پر ائمہ اربعہ کے سوا دوسرے اماموں کی تقلید سے روکا ہے کیونکہ مذہب کی یہ تہذیب و تنقیح اور انضباط وتبویب اوروں کے ہاں نہیں پائی گئی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

فان اهل السنة والجماعة ...... لم يبق فى فروع المسائل سوى هذه المذاهب الاربعة فقد انعقد الاجماع المركب على بطلان قول من يخالف كلهم وقد قال الله تعالى ومن يتبع غير سبيل المؤمنين نوله ماتولى ونصله جهنم وساء ت مصيرا. (تفسیر مظہری جلد ۲، ص ۶۴ آیت ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله آل عمران)

ترجمہ: اہل السنۃ والجماعۃ میں فروع مسائل میں ان مذاہب اربعہ کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں رہا اب جو ان سب کے خلاف چلے اس کے غلط ہونے پر اجماع مرکب منعقد ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلا ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف وہ چلا اور ہم اسے جہنم پہنچائیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

علامہ سید احمد طحطاویؒ (۱۲۳۳ھ) لکھتے ہیں:۔

هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فى المذاهب الاربعة هم

الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجا من ھذہ المذاھب الاربعة فی ذلک الزما ن فھواھل البدعة والنار۔ (طحطاوی علی الدر المختار جلد۴، ص ۱۵۳)

ترجمہ: یہ فرقہ ناجیہ آج ان مذاہب اربعہ میں موجود ہے وہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں اور جو شخص اس دور میں ان مذاہب اربعہ سے باہر ہوگا وہ آگ کے لیے ہے اور بدعتی ہے۔

انگریز حکومت قائم ہونے کے بعد مسلمانوں میں آزادی فکر کے نام پر فرقے بننے لگے۔ ترک تقلید کی پہلی اذان مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی نے دی اور جو لوگ ان کے گرد جمع ہوئے آپ ان کے شیخ الکل ٹھہرے۔ تاہم مطلق تقلید کا انکار یہ حضرات بھی نہ کرتے تھے تقلید اور اتباع میں کچھ فرق کرکے یہ تقلید کے خلاف اٹھے ابتداء میں یہ تارکین تقلید موحد یا محمدی کہلاتے تھے۔ جماعت کے لیے گورمنٹ نے ابھی اہلحدیث نام کی منظوری نہ دی تھی۔

مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب کا غیر مقلدین پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے بڑی محنت اور لجاجت سے انگریز حکومت سے جماعت کے لیے اہلحدیث کا لفظ منظور کرایا۔

بایں ہمہ یہ غیر مقلد حضرات تقلید سلفی سے منکر نہیں اور تقلید کا اس درجہ اقرار کیے بغیر سعودی عرب میں انہیں کوئی پذیرائی نہیں ملتی۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم تاریخ تقلید کے ساتھ اس پر بھی کچھ مختصر تبصرہ کریں کہ تقلید مطلق کیسے تقلید شخصی میں منتقل ہوئی ازاں بعد ہم تاریخ ترک تقلید پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے۔ طلبہ کو چاہیے کہ تردید یا تائید کے جذبہ سے یکسر علیحدہ رہ کر مختلف فرقوں کے تاریخی پس منظر پر نظر کریں اس سے مسلمانوں کی تاریخ سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔

واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمة التحقیق.

تقلید مطلق کس طرح تقلید شخصی میں منتقل ہوئی؟

تقلید مطلق ناواقف کے واقف سے پوچھ کر چلنے کی ایک فطری راہ ہے دنیا کے جملہ انتظامی امور اس اعتماد سے چلے ہیں سب لوگ ہر ایک فن یا لائن میں اس کے جاننے والے ہوجائیں یہ عملاً ناممکن ہے نہ سارے ڈاکٹر ہوسکتے ہیں، نہ انجینئر۔ نہ سارے تاجر بن

سکتے ہیں نہ بیرسٹر۔ نہ سب اکاؤنٹنٹ ہو سکتے ہیں نہ پروفیسر دنیا میں ان سب اصناف بنی آدم کی اپنے اپنے دائرہ میں ضرورت ہے۔ سو شروع سے یہ انسانی فطرت رہی ہے کہ نہ جاننے والے جاننے والوں سے پوچھ کر چلیں اور اسی راہ سے انسان نے اپنی جملہ معاشی، معاشرتی اور تمدنی ضرورتیں پوری کی ہیں اور اس پر آج تک کسی نے اعتراض نہیں کیا دین فطرت کی اس ادا پر اب تک کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں لائی جاسکتی۔

دین کا پورا علم اور کتاب وسنت کا پورا احاطہ ہر مسلمان کو میسر ہو یہ بات عملاً ناممکن ہے اللہ رب العزت نے اس پیش آنے والی مشکل کو اسی اصول سے حل کرنے کی تعلیم دی ہے ارشاد فرمایا:۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون

(پ۱۴ النحل: ۴۳، پ۱۷ الانبیاء)

ترجمہ: تم اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو اگر تم جانتے نہیں۔

پہلے دور میں خیر غالب تھی لوگ دین پر رضائے الٰہی کے لیے عمل پیرا ہوتے تھے اور حسب ضرورت اہل علم سے پوچھ کر چلتے تھے لیکن بعد کے زمانے میں ایسے لوگ بھی ہوئے جو اہل علم سے راہ عمل پوچھنے کے لیے نہیں اپنی سہولت ڈھونڈنے کے لیے سوال کرتے اور جہاں اپنی خواہش کو تسکین ملے اور اپنی سہولت کو راہ ملے اپنی پیروی کا رخ ادھر موڑ لیتے کہ چلو اس بات میں ان کے پیچھے سہی۔ خواہش نفس کی اس پیروی سے پوری دینی زندگی کے معرض خطر میں جانے کا خطرہ تھا اس لیے اب ضرورت تھی کہ اس خطرے پر قابو پایا جائے۔

اکابر تابعین بعض بعض فروع میں بعض بعض معین صحابہ کرامؓ کی تقلید کرتے رہے ہیں (مثلاً یہ کہ فرائض اور وراثت کی بات ہو تو حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف رخ کرتے تھے، حلال وحرام کا حکم معلوم کرنا ہو تو حضرت معاذؓ کی طرف رخ کرتے، تفسیر پوچھنی ہو تو حضرت ابن عباسؓ کی طرف رجوع کرتے) اس میں ان کی غرض محض رضائے الٰہی کا حصول ہوتا تھا۔ ان حضرات کی اپنے اپنے باب علم میں عبقریت تھی۔ ان تابعین کے سامنے اپنے مفادات کی پرورش نہ تھی۔ لیکن اگلے دور میں جب علم کے بہت سے گوشے واضح ہو چکے اور مسائل اور فتاوی پھیل گئے تقلید مطلق جاری تھی تاہم خواہش پرستی اور مفاد ذاتی کے لیے کچھ

بندگان نفس اپنے مطلب کی تلاش میں لگے اور شریعت کی رخصتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہوں نے اپنے لوائح عمل بنانے کی کوششیں شروع کردیں اب تقلید صرف تلاش علم کے لیے نہیں مفادنفس کے لیے بھی ہونے لگی۔

تاریخ کے اس نازک موڑ پر علمائے حق آگے بڑھے اور انہوں نے اختلافات اور گمراہی سے بچانے کے لیے اس تقلید کی حمایت کی جو اس خواہش پرستی کو روک سکے اب اس نقطہ نظر سے تقلید شخصی ضروری سمجھی جانے لگی۔ پہلے تقلید شخصی موجود تو تھی لیکن اسے ضروری نہ سمجھا جاتا تھا اب اس نئے موڑ پر تقلید شخصی کو واجب قرار دیا گیا اس کا آغاز تیسری صدی کے آخر میں ہوا اور پھر چوتھی صدی میں سب لوگ معین مذاہب پر آگئے۔

تقلید شخصی کوئی بدعت نہیں

تقلید شخصی عہد صحابہؓ میں بھی جاری تھی گو اس جامعیت سے نہیں کہ سب صحابہؓ معین فقہائے صحابہؓ کے پیرو ہوں تاہم اس کے مطلق وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اب تیسری صدی میں اس کا اس جامع انداز میں پوری امت پر چھا جانا اور چوتھی صدی میں کسی کا تقلید مجتہد سے باہر نہ رہنا اسی اصل کی تکمیل ہے جو فقہاء صحابہؓ کی پیروی سے امت میں قائم ہوئی تھی۔ آگے صحابہؓ کے مذاہب کیوں نہ چلے؟ اس لیے کہ وہ مدون نہ ہوئے تھے جن مجتہدین کے مذاہب مدون ہوئے امت میں انہی کی پیروی آگے چلی۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح حضورؐ کے زمانے میں (تین راتوں کی باجماعت تراویح کے بعد) صحابہؓ متفرق طور پر متعدد جماعات میں تراویح پڑھتے تھے حضرت عمرؓ نے انہیں متعدد جماعات سے لاکر پھر ایک امام پر جمع کر دیا اور یہ شرعا بدعت نہ تھی گو ظاہرا ایک نئی بات دکھائی دے۔ اسی طرح عام مسلمانوں کا تیسری صدی میں معین مذاہب پر آجانا اسی اصل کی ایک فرع ہے جو عہد صحابہؓ میں قائم ہو چکی تھی حضورؐ نے خود اپنے بعد کے لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اقتداء کا حکم دیا تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ جیسے عظیم مجتہد کو بھی سیرت شیخینؓ کی پیروی کا پابند کیا تھا۔ اور پھر ان اسلاف کی پیروی ایسی ضروری سمجھی گئی کہ حضرت حسن ہاشمیؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کرتے ہوئے انہیں اس بات کا پابند کیا کہ کتاب وسنت کے بعد امت میں بات چلے گی تو انہی خلفائے صالحین کی جو

صدر اول سے ہوتے آئے ہیں۔

تقلید شخصی پر تیسری صدی کے بعد امت کا اجماع

جب تک امت عملاً تقلید معین پر جمع نہ ہوئی تھی تقلید مطلق کی گنجائش تھی۔ جب امت کا چوتھی صدی میں تقلید شخصی پر اجماع ہو گیا اور بالآخر صرف مذاہب اربعہ باقی رہے تو اب ان کی پیروی سواد اعظم کی پیروی شمار ہوتی تھی اور تقلید سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا شمار ہوتا تھا حالات بدلنے پر فتویٰ نئے حالات کو ساتھ سمیٹتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

وبعد المائتين ظهرت فيهم التمهذب للمجتهدين باعيانهم وقل من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هذا هو الواجب فى ذلك الزمان. (الانصاف ص۴۲)

ترجمہ: اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں معین مجتہد کی پیروی چلنے لگی اور بہت کم لوگ رہ گئے جو کسی معین مذہب (فقہ) پر اعتماد نہ کرتے تھے اور یہ اعتماد کرنا اس وقت واجب ہو چکا ہے

ولما اندرست المذاهب الحقه الاهذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم والخروج منها خروجاً عن السواد الاعظم. (عقد الجید ص ۳۸)

ترجمہ: اور جب ان چار مذاہب کے سوا دیگر مذاہب حقہ ناپید ہو گئے تو اب ان کی اتباع ہی سواد اعظم کی پیروی شمار ہوئی اور ان سے نکلنا سواد اعظم سے ہی نکلنا سمجھا جانے لگا۔

وهذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة اومن يعتد بها منها على جواز تقليد هاالى يومنا هذا وفى ذلك من المصالح مالا يخفى.

(حجۃ اللہ البالغہ ص ا، ص ۱۵۴ مصر)

ترجمہ: یہ فقہ کے چار مذاہب جو مدون ہوئے اور لکھے گئے پوری امت یا جسے بھی اس میں سمجھا جاسکے ان کا اس پر اجماع ہوا کہ ان کی

تقلید جائز ہے اور یہ بات اب تک چلی آرہی ہے اور اس میں اتنی بہتریاں ہیں کہ کسی پر مخفی نہیں۔

ہندوستان میں رہنے والوں کے لیے آپ فرماتے ہیں:۔

وجب علیه ان یقلد لمذهب ابی حنیفة ویحرم علیه ان یخروج من مذهبه. (الانصاف ص۵۳)

ترجمہ: اس پرواجب ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرے اور اس پر حرام ہے کہ آپ کے مذہب کی پیروی سے نکلے۔

من مذهبه سے مراد فقہ حنفی ہے نہ کہ حضرت امام صاحبؒ کی شخصی آراء۔ فقہ حنفی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ علماء کے ایک جم غفر میں طے پائی ہے جس میں بڑے بڑے محدثین فقہاء اور ائمہ ادب وعربیت شامل تھے۔

اب چوتھی صدی سے پانچویں میں چلیے:۔

ا۔ خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

لو منعنا التقلید فی هذه المسائل التی هی من فروع الدین لاحتاج کل احدان یتعلم ذلک وفی ایجاب ذلک قطع عن المعایش وهلاک الحرث والما شیة فوجب ان یسقط.

(الفقیه والمتفقه جلد۲، ص۶۲)

ترجمہ: اگر ہم ان فروعی مسائل میں عوام کو تقلید سے روکیں تو پھر ہر کسی پر دین کی پوری تعلیم حاصل کرنی ضروری ہوگی۔ اسے ہر کسی کے لیے ضروری ٹھہرانے میں دیگر اعمال معاش کھیتی باڑی اور نظم مواشی سب قطع وبرباد ہو جائیں گے

یعنی لوگوں کو تقلید کے اس فطری حق سے محروم کرنے میں پوری دنیا کے نظم امور میں اختلال واقع ہوگا۔

۲۔ امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:۔

وانما حق العوام ان یؤمنواویسلموا ویشتغلوابعبا دتهم ومعایشهم ویترکو االعلم للعلماء. (احیاء العلوم جلد۳، ص۳۵)

ترجمہ: دین کی بات عوام کے ذمہ صرف یہ ہے کہ ایمان لائیں اسلام
قبول کریں عبادات میں مشغول رہیں اور اپنے اپنے کاروبار میں لگیں
علم اور تحقیق کے مسائل علماء کے لیے چھوڑ دیں۔

عوام اگر مسائل کی تحقیق میں پڑیں اور پختہ علم کے بغیر دین کو دلائل سے لینے لگیں دلائل میں وزن اور فیصلہ خود کرنے لگیں تو اس میں وہ کس خطرہ میں ہوں گے اسے امام غزالیؒ کی زبان سے ہی سنیے:

وقع فی الکفرمن حیث لایدری کمن یرکب لجة البحر وهولایعرف السباحة

ترجمہ: ایسا شخص کفر کے خطرہ میں ہے اس طرح کہ وہ جانتا نہیں یہ ایسے
ہے جیسے کوئی شخص جو تیرنا نہ جانتا ہو وہ دریا کے بھنور میں کود پڑے۔

اب چھٹی صدی میں چلیں حضرت امام رازیؒ (۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:۔

فثبت ان الا ستنباط حجة والقیاس اما استنباط او داخل فیه فوجب ان یکون حجة ثالثها ان العامی یجب علیه تقلید العلماء فی احکام الحوادث. (تفسیر کبیر جلد۳، ص۲۷۲)

اب ساتویں صدی میں چلیں اور امام نوویؒ (۶۷۶ھ) سے تقلید کی حقیقت سنیں آپ ائمہ کی تقلید کو اس درجہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ صحابہؓ کے مذاہب کو بھی مدون نہ ہونے کے باعث لائق تقلید نہیں ٹھہراتے آپ لکھتے ہیں:۔

ولیس له التمذهب بمذهب احدمن ائمة الصحابة رضی الله عنهم وغیرهم من الاولیین وان کانوااعلم واعلی درجة ممن بعدهم لانهم لم یتفرغوالتدوین العلم وضبط اصوله وفروعه فلیس لاحدمنهم مذهب مهذب محرر مقرر وانما قام بذلک من جاء بعدهم من الائمة الناحلین لمذاهب الصحابة والتابعین القائمین بتمهید احکام الوقائع قبل وقوعها الناهضین بایضاح اصولها وفروعها کمالک وابی حنیفه. (المجموع شرح المہذب جلد۱، ص۹۱)

ترجمہ: عامی کے لیے صحابہؓ میں جو بڑے بڑے لوگ ہوئے ان میں سے کسی کے مذہب کی پیروی لازم نہیں اگرچہ وہ حضرات علم میں بہت گہرے اور درجہ میں بہت اونچے ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو تدوین علم کے لیے اصول فقہ کے انضباط اور اس کی تفریعات کے لیے فارغ نہیں کیا سو ان میں کسی کا تہذیب یافتہ مذہب جو قلمبند ہوا ہو اور طے ہوا ہو موجود نہیں اس کام کے لیے وہ ائمہ اٹھے جو ان کے بعد آئے یہ لوگ صحابہؓ اور تابعینؒ کے مذاہب کو جانچنے والے تھے احکام وقائع کی تمہیدات ان کے واقع ہونے سے پہلے قائم کیے ہوئے تھے اور ان کے اصول وفروع کی وضاحت کے لیے وہ پہلے سے اٹھے ہوئے تھے جیسے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ۔

اور یہ بھی لکھتے ہیں:۔

ووجهه انه لوجاز اتباع ای مذهب شاء لافضی الی ان یلتقط رخص المذاهب متبعا هواه ویتخیر بین التحلیل والتحریم والوجوب والجوازو ذلک یودی الی انحلا ل ربقة التکلیف بخلاف العصر الاول فانه لم تکن المذاهب الوافية باحکام الحوادث مهذبة وعرفت فعلی هذا یلزمه ان یجتهد فی اختیار مذهب یقلده علی التعیین۔ (ایضاً)

ترجمہ: تقلید شخصی لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ جائز ہو کہ انسان جس فقہ کی چاہے پیروی کرے تو بات یہاں تک پہنچے گی کہ وہ اپنی نفسانی خواہش کے مطابق تمام مذاہب کی آسانیاں چنے گا اور حلال وحرام اور وجوب وجواز کو وہ اپنے ہاتھ میں لے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شریعت کے احکام کی پابندیاں سب کھل جائیں گی۔ پہلے دور میں ایسا نہیں تھا کیونکہ اس وقت فقہی مذاہب مہذب اور مرتب نہ تھے اب ہر شخص پر لازم ہے کہ پوری کوشش کرکے ایک مذہب چن لے اور پھر معین طور پر اسی کی تقلید کرے۔

اب آٹھویں صدی میں چلیں یہاں بھی تقلید شخصی کی آواز اسی طرح بغیر کسی نکیر کے سنی جارہی ہے حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) اس بحث میں کہ اب امام لیث بن سعد مصریؒ امام اوزاعیؒ، شامیؒ اور امام سفیان الثوریؒ کونی کی تقلید کی جاسکتی ہے یا نہیں فرماتے ہیں کہ کتاب وسنت میں مطلق مجتہد کی پیروی کا حکم ہے یہ فرق نہیں کیا گیا کہ فلاں مجتہد کی پیروی کی جائے اور فلاں کی نہیں سو جس امام کی تقلید کو ناجائز کہا جائے اس کی کچھ نہ کچھ وجہ تو سامنے ہونی چاہیے مجتہد تو سب ایک جیسے ہیں جہاں ایک کی پیروی جائز ہوگی دوسرے کی کیوں نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

ولیس فی الکتاب والسنة فرق فی الائمة المجتهدین بین شخص وشخص فمالک واللیث بن سعد والاوزاعی والثوری هولاء ائمة فی زمانهم وتقلید کل منهم کتقلید الاخر لا یقول مسلم انه یجوز تقلید هذا دون هذا.

(فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد ۲، ص ۲۴۶)

ترجمہ: کتاب وسنت میں ائمہ مجتہدین میں ایک دوسرے کے مابین کوئی فرق نہیں رکھا گیا سو امام مالک، لیث بن سعد، امام اوزاعی اور سفیان الثوری یہ اپنے اپنے دور کے امام ہوئے اور ان میں ہر ایک کی تقلید دوسرے کی تقلید جیسی ہے کوئی مسلمان یہ نہ کہے اس کی تقلید جائز ہے اور اسکی نہیں۔

اپنی ضرورت کے مطابق مذہب بدلنے کی (تقلید شخصی سے نکلنے کی) کہاں تک جازت ہے اس پر لکھتے ہیں:۔

وقد نص الامام احمد وغیر ہ علی انه لیس لاحدان یعتقد الشئی واجبا اوحراما ثم یعتقد ہ غیر واجب او محرم بمجرد هواه مثل ان یکون طالبا لشفعة الجوار لیعتقد ها انها حق له ثم اذا طلبت شفعة الجوارا عتقدها انهالیست بثابتة وقد نص احمد وغیره علی ان هذا لایجوز.

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲، ص ۲۴۷)

ترجمہ: امام احمد اور کئی دوسرے اماموں نے کھل کر یہ بات کہی ہے کہ کسی شخص کے لیے روانہیں کہ کسی چیز کو واجب یا حرام اعتقاد کرے اور پھر محض اپنی خواہش کے پیش نظر اسے غیر واجب یا غیر حرام اعتقاد کرنے لگے مثلاً کوئی شخص ہمسائے کے حق شفعہ کو حق سمجھے اور مقدمے میں طالب ہو کہ یہ اس کا حق بنتا ہے پھر جب اس سے کبھی شفعۃ الجوار مانگا جائے تو وہ کہے کہ اسلام میں شفعۃ الجوار ثابت نہیں امام احمد اور کئی دوسرے ائمہ نے کہا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

پھر لکھتے ہیں:۔

یکونون فی وقت یقلدون من یفسده وفی وقت یقلدون من یصححه بحسب الغرض والهوی ومثل هذا لا یجوز باتفاق الائمة. (ایضاً جلد۲، ص۲۸۵)

ترجمہ: لوگ غرض وخواہش کے تحت کسی وقت اس امام کی تقلید کریں جو اس عمل کو فاسد قرار دیتا ہو اور کسی وقت اسکی جو اسے صحیح کہتا ہو تو ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں باتفاق الائمہ۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

لان ذلک یفتح باب التلاعب بالدین وفتح الذریعة الی ان یکون التحلیل والتحریم بحسب الاهواء. (ایضاً جلد۲، ص۲۸۶)

ترجمہ: اس سے دین کو کھیل بنانے کا دروازہ کھل جاتا ہے اور حلال وحرام کے فیصلے خواہشات سے کرنے کی راہ کھل جاتی ہے۔

وهذه المذاهب الاربعة ولله تعالی الحمدفی العقائدواحدة الامن لحق منها باهل الاعتزال اوالتجسم والا فجمهورها علی الحق. (معید النعم ومبید النقم ص۴۲)

ترجمہ: اور یہ چاروں مذاہب عقائد میں ایک ہیں سوائے ان کے جو معتزلہ اور مجسمہ میں سے ان کے ساتھ آملے ورنہ جمہور (اہل سنت) سب حق پر ہیں۔

اور ایک دوسرے مقام پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو لوگ تقلید کے قائل نہیں قیاس کو حجت نہیں مانتے انہیں قضاء (عدلیہ) کا عہدہ نہیں دیا جاسکتا۔ (طبقات جلد۲، ص۴۵)

آٹھویں صدی کے علامہ ابن خلدونؒ (۸۰۸ھ) تقلید شخصی کی ضرورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ووقف التقليد فى الامصار عند هؤلاء الاربعة ودرس المقلدون لمن سواهم وسدالناس باب الخلاف وطرقه لماكثر تشعب الاصطلاحات فى العلوم ولماعاق عن الوصول الى رتبة الاجتهادولماخشى من اسناد ذلك الى غير اهله ومن لايوثق برايه ولا بدينه فصرحوا بالعجز والاعواز وردوا الناس الى تقليد هؤلاء كل من اختص به من المقلدين وحظروا ان يتداول تقليدهم لمافيه من التلاعب ولم يبق الا نقل مذاهبهم.

(مقدمہ ابن خلدون باب ۶ فصل ۷ ص ۴۴۸ مصر)

ترجمہ: اور بڑے بڑے شہروں میں تقلید ان چار اماموں پر آکر رک گئی ہے ان کے سوا دوسرے اماموں (جیسے امام اوزاعی، امام سفیان الثوری، لیث بن سعد مصری وغیرہ) کے مقلد ختم ہو گئے ہیں اور لوگوں نے (تقلید میں آکر) اختلاف کا دروازہ اور اس کی تمام راہیں بند کردی ہیں یہ اس لیے کہ عامی اصطلاحات کی پیچیدگی بڑھ گئی ہے مرتبہ اجتہاد تک پہنچنا رک گیا ہے اور اس کا بھی خطرہ تھا کہ اجتہاد نااہلوں اور ان لوگوں کے قبضہ میں چلا جائے جن کی رائے اور دین پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا بڑے بڑے علماء نے اجتہاد سے عجز اور درماندگی کا اعلان کردیا اور لوگوں کو ان ائمہ اربعہ کی تقلید کی طرف لگادیا ہر شخص جس کی وہ تقلید کرتا ہے اس کے ساتھ رہے اور لوگوں کو اس سے ڈرایا کہ وہ ائمہ کی تقلید بدل بدل کرنہ کریں یہ تو دین سے کھیلنا ہوجائے گا اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ بس انہی ائمہ

کے مذاہب آگے نقل کیے جائیں۔

علامہ ابن خلدون نے تقلید شخصی کی ضرورت کا احساس جس دلنشین پیرایہ میں دلایا ہے اپنی مثال آپ ہے۔

آٹھویں صدی کے ایک جلیل القدر عالم علامہ ابواسحٰق الشاطبی المالکیؒ (۷۹۰ھ) یہ بیان کرتے ہوئے کہ مختلف ائمہ کی پیروی سے انسان کس طرح خواہشات کا پیرو بن سکتا ہے اور مختلف مذاہب سے آسانیاں تلاش کرنے میں دین کو کیا کیا خطرے لاحق ہو سکتے ہیں یہاں تک کہتے ہیں کہ انسان ایک فقہ کے اندر رہ کر بھی غیر مفتی بہ قول کو اختیار نہ کرے فقہ کی کتابوں میں ایک مسئلے پر متعدد اقوال ملیں تو ان میں سے کسی غیر مشہور کو اختیار کرنا یہ بھی ایک پہلو سے خواہش پرستی پر مبنی ہو سکتا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ علماء آٹھویں صدی میں تقلید شخصی کے سوا اور کسی راہ سے دین کا تحفظ تسلیم نہ کرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ترک تقلید سے مسلمانوں میں وہ فکری اور عملی آوارگی پھیل سکتی ہے کہ پھر اس کو کسی طرف سے تحفظ نہ مل سکے علامہ شاطبیؒ علامہ مازریؒ سے نقل کرتے ہیں:۔

> ان الورع قل بل كاديعدم والتحفظ علي الديانات كذلك وكثرت الشهوات وكثرمن يدعي العلم ويتجا سر علي الفتوى فيه ولوفتح لهم باب في مخالفة المذهب لاتسع الخرق علي الراقع وهتكو احجاب هيبة المذهب وهذا من المفسدات التي لاخفاء بها. (الموافقات جلد۴، ص۱۴۶)

ترجمہ: پرہیز گاری بہت کم رہ گئی ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے دیانتداری قائم رکھنے کا احساس مٹتا جارہا ہے خواہشات بڑھ گئی ہیں علم کے مدعی کئی اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو فتوے دینے میں دلیر ہیں اگر لوگوں کے لیے مالکی مذہب سے نکلنے کا دروازہ کھول دیا جائے تو پیوند لگاتے تار اور ٹوٹتے جائیں گے لوگ مذہب کی ہیبت کا پردہ چاک کر دیں گے اور (تقلید شخصی کو ڈھیلا کرنے میں) وہ مفسدات پیدا ہوں گے جن پر کوئی پردہ نہیں۔

علامہ مازریؒ کی یہ نصیحت علامہ شاطبیؒ نے تحفظ دین کے جس دلسوز پیرایہ میں بیان کی ہے اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں تاہم علامہ شاطبیؒ اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ فتویٰ قول مشہور کے خلاف نہ دیا جائے لکھتے ہیں:۔

فلوفتح لهم هذا الباب لانحلت عرى الملهب بل جميع المذاهب. (ایضاً ص ۱۴۷)

ترجمہ: فقہ کے قول مشہور سے نکلنے کی راہ کھول دی جائے تو مذہب کے سب کڑے ٹوٹ جائیں گے بلکہ سب مذاہب کی بنیادیں ہل جائیں گی۔

نویں صدی کے علامہ ابن ہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) مذہب معین کے التزام پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

والغالب ان مثل هذه الالتزامات لكف الناس عن تتبع الرخص. (ماخوذ از فیض القدیر جلد ۱، ص ۲۱۱)

ترجمہ: زیادہ تر بات یہ ہے کہ اس قسم کے التزامات (کہ انسان ایک مذہب کی پیروی میں ہی رہے) اس لیے ہیں کہ لوگ مختلف مذاہب سے (خواہش نفس کے مطابق) آسانیاں تلاش کرنے سے باز رہیں۔

علامہ عبدالرؤف مناویؒ (۱۰۰۳ھ) اس سے پہلے یہ کہہ آئے ہیں:۔

لا يجوز تقليد الصحابة وكذاالتابعين كما قاله امام الحرمين من كل من لم يدون مذهبه فيمتنع تقليد غير الاربعة في القضاء والافتاء لان المذاهب الاربعة انتشرت وتحررت حتى ظهر تقييد مطلقها وتخصيص عامها بخلاف غيرهم لانقراض اتباعهم وقد نقل الامام الرازى اجماع المحققين على منع العوام من تقليد الصحابة واكابرهم. (فیض القدیر جلد ۱، ص ۲۱۰)

ترجمہ: صحابہؓ اور تابعینؒ کی تقلید اور اس شخص کی جس کا مذہب مدون نہیں ہوا جیسا کہ امام الحرمین نے کہا ہے جائز نہیں سو قضاء اور افتاء

میں ائمہ اربعہ کے سوا کسی کی تقلید کی راہ نہ ہوگی کیونکہ یہ مذاہب اربعہ عام ہو چکے اور لکھے جا چکے اس کے مطلق میں کہاں کہاں قید ہے اور اس کے عام میں کہاں کہاں تخصیص ہے یہ سب باتیں ظاہر ہو چکیں۔ بخلاف دوسرے ائمہ کے جن کے پیرو باقی نہیں رہے اور امام فخر الدین رازیؒ نے تو علماء محققین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ لوگوں کو صحابہؓ اور دوسرے اکابر کی تقلید سے روکا جائے۔

یعنی تقلید چلے گی تو فقہ کے انہی مذاہب اربعہ کی کیونکہ ان کی فقہ مدون ہو چکی ہے اور اس کے اصول وفروع، تقیید مطلق، تخصیص عام وغیرہ سب امور جانے جا چکے ہیں اب ہر شخص پر جو اجتہاد کے درجہ تک نہیں پہنچا ان مذاہب اربعہ سے کسی ایک مذہب کی پیروی ضرور ہوگی۔

وعلی غیر المجتهد ان یقلد مذهبا معینا. (ایضاً)

ترجمہ: اور جو مجتہد نہیں اس کے ذمہ لازم ہے کہ کسی معین مذہب کی تقلید کرے۔

اب آیئے گیارہویں صدی میں چلیں شارح بخاری علامہ محمد بن علاؤالدین (۱۰۸۸ھ) صاحب درمختار لکھتے ہیں اور اس صدی کے کسی دوسرے عالم نے اس پر نکیر نہیں کی۔

ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع وان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقا وهو المختار فی المذهب.

(درمختار بحاشیہ شامی جلد۱، ص۶۹)

ترجمہ: فقہاء میں سے کسی کے قول مرجوح کو لینا اور اس پر قضاء اور فتویٰ دینا ایک جہالت اور اجماع امت توڑنے کے سوا کچھ نہیں۔ کبھی کسی امام کی بات لینا اور کبھی دوسرے کی یہ تلفیق کا انداز باطل بالاجماع ہے کسی ایک کی فقہ پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس کی تقلید سے ہٹ جانا بالاتفاق باطل ہے اور مذہب مختار یہی ہے۔

علامہ شامی اسے ایک مثال سے واضح کرتے ہیں:۔

ایک شخص وضو سے تھا کہ اس کا خون بہا (حنفی مذہب میں اس کا وضو جاتا رہا اور شافعی مذہب میں وہ وضو سے ہے) پھر اس کا ہاتھ کسی عورت سے چھو گیا (اب شافعی مذہب میں اس کا وضو گیا اور حنفی مذہب میں یہ ناقض وضو نہیں) اس نے نماز پڑھی اب اس نماز کی صحت مذہب شافعی اور حنفی کی تلفیق ہوگی اور تلفیق باطل ہے سو اس کی نماز نہ ہوئی۔

مثاله متوضی سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلی فان صحة هذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعی والحنفی والتلفيق باطل فصحته منتفية. (ردالمحتار جلد ا، ص ۶۹)

خون بہنے سے اگر وہ اس یقین پر تھا کہ وضو نہیں ٹوٹا تو شافعی مذہب کی عظمت اور ہیبت اس پر محیط کیسے ہوگئی پھر جب عورت کو چھونے سے شافعی مذہب پر بھی اس کا وضوء ٹوٹ گیا تو اب اس فقہ کی عظمت اور ہیبت یکا یک اس کے دل سے کیسے نکل گئی۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ شریعت کے کسی فتوے کی اس کے دل پر ہیبت نہ ہو اور اس نے مذہب کو کھلونا بنا رکھا ہو یہ تلفیق ہے جو ہرگز جائز نہیں۔

اب آیئے ہم آپ کو بارھویں صدی میں لے چلیں حضرت شاہ ولی محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) تقلید شخصی سے نکلنے کے مفاسد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں آپ نے اس موضوع پر ایک مستقل باب باندھا ہے:۔

باب تاكيد الاخذ بهذه المذاهب الاربعة والتشديد فی تركها والخروج عنها. (عقد الجید)

ترجمہ: یہ باب اس تاکید میں ہے کہ ان مذاہب اربعہ کی پیروی ضروری ہے ان کو چھوڑنا اور ان کی تقلید سے نکلنا ایک بڑا خطرناک قدم ہے۔

اس میں آپ نے مذاہب اربعہ کی پیروی میں اسی مصلحت کی نشاندہی کی ہے جو آپ ایک ہزار سال سے سنتے چلے آرہے ہیں اور اسے چھوڑنے میں آپ نے وہی مفاسد بتلائے ہیں جو آپ سے پہلے کے علمائے حق بیان کرتے آئے ہیں۔

یہ اسلام کی بارہ صدیوں کی شہادت ہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہے یہ پوری

امت کی متفقہ آواز ہے۔ ہر مسلک کے بڑے بڑے علماء وہ حنفی ہوں یا مالکی، شافعی ہوں یا حنبلی عراقی ہوں یا شامی جہاں جہاں بھی مسلمان پھیلے ہیں ان کے سرکردہ علماء نے چوتھی صدی سے لے کر بارہویں صدی تک ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی کو تحفظ دین کی واحد صورت قرار دیا ہے۔ اور اس سے نکلنے میں الحاد و گمراہی کے وہ سیاہ بادل اٹھتے دیکھے ہیں کہ الامان...... الحفیظ۔ اور اب جب تیرہویں صدی کے بعد برٹش انڈیا میں اس قلعے میں پہلا شگاف لگا تو دنیا نے دیکھا کہ دین میں آزادی فکر پیدا ہونے کے جو خطرناک نتائج بارہویں صدی تک کے ان علماء نے بیان کیے تھے وہ سامنے آکر رہے اور آج مسلمانوں کی جو خطرناک فرقہ وارانہ حالت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں دنیا دیکھ چکی ہے کہ انکار فقہ نے انکار حدیث کی راہیں نکالیں اور اب فرقہ انکار حدیث مسلمانوں کو انکار قرآن کی دہلیز پر لا رہا ہے۔

ایک سوال

تقلید شخصی جب پہلی تین صدیوں میں واجب نہ تھی تقلید مطلق سے کام چل جاتا تھا تو چوتھی صدی سے علماء اس کو واجب کیوں کہنے لگے جو بات کل واجب نہ تھی وہ آج کیسے واجب ہو سکتی ہے؟

الجواب: واجب دو قسم کے ہیں ایک واجب اصلی اور دوسرا وہ واجب جو بذات خود تو واجب نہ ہو لیکن کسی اور واجب تک پہنچنے کا ذریعہ ہو اور اس تک پہنچنا بدوں اس کے ممکن نہ ہو یہ واجب بالغیر ہے۔ اس دور پرفتن میں جب فکری آزادی کی لہریں بہت سفینے ڈبو چکی ہیں اب اسے واجب کہنے سے چارہ نہیں۔ اب یہ بات کسی صاحب درد سے مخفی نہیں رہی کہ ان دنوں تحفظ دین کی صورت مذاہب اربعہ کی پیروی کے سوا اور کوئی نہیں رہی کتاب وسنت کے منصوص مسائل کے بعد غیر منصوص مسائل اب نئے سرے سے طے نہ کیے جائیں بلکہ پہلے مجتہدین جو انہیں طے کر گئے ہیں انہی کی پیروی کر لی جائے۔

زاجتہاد عالماں کوتاہ نظر　　　　اقتداء رفتگاں محفوظ تر

تین مثالیں

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قرآن کریم کو یکجا کرنا واجب نہ تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں صحابہؓ کے اجماع سے اسے یکجا کرنا ضروری قرار پایا یہ کیوں؟

یہ اس لیے کہ تحفظ دین کی اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔

۲۔ سلف کے ہاں حدیث لکھنا ضروری نہ تھا روایت حدیث سے سارا کام چل جاتا تھا اب وقت گزرنے اور دائرہ امت پھیلنے سے اس کا لکھنا اور اسے کتابوں سے پڑھنا ضروری ہو گیا ہے یہ کیوں؟

یہ اس لیے کہ تحفظ دین کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔

۳۔ سلف میں صرف ونحو اور لغت وادبیات کا سیکھنا ضروری نہ سمجھا جاتا تھا عرب اہل زبان ہونے کے ناطے قرآن وحدیث کی زبان سمجھ لیتے تھے آج ہمارے مدارس میں ان کا پڑھنا پڑھانا ضروری ہو گیا ہے یہ کیوں؟

یہ اس لیے کہ ان کے بدوں کتاب وسنت کی زبان سمجھی نہیں جاسکتی۔

اسی طرح یہ سمجھ لیا جائے کہ ایک وقت تھا جب مطلق تقلید کافی تھی تقلید شخصی واجب نہ تھی اور اب ایسا وقت آ گیا ہے کہ مسائل غیر منصوصہ میں اور مسائل منصوصہ (بظاہر) متعارضہ میں اخذ مسائل اور حل مسائل کی اس کے سوا کوئی راہ نہیں کہ پہلی صدیوں کے مجتہد ائمہ علم کی پیروی واجب سمجھی جائے بشرطیکہ ان کے مذاہب تک ہماری رسائی ہو اور ان کے مذاہب کی مدونہ کتابیں ہماری رسائی میں ہوں سو اس پہلو سے تقلید شخصی واجب ہے لان مقدمة الواجب واجبة

اس شبہے کا جواب حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ دیا ہے:۔

قلت الواجب الاصلی هوان يكون فی الامة من يعرف الاحكام الفرعية من ادلتها التفصيلية اجمع علی ذلک اهل الحق ومقدمة الواجب واجبة فاذا كان للواجب طرق متعددة وجب تحصيل طريق من تلک الطرق من غير تعيين فاذا تعين له طريق واحد وجب ذلک الطريق بخصوصه. (الانصاف)

ترجمہ: اصل واجب یہ ہے کہ امت میں کچھ افراد ایسے ہوں جو شریعت کے فرعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ جانتے ہوں اور اس پر اہل حق کا اجماع ہے اس واجب تک پہنچنے کی جو راہ ہوگی وہ بھی واجب ٹھہرے گی جب کسی واجب تک پہنچنے کے لیے کئی

راہیں ہوں تو ان راہوں میں سے کسی کو اختیار کر لینا بغیر کسی تعیین کے
واجب ہوگا اور جب اس کے لیے ایک ہی راہ ہو تو اب اس خاص راہ
کو اختیار کرنا واجب ہوگا۔

قرآن کریم میں کہا گیا تھا کہ اس امت میں ایک طبقہ تفقہ فی الدین کے لیے فارغ ہونا چاہیے اور دوسرے ان کے پیچھے لگیں۔ اب اس دور میں امت میں اگروہ طبقہ مجتہد مطلق کا نہیں ہے اور علم دین کی محنت میں ہمتیں کمزور پڑ گئی ہیں ہرایک اپنی رائے میں مست ہے تو اب اس رجوع الی المجتہد المطلق کا طریقہ کیا ہوگا؟ اس کی اب صرف ایک ہی راہ ہے کہ جن مجتہدین کے مذاہب کتابی شکل میں مدون مرتب اور شرح درشرح کے ساتھ واضح چلے آرہے ہوں ان میں سے کسی کی پیروی کرلی جائے یہ تقلید کی راہ ہے اور تقلید اس راہ سے واجب ہے۔

مقدمة الواجب واجبة

اب ان مختلف طریقوں کے اپنانے میں انسان کی ہوائے نفس اور سہولت پسندی کی کوئی راہ نکلتی ہو تو تقلید مطلق سے اس واجب اصلی کا تقاضا پورا نہ ہوگا اور اس تک رسائی کے لیے تقلید شخصی واجب قرار دی جائے ہوگی لان مقدمة الواجب واجبة.

اس کے بعد شاہ صاحبؒ کچھ نظیریں پیش کرتے ہیں کہ کبھی وہ چیز جو پہلے واجب نہ ہو حالات بدلنے پر واجب ہو جاتی ہے اور یہ شریعت کی جامعیت ہے کہ ہر قسم کے حالات کے مطابق اس میں عملی راہ نکل آتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

> کان السلف لایکتبون الحدیث ثم صاریومنا هذا کتابة الحدیث واجبة لان روایة الحدیث لاسبیل لها الیوم الامعرفة الکتب وکان السلف لایشتغلون بالنحو واللغة وکان لسانهم عربیالایحتا جون الی هذه الفنون ثم صاریومنا هذا معرفة اللغة العربیة واجبة لبعد العهد عن العرب الاول وشواهد مانحن فیه کثیرة جداوعلی هذا ینبغی ان یقاس وجوب التقلید لامام بعینه فانه قد یکون واجبا وقد لا یکون واجبا. (الانصاف)

ترجمہ: سلف حدیث کو عام نہ لکھتے تھے پھر آج یہ حدیث کا لکھنا واجب ہے کیونکہ آج ان کتابوں کی معرفت کے بغیر روایت کی اور کوئی راہ نہیں۔ اور اسی طرح سلف علم نحو اور علم لغت میں وقت نہ لگاتے تھے ان کی اپنی زبان عربی تھی اور وہ ان فنون کے محتاج نہ تھے لیکن آج معرفت لغت عربی واجب ہوگئی ہے کیونکہ ہم زمانہ عرب اول سے بہت دور ہیں۔ اور جس میں ہم گفتگو کررہے ہیں اس کے شواہد اور بھی بہت سے ہیں اور چاہیے کہ تقلید شخصی کا مسئلہ بھی اس پر منطبق کیاجائے کہ یہ بعض حالات میں واجب ہوتا ہے جبکہ بعض دوسرے حالات میں یہ واجب نہ تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے اس فیصلے پر یہ تفصیلی بیان دیا ہے:۔

وکان ھذا ھوالواجب فی ذلک الزمان۔ (الانصاف)

ترجمہ: ایک معین مجتہد کی تقلید کرنی اس زمانے میں واجب ہوچکی ہے۔

یہ رائے بارھویں صدی کے مجدد اور امت کے اس حکیم کی ہے جس کے بارے میں نواب صدیق صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

اگر وجود او در صدر اول ودر زمانہ ماضی بودے امام الائمہ وتاج المجتہدین شمردہ مے شد۔

ترجمہ: اگر ان کا وجود پچھلے دور کے صدر اول میں ہوتا تو آپ امام الائمہ اور مجتہدین کے تاج سمجھے جاتے۔

آیئے اب اس کے برعکس ایک دوسری مثال لیجیے ایک چیز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جائز تھی حالات کے بدلنے پر کیسے ناجائز ہوگئی حالات کی رعایت نہ ہو تو دین باقی رہتا ہے نہ فتوے کی آبرو باقی رہتی ہے۔

یہ امت حفاظت قرآن پر مامور ہے اور اس پر واجب ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کرے تاہم اسے اختیار دیا گیا تھا کہ وہ احرف سبعہ میں جس طرح چاہے اس کی تلاوت کرے۔ حضرت عثمانؓ نے جب دیکھا کہ یہ سلسلہ اگر اسی طرح جاری رہے تو حالات بدلنے سے قرآن کریم کا تحفظ خطرے میں پڑجائے گا تو انہوں نے صرف حرف قریش

پر قرآن کریم کی تلاوت کی اجازت باقی رکھی باقی چھ حروف روایۃ رہنے دیئے تلاوۃ ان سے منع کردیا رسم الخط میں یہی ایک طریق رہا حافظ ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) اپنے مقدمہ تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

لعلة من العلل اوجبت عليها القراة على حرف واحد ......
قرائه بحرف واحد ورفض القراة بالاحرف الستة الباقية.

(تفسیر ابن جریر جلد۱، ص۱۹)

ترجمہ: اسباب میں سے کوئی سبب ہو قرأت ایک ہی حرف پر باقی رکھی گئی اور چھ دوسرے احرف چھوڑ دیئے گئے

حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہوا اس وقت سے لے کر آج تک قرآن کریم کی تلاوت بس اسی حرف واحد پر چلی آرہی ہے۔

سو پہلی تین صدیوں کی غیر معین تقلید نے اگر آگے چل کر معین تقلید کی صورت اختیار کرلی اور اس وقت سے لے کر آج تک امت تقلید شخصی پر چلی آرہی ہے تو اس میں کوئی نسبت تضاد نہیں ہے ہر حال کے اپنے تقاضے تھے جو ان حضرات نے پورے کیے ہیں۔

چودھویں صدی میں مذہبی آزادی کی لہر

ہندوستان میں انگریزوں نے آزادی رائے کے نام سے مسلمانوں کو تقلید کے خلاف اکسایا اور چودھویں صدی میں کچھ مسلمان اس کے خلاف اٹھے۔ پیشتر اس کے کہ ہم تاریخ ترک تقلید پر کچھ عرض کریں ہم چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کا اس موضوع پر مختصر تبصرہ نقل کرتے ہیں آپ کے نزدیک ترک تقلید کی جڑ بدگمانی ہے اور تقلید کی اساس حسن ظن پر ہے

تقلید کی بنا حسن ظن پر ہے اور ترک تقلید کی جڑ بدگمانی ہے

آج کل جو لوگ تقلید کے تارک اور خود اجتہاد کے مدعی ہیں ذرا ان کے قریب ہو کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں نہ علم میں بصیرت نہ تقویٰ وخشیت نہ حالات پر نظر نہ وحدت امت کی فکر۔ مگر جوش اجتہاد میں مجتہد بنے بیٹھے ہیں سلف سے بدگمانی ہے اور خود مقتدا بننے کی ٹھانی ہے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ میں ایک دوسرے

پر اعتماد تھا انہیں اتحاد کی دولت حاصل تھی اور ان میں تقلید جاری تھی گو شخصی نہ ہو اور شخصی سے انہیں انکار بھی نہ تھا تاہم وہ بد اعتمادی اور بدگمانی کا شکار نہ تھے۔ بدگمانی کا شر شیعوں سے چلا ہے اور حسن ظن اور اعتماد صحابہؓ و تابعینؒ سے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ سے بدگمانی بدزبانی تک لے آتی ہے اور شیعوں کا چھوٹا بھائی بنا دیتی ہے حضرت تھانویؒ نے ایک دفعہ ایسے لوگوں کو صریحاً تبرائی قرار دیا ہے۔

> (آج کل) ایک طبقہ مدعیان اجتہاد کا ہے ان میں خصوصیت سے ایک بات ایسی بری ہے جو جڑ ہے تمام خرابیوں کی وہ یہ ہے کہ ان میں مرض ہے بدگمانی کا پھر اس سے بدزبانی پیدا ہوتی ہے۔ بزرگوں کی شان میں بدزبانی کرنا یا ان سے بدگمان کرنا نہایت ہی خطرناک چیز ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بزرگوں کے معتقد ہو معتقد ہونا فرض نہیں مگر بدگمانی سے بچنا تو فرض ہے اگر یہ نہیں تو پھر شیعوں کی طرح یہ بھی ایک اچھا خاصہ تبرائی فرقہ ہے۔ (الاضافات جلد ۷، ص ۵۲)

ائمہ کے گستاخوں کو اسی لیے چھوٹے شیعہ کہتے ہیں بڑے شیعہ صحابہؓ کو برا کہتے ہیں اور یہ ائمہ مجتہدین کو خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہؒ کو۔ اور یہ بات بقول حضرت مولانا محمد داؤد غزنویؒ درست ہے کہ ان نام کے اہلحدیث کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بددعا لے بیٹھی ہے۔ یہ لوگ اگر کچھ حسن ظن سے کام لیتے ہیں تو اپنے علماء کے بارے میں ائمہ کرام کے بارے میں ان کے پاس بدگمانی کے سوا کچھ نہیں حسن ظن اگر کسی اعتبار سے جائز ہے تو ائمہ کے بارے میں کیوں نہیں حضرت تھانویؒ سے ایک واقعہ سنیے:

> ایک غیر مقلد عالم سے میری گفتگو ہوئی میں نے کہا کہ اتباع کا مدار عام دلائل نہیں بلکہ حسن ظن ہے چنانچہ آپ کو ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ پر اعتماد ہے حسن ظن ہے یہ سمجھتے ہو کہ جو یہ کہتے ہیں قرآن وحدیث سے ہی کہتے ہیں اس لیے ان کے اقوال کے بعد دلائل کا بھی انتظار نہیں کرتے۔ حالانکہ میں دکھلا سکتا ہوں کہ وہ دھڑ ادھڑ فتوے لگاتے چلے جاتے ہیں لکھتے چلے جاتے ہیں اور دور تک کہیں آیت وحدیث کا پتہ نہیں نہ کوئی دلیل ہے اپنے دعوے کے اثبات میں اور اس سے

بڑھ کر تماشا یہ ہے کہ بعض جگہ خصم کے دلائل نقل کرتے ہیں اور
بدوں ان دلائل کے جواب دیتے ہوئے اس میں اختلاف کرتے ہیں
خود اپنے دعوے کی دلیل بیان نہیں کرتے سو اسی طرح ہم کو امام
ابوحنیفہؒ پر اعتماد اور حسن ظن ہے ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ جو کہتے
ہیں قرآن وحدیث سے کہتے ہیں اس لیے دلائل تفصیلیہ کا انتظار نہیں
کرتے اب بتلایئے کہ اس میں اور اس میں کیا فرق ہے کہنے لگے
بالکل صحیح ہے۔ (الاضافات جلد ۷، ص ۵۳)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے بھی بعض علماء حسن ظن کو گناہ نہیں سمجھتے گناہ بدگمانی ہے ان بعض الظن اثم۔ غیر مقلد حضرات اگر ائمہ کرام کے بارے میں حسن ظن پر آجائیں تو مقلدین اور غیر مقلدین کے عملی اور فکری فاصلے بہت کم ہوجاتے ہیں فقہاء ہی علم کے گہرے سمندروں میں تیرتے ہیں اور یہ بے شک انہی کا حق ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

فقہاء ہی کی اس قدر نظر ہے احکام پر بھی علل احکام پر بھی سچ تو یہ ہے
کہ ان حضرات کو الہام ہوتا تھا جس سے انہوں نے ایسی دین کی
خدمت کی ہے حق تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اگر فقہا کی
ذات دنیا میں نہ ہوتی تو عالم میں ایک اندھیرا ہوتا دین کے ہر مسئلہ کو
روشن اور واضح کر دیا اگر فہم سلیم اور عقل کامل ہو تو کوئی دقیقہ باقی نہیں
رہتا۔ (الاضافات جلد ۷، ص ۸۴)

الشعراء تلامیذ الرحمن آپ نے بارہا سنا ہوگا یہ بات بطور اصول سمجھ میں نہیں آتی لیکن شاعر جب بولتا ہے تو لوگ اس کے تخیل کی پرواز کو دیکھتے ہیں اور ششدر رہ جاتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات الہاماً ان کے دل میں اتری ہوگی اسی طرح فقہاء کی فکری گہرائی بھی پاٹنے میں نہیں آتی۔ حضرت امام شافعیؒ نے درست فرمایا کہ جب امام محمد بن حسنؒ بولتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا وحی اتر رہی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے سچ فرمایا کہ ان حضرات (فقہائے کرام) کو الہام ہوتا تھا جس سے شریعت پھیلتی تھی اور ہر غیر اسلامی بات کو قبول نہ کرنے سے رکتی تھی۔ شریعت مجتہدین کے اجتہاد سے غیر منصوص مسائل میں پھیلتی ہے اور بدعت کو اپنے اندر سمونے سے انکار کرتی ہے اسے ہی جامع اور

مانع عمل کہتے ہیں یہ اصول کی بات ہے رہا شریعت کا فروع کے اختلاف میں وسیع ہونا سو یہ تضاد اور انتشار کا موجب نہیں یہ اختلاف امت کے لیے رحمت ہے۔

امام ابن قدامہ الحنبلی (۶۲۰ھ) ان فروعی اختلافات کے بارے میں نمبر ۹۴ میں لکھتے ہیں:

واما بالنسبة الى امام فى فروع الدين كالطوائف الاربع فليس بمذموم فان الاختلاف فى الفروع رحمة و المختلفون فيه محمودون فى اختلافهم شابون فى اجتهادهم واختلافهم رحمة واسعة واتفاقهم حجة قاطعة

ترجمہ: جو اختلافات فروع میں ائمہ کی نسبت سے ملتے ہیں جیسے احناف سے مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کے اختلافات تو یہ اختلافات ناپسندیدہ نہیں ہیں فروع میں اختلاف رحمۃ ہے اور یہ اختلاف کرنے والے اپنی جگہ سب لائق تعریف ہیں اور اپنے اپنے اجتہادات میں ثواب یافتہ ہیں آپس میں مختلف ہیں تو یہ اعمال کی وسعت ہے اور کسی بات پر متفق ہو جائیں تو اب ان کا اجماع اسلام میں حجۃ قاطعہ ہے۔ (جس سے کسی کو انکار نہیں)

تاریخ ترکِ تقلید

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

اجتہاد اور تقلید دو لفظ ساتھ ساتھ چلے ہیں مجتہد اور مقلد دو مقابلے کے لفظ ہیں اسلام میں اجتہاد کا وجود بتلاتا ہے کہ غیر مجتہد کے لیے غیر منصوص مسائل میں مجتہد کی پیروی کا حکم ہے۔ اگر سرے سے اجتہاد کا انکار کر دیا جائے تو تقلید کی نفی بھی ساتھ ہی ہو جائے گی نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

لفظ تقلید کا اصل مقابل اجتہاد کا لفظ ہے نادان اہل حدیث اسے حدیث کے مقابل لیتے ہیں اور وہ یوں کہتے سنے گئے کہ فلاں تقلید پر چلتا ہے اور فلاں حدیث پر۔ خواہ مخواہ حدیث اور تقلید کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کرتے ہیں۔ الفاظ جب اپنے غیر محل میں استعمال کیے جائیں تو پھر غلط فہمیاں بڑھتی ہیں اور اختلافات اور پھیلتے ہیں جہلاء اہلحدیث کے اس غلط استعمال نے امت میں بہت بے ڈھب تفریق پیدا کر دی ہے۔

علمائے اہلحدیث میں ہمارے کرم فرما مولانا محمد اسماعیل (گوجرانوالہ) صاحب شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے تقلید کے مقابل ترک تقلید کا نام تحریک آزادی فکر رکھ کر اس کی تاریخ سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ آپ کے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ تقلید مقلدین کو پابندیوں میں جکڑتی ہے اور ترک تقلید انسان کو اسلاف کی پابندیوں سے آزاد کرتی ہے۔ فرقہ اہلحدیث کی تحریک اصل میں تحریک آزادی فکر ہے جو انگریز ہندوستان میں پیدا کرنا چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے مسلمانوں کو ان کے ماضی سے بیگانہ کیا جائے اور انہیں فتاوی عالمگیری سے دور رکھ کر صحابہ کی فکر و نظر اور انکے ہمت و عمل میں بالکل آزاد کر دیا جائے۔

تقلید کے مقابل اب یہ تین لفظ ہمارے سامنے آ گئے ا۔ تقلید اور اجتہاد ۲۔ تقلید اور عمل بالحدیث ۳۔ تقلید اور آزادی فکر۔ پہلا استعمال علمائے محققین کا ہے کہ علمی دنیا میں دو

ہی طرح کے لوگ ہیں مقلد یا مجتہد غیر مقلدین کسی علمی پیمانے کے ناپ تول میں نہیں آتے۔ دوسرا استعمال جہلاء اہلحدیث کا ہے جو بغیر کسی علمی درجے کا علم رکھنے کے عمل بالحدیث کے مدعی بنتے ہیں۔ اور تیسرا استعمال فرقہ اہلحدیث کے علماء کا ہے جو تقلید کے مقابلہ میں آزادی فکر کا عنوان اختیار کرتے ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب اگر اپنے استاد مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سے یہ بات سمجھ لیتے تو وہ ترک تقلید کو کبھی تحریک آزادی فکر سے تعبیر نہ کرتے مولانا محمد ابراہیم میرؒ لکھتے ہیں:

> ہمارے حنفی بھائی ہم اہل حدیثوں کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم تقلید سے مطلقا انکار کرتے ہیں اور عوام کو تعلیم کرتے ہیں کہ وہ باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یا اقوال صحابہؓ نہ ملنے کے اور خود بھی کتب متداولہ مشہورہ میں علمی قابلیت نہ رکھنے کے اقوال ائمہ کو ٹھکرا دیا کریں اور مادر پدر آزاد ہوکر جو چاہیں سو کیا کریں اگر ان کا یہی خیال ہے تو ہم صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارا مذہب سمجھنے میں تحقیق سے کام نہیں لیا۔ (تاریخ اہلحدیث ص ۱۱۸)

آج شاگرد استاد کے باغی ہو رہے ہیں مولانا محمد ابراہیم میر مطلق تقلید سے انکار نہیں کرنا چاہتے مگر مولانا اسماعیل صاحب ہیں کہ ترک تقلید کو تحریک آزادی فکر کا نام دے رہے ہیں۔ ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ استاد شاگرد میں سے کس کی بات امت میں جوڑ پیدا کرسکتی ہے اور کسی کی سراپا توڑ اور انتشار۔ تاہم یہ کہنے میں ہم حرج نہیں سمجھتے کہ جماعت اہلحدیث اس وقت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ کے نظر وفکر پر نہیں مولانا اسماعیل صاحب کے نقش قدم پر آزادی فکر میں آگے سے آگے جا رہی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انکار اجتہاد کی تاریخ انکار تقلید سے بہت پہلے کی ہے داؤد ظاہری (۲۷۰ھ) حدیث اور تاریخ کا بڑا عالم تھا اس نے سب سے پہلے ظاہر نصوص پر اکتفا کرنے کی تحریک چلائی اور قیاس خفی ہو یا جلی ہر ایک فقہ کا انکار کیا پہلی امتوں میں اجتہاد کی تعلیم نہ تھی اس نے اس امت کو بھی اسی منہاج پر رکھا اور اجتہاد کا انکار کیا قرآن وحدیث کے ظاہر الفاظ کے سوا یہ اور کسی بات کو کوئی درجہ نہ دیتا تھا تاریخ میں اسے اسی لحاظ سے داؤد ظاہری (۲۷۰ھ) کہتے ہیں۔ اس تحریک کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں میں غیر منصوص مسائل میں عجیب آوارگی پیدا ہوگئی اور

اسلام کا ایک جامع نظام عمل ہونے کا دعویٰ دب کر رہ گیا ان دنوں ان منکرین اجتہاد کا نام اہلحدیث نہ تھا۔ ظاہری تھا۔ نہ غیر مقلدین کی اصطلاح ان دنوں وجود میں آئی ہوئی تھی۔

داؤد ظاہری کی وفات کے ستائیس سال بعد عراق میں ابوحفص عمر بن احمد البغدادی المعروف بابن شاہین (۳۸۵ھ) ایک اور عالم اٹھا یہ مجتہد کے درجہ کا عالم نہ تھا لیکن خود پسندی کا مریض تھا فقہ کی تعلیم بالکل نہ رکھتا تھا۔ زبان کی بہت غلطیاں کرتا اور کسی مجتہد کا پیرو نہ تھا۔ جب لوگ اسے اس فکری آوارگی کا الزام دیتے تو کہتا میں محمدی المذہب ہوں دوسرے لوگ اپنے آپ کو محمدی دین پر کہتے لیکن مذہب کی نسبت وہ اپنے اپنے اساتذہ کی طرف کرتے تھے نہ کہ پیغمبر کی ذات گرامی کی طرف۔ ابن شاہین یہ پہلا شخص ہے جو نہ مجتہد تھا نہ مقلد نہ فقہ کو کسی درجے میں جاننے والا مگر محمدی المذہب کہلاتے میں بہت جوش عمل رکھتا تھا۔

ہندوستان میں انگریزی عملداری میں جب ترک تقلید کا دھواں اٹھا تو جو لوگ اس اندھیرے تلے گھرے وہ پہلے اپنے آپ کو محمدی کہتے تھے پھر مولانا محمد حسین بٹالوی نے ان کے لیے لفظ اہلحدیث انگریز سرکار سے منظور کرایا اب ابن شاہین کے ہم خیال اہلحدیث کہلاتے ہیں۔

حافظ ذہبی خطیبؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

> ابن شاهین بقیة الشیوخ الاانه کان لحانا ولایعرف الفقه وکان اذا ذکرله مذهب احدیقول انا محمدی المذهب.
>
> ترجمہ: ابن شاہین لحن سے کام لیتا تھا (رک رک کر بولتا تھا) فقہ سے ناآشنا تھا جب اس کے سامنے کسی شخص کا مذہب ذکر کیا جاتا تو وہ کہتا میں محمدی المذہب ہوں۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم مولوی محمد حسین بٹالوی سے کچھ پہلے ہوئے ہیں ان کے دور میں غیر مقلدین اہلحدیث کے نام سے موسوم نہ تھے محمدی المذہب کہلاتے تھے نواب صاحبؒ نے اس کی اصل ابن شاہین سے نقل کی ہے آپ لکھتے ہیں:۔

> ازیں جا معلوم ثابت شد کہ محمدی گفتن خود را ماثور از سلف صلحاء است ایجاد متبعان این زمان نیست۔ (تذکرۃ جلد۳، ص۱۸۴)
>
> ترجمہ: اس سے معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو محمدی کہنا پہلوں سے منقول

ہے یہ لقب کچھ اس زمانے کی ایجاد نہیں۔

نہایت افسوس ہے کہ غیر مقلدین جس کسی کو فقہ کے خلاف دیکھتے ہیں جھٹ اسے اپنا امام مان لیتے ہیں اور اپنے لیے وہی ٹائٹل اختیار کرتے ہیں جو خود اس نے کیا تھا اور وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ کیا خود ابن شاہین کی تقلید نہیں؟

ابن شاہین کے بعد اس امت میں کوئی گروہ یا جماعت ایسی نہیں گزری جو محمدی المذہب کہلائی ہو اب تیرہویں صدی میں جا کر نئے سرے سے محمدی المذہب کا نام سامنے آیا ہے۔ یہ تاریخ کا تسلسل نہیں ہے ایک نئے گروہ کی پیدائش ہے۔

یہ صحیح ہے کہ قاسم بن محمد بن قاسم اندلسی (۲۷۶ھ) نے بھی تقلید کا انکار کیا تھا لیکن ان کا انکار فقہ کا انکار نہ تھا بقول حافظ ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) وہ خود بہت بڑا فقیہ تھا اس کا تقلید سے انکار بوجہ مجتہد ہونے کے تھا غیر مقلد ہونے کے احساس سے نہ تھا۔

چوتھی صدی کے آخر میں ایک اور نامور عالم علامہ ابن حزمؒ (۴۵۷ھ) اٹھے آپ پہلے شافعی المذہب تھے پھر داؤد ظاہری کے مذہب پر آگئے اور ظاہری کہلائے۔ اس سے پہلے ماسوائے ابن شاہین کے پوری قلمرو اسلامی مجتہدین کی تقلید پر جمع ہو چکی تھی۔ پہلی تین صدیوں میں تقلید شخصی غیر معین رہی اور چوتھی صدی میں سب اہل اسلام معین تقلید شخصی پر جمع ہو چکے تھے۔

تاہم ہر ایک کے ہاں فقہ کا درجہ حدیث اور آثار صحابہ کے بعد کا تھا اور ہر طبقہ فقہ کو اس کے اپنے مقام پر رکھتا اور مانتا تھا۔

تاریخ تقلید تاریخ ترک تقلید سے بہت پہلے کی ہے اجتہاد اور تقلید دونوں کا آغاز صحابہؓ سے ہو چکا تھا تیسری صدی میں مجتہدین کے پیرو پوری دنیا میں پھیل چکے تھے اور ظاہریہ بالکل ناپید ہو گئے تھے اب مسلمان جہاں بھی تھے مقلدین ہی تھے۔

علامہ ابن خلدون (۸۰۸ھ) ظاہریہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ثم درس مذهب اهل الظاهر اليوم بدروس ائمتهم.

(مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۹)

ترجمہ: پھر ظاہری لوگوں کا مذہب ناپید ہو گیا ان کے علماء کے مٹ جانے سے۔

پھر کچھ وقت کے بعد امام اوزاعیؒ کے مقلدین بھی ناپید ہو گئے حضرت سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) کے مقلدین اس سے بھی کچھ پہلے ختم ہو چکے تھے اور اب عالم اسلام میں ان چار مذاہب کے سوا اور کوئی فقہی مکتب فکر نہ تھا۔

مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں تیرہویں صدی میں تمام اہل اسلام مذاہب اربعہ کے ہی پیرو تھے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں کوئی معروف مسلمان غیر مقلد نہ تھا سب اہل اسلام کسی نہ کسی فقہی مذہب کے پیرو تھے اگر کوئی ان سے باہر تھا تو اس کا شمار اہل اسلام میں نہ تھا۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:۔

> دراعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج درتمام اہل اسلام است بہتر وخوب است۔ (صراط مستقیم ص ۹۷)
>
> ترجمہ: فروعات میں مذاہب اربعہ کی پیروی جو تمام اہل اسلام میں پائی جاتی ہے بہت اچھی اور خوب ہے۔

معلوم ہوتا ہے مولانا شہیدؒ کے عہد تک کوئی مکتب فکر اہلحدیث کے نام سے یا غیر مقلدین کے عنوان سے یا محمدی المذہب کے تعارف سے موجود نہ تھا سب اہل اسلام مذاہب اربعہ کے تھے۔ یہاں شیعہ کی بات نہیں ہو رہی وہ اصولاً سب سے مختلف ہیں۔

حضرت شہیدؒ کے برابر کے عالم اس وقت حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ تھے جو مدرسہ رحیمیہ دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے جانشین ہوئے۔ آپ کا نظریہ تقلید کیا تھا اسے سطور ذیل میں ملاحظہ کریں آپ لکھتے ہیں۔

> مقلد ایشاں راہر گز بدعتی نخواہند گفت زیرا کہ تقلید ایشاں تقلید حدیث شریف است پس متبع حدیث رابدعتی گفتن ضلال وموجب نکال است۔ (مائۃ مسائل ص ۹۳ سوال نمبر ۶۲)
>
> ترجمہ: ائمہ کے مقلدین کو ہرگز بدعتی نہ کہنا چاہیے کیوں کہ ان کی تقلید حدیث شریف کو ماننا ہی ہے متبع حدیث کو بدعتی کہنا گمراہی ہے اور اس پر عذاب ہوگا۔

آگے مذاہب اربعہ کے باہمی اختلاف کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

مذاہب اربعہ میں جو اختلاف ہے وہ اختلافات خود صحابہؓ میں بھی موجود تھے اس لیے ان میں بھی (ان ائمہ اربعہ میں) اختلافات ہوئے اور صحابہؓ کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم یعنی میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی اقتداء کروگے ہدایت پالوگے۔ اور مذاہب اربعہ میں اختلاف قیاس و حجت کے اختلاف سے واقع ہوا قیاس نص سے ثابت ہے تو قیاس پر عمل کرنا اتباع نص ہوا اور نیز مذاہب اربعہ میں اختلاف حدیث کے ظاہری الفاظ اور استنباط حدیث کی وجہ سے بھی ہے بعض ظاہر حدیث کو قابل عمل سمجھتے ہیں اور بعض اس استنباط حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

چنانچہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں ایک حدیث آئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت بنی قریظہ کی طرف صحابہؓ کو روانہ فرمایا تو یہ حکم فرمایا کہ کوئی عصر کی نماز سوائے بنی قریظہ کے نہ پڑھے بعض صحابہؓ نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا اور راستہ میں نماز نہ پڑھی لیکن جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قصہ معلوم ہوا تو اس پر کچھ ناگواری ظاہر نہ فرمائی تو دونوں طرح عمل جائز ہے مذاہب اربعہ کے اختلاف کی صورت ایسی ہے تو بدعت کس طرح ہوجائے گی۔ (اردو ترجمہ مأتہ مسائل ص ۱۰۱، ص ۱۰۲)

اس سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ محدثین دہلی اس مسلک کے نہ تھے جو فرقہ اہلحدیث کے بانی مولانا سید نذیر حسین دہلوی نے ترتیب دیا ہے۔ آپ حضرت شاہ محمد اسحٰق کے جس درجہ کے شاگرد تھے آپ اس کی تفصیل پہلے کہیں دیکھ آئے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ کے اور بھی شاگرد تھے ان میں سے کوئی میاں صاحب کا ہمخیال کیوں نہ ہوسکا؟ یہ بات گہری فکر سے سوچنے کے لائق ہے اگر آپ اسے یہاں سے سوچنا شروع کریں کہ سر سید احمد خاں نے آپ کو رفع یدین پر لگایا تھا اس سے پہلے آپ رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے تو بات سمجھنی بہت آسان ہوجائے گی اور پتہ چلے گا کہ شیخ الکل کا شیخ تحریک

ترک تقلید میں کون تھا اور پھر اس شیخ کا شیخ کون تھا جس سے جناب میاں صاحب سبق لیتے تھے وہ خفیہ شخصیت سر سید احمد خاں کی تھی جس نے میاں صاحب کو رکوع کے رفع یدین پر لگایا تھا اور سر سید کے پیچھے انگریز تھے جو فتاوی عالمگیری کے دشمن تھے۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

بعض غیر مقلدین تحریک ترک تقلید کا بانی مولانا اسماعیل شہیدؒ کو ٹھہراتے ہیں اور اس کے ثبوت میں آپ کا رسالہ رفع الیدین پیش کرتے ہیں۔ یہ بات کسی طرح درست نہیں کسی ایک مسئلہ میں تفرد اختیار کرنا مسلک تقلید سے خروج نہیں ہوتا۔ مشہور فقیہ عصام بن یوسف کا نام طبقات حنفیہ میں موجود ہے حالانکہ وہ رفع یدین کے مسئلے میں فقہ حنفی پر عمل پیرا نہ تھے بایں ہمہ ان کا نام طبقات حنفیہ میں رہا اور کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا۔

یہاں بات مسئلہ رفع یدین کی نہیں ہو رہی تاریخ ترک تقلید کی ہے۔ مولانا اسماعیل شہیدؒ مذاہب اربعہ کی پیروی کے قائل تھے اور تقلید میں ان کا وہی موقف تھا جو حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ اور اس بیت علم حنفیہ کا تھا اور پھر حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے جو وہ رسالہ لکھا یہ صرف ان کی ایک علمی رائے تھی عملاً وہ رفع یدین نہ کرنے کو ہی ترجیح دیتے تھے۔ قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ اس کے گواہ ہیں جنہوں نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تھا اگر آپ رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تو دہلی میں یہ عمل متعارف ہوتا پھر اس کے آغاز کا سہرا سر سید احمد خاں اور جناب میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے سر پر نہ بندھتا۔

یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں اس کے جواب میں اتنی بات سمجھ لینا کافی ہے کہ اگر حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ حنفی نہ ہوتے غیر مقلد ہوتے تو پھر وہ شیخ الکل ہوتے میاں نذیر حسین صاحب شیخ الکل نہ ہوتے میاں صاحب کے شیخ الکل ہونے کا صاف مطلب ہے کہ یہ مذہب انہیں سے چلا ہے۔

مسلک اہلحدیث کا آغاز

موجودہ اہلحدیث مذہب کب سے بنا اور تحریک ترک تقلید کب سے شروع ہوئی اس کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ہیں۔ آپ ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۰ھ میں وفات پائی۔ ہندوستان میں تقلید کے خلاف پہلی کتاب معیار الحق آپ نے لکھی جس کا جواب مدار الحق مولانا محمد شاہ صاحبؒ نے حضرت مولانا قطب الدین کے حکم سے

لکھا۔ اس عہد میں غیر مقلدین ابھی یہ طے نہ کرپائے تھے کہ اس نوزائیدہ فرقہ کا نام کیا رکھیں کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب کے شاگرد اور ان کے طریقے کے پیرو مولانا شاہجہانپوری اقرار کرتے ہیں کہ ان سے پہلے یہ فرقہ کسی معین نام سے موجود نہ تھا آپ لکھتے ہیں:۔

> پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے اپنے آپ کو تو وہ اہلحدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے۔ (الارشاد الی سبیل الرشاد ص ۱۳)

ایک سوال

میاں نذیر حسین صاحب جب حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ (۱۲۶۲ھ) کے شاگرد تھے تو وہ شاہ محمد اسحٰقؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ محدثین دہلی کے طریقہ پر کیوں نہ چل سکے؟ انہیں اس نئے فرقہ کا شیخ الکل کیوں بنا دیا گیا؟ اور کنہوں نے بنایا؟

الجواب: انہوں نے شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ سے حدیث باقاعدہ نہ پڑھی تھی کہ ان اختلافی مسائل کو ان سے سمجھا ہوتا نیز حکومت بدل چکی تھی انگریز آچکے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ دہلی کہ مسند حدیث (مدرسہ رحیمیہ) پر اب کوئی شیخ پچھلے طریقے کا نہ رہے کوئی ایسا ہو جسے انگریز حکومت شمس العلماء کا خطاب دے سکیں اور ہندوستان کے مسلمان اسے اپنا مرکز بنا سکیں۔

مولانا فضل حسین بہاری نے میاں نذیر حسین صاحب کے حالات پر الحیاۃ بعد المماۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے آپ میاں صاحب کی حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ سے شاگردی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

> آپ نے میاں صاحب کو صرف اطراف صحاح کی سند دی تھی میاں صاحب نے استیعاباً نہ آپ سے صحاح ستہ پڑھیں نہ ان کی سند لی میاں صاحب خود اس سند کو چپڑ اس کہتے تھے۔ (الحیاۃ ص ۶۸)

تحریک ترک تقلید کے دوسرے امام نواب صدیق حسن خاں تھے جو ۱۲۵۰ھ میں

پیدا ہوئے اور ۱۳۰۷ھ میں آپ نے وفات پائی۔ آپ نے ملکہ بھوپال شاجہاں بیگم سے شادی کی اور اسی راہ سے نواب بنے انگریزی دور میں کیا آپ کسی نواب سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنے اسلاف سے وابستہ رہنے دے گا۔

انگریز مسلمانوں میں فکری آزادی پیدا کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے اس نوزائیدہ فرقے کو یہ حوصلہ دیا کہ انہیں مغل بادشاہوں نے یونہی فقہ حنفی میں جکڑ رکھا ہے آیئے فتاوی عالمگیری کے خلاف اٹھ کر عوام میں مذہبی آزادی کی لہر دوڑا دیں۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب بھولے آدمی تھے ان کی باتوں میں آگئے اور یہ لکھ دیا:۔

> جو امن و آسائش و آزادی اس حکومت انگریزی میں تمام خلق کو نصیب ہوئی کسی حکومت میں بھی نہ تھی اور وجہ اس کی سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھی گئی کہ گورنمنٹ نے آزادی کامل ہر مذہب کو دی ہے۔

(ترجمان وہابیہ ص ۱۶)

مسلمانوں کو جو مذہبی آزادی ملی اس کے نتیجے میں سرسید احمد خاں اور مولوی چراغ علی جیسے لوگوں نے نیچری عقائد کی بنیاد رکھی۔ مرزا غلام احمد نے جہاد کو حرام ٹھہرانے کی ذمہ داری لی۔ مولانا فضل رسول بدایونی نے محدثین دہلی کے خلاف مہم تیار کی اور شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب اور نواب صدیق حسن خاں صاحب نے ترک تقلید کی تحریک شروع کی اور آج ایک اچھا خاصا فرقہ اہلحدیث یا غیر مقلدین کے نام سے ہر قصبہ اور ہر شہر میں آ موجود ہوا ہے۔ گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل صاحب نے اس تحریک ترک تقلید کا نام تحریک آزادی فکر رکھا ہے اور اس نام سے ایک کتاب ترتیب دی ہے۔

ایک سوال

ہمارے ایک صاحب علم دوست نے سوال کیا کہ میاں صاحب اور نواب صاحب کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک ترک تقلید کے داعی ہونے کے باوجود یہ حضرات طبعاً نیک تھے ائمہ مجتہدین کے گستاخ نہ تھے نہ فقہ حنفی سے استہزاء کرتے تھے یہ ان سازشوں میں کیسے گھر گئے کہ ایک نئے فرقہ کی بنیاد رکھ دی؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی اور ہاتھ تھا یہ ان لوگوں کا ہاتھ تھا جو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے

احقر نے اس کا جو جواب دیا اس کی ایک یہ نقل مجھے اپنے کاغذات میں مل گئی ہے۔

الجواب: آپ کا یہ گمان صحیح ہے تحریک ترک تقلید کے پیچھے واقعی دو ہندو تھے جو مسلمان بن کر مسلمانوں کی صفوں میں آگھسے تھے ان کا کام مسلمانوں کو اپنے اسلاف کے خلاف بھڑکانا اور ان کے خرمن امن واتحاد میں آگ لگانا تھا۔ ایک بنارس کا رہنے والا تھا اور دوسرا علی پور چٹھہ کا رہنے والا تھا۔ ایک نے اپنا نام عبدالحق (بناری) اور دوسرے نے ابوالحسن محی الدین رکھا ہوا تھا۔ یہ خود ائمہ اسلام کے خلاف بھڑکے اور بڑے بڑے لوگوں کو بلطائف الحیل اپنے بزرگوں سے علیحدہ کر کے رکھ دیا یہ عبدالحق بناری اور ابوالحسن محی الدین تھے محی الدین نے الظفر المبین لکھی اور اسلاف اسلام کے خلاف خوب آگ بھڑکائی اس کا اصل نام ہری چند تھا اس کا باپ دیوان چند قوم کھتری علی پور ضلع گوجرانوالہ کا رہنے والا تھا ضلع گوجرانوالہ میں تحریک ترک تقلید اس ہندو نے شروع کی تھی جسے اب گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل صاحب پروان چڑھا رہے ہیں۔ یہ کون ہیں جمیعت الحدیث کے ناظم اعلیٰ۔

افسوس ان عوام پر ہے جو اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ان تحریکوں کے پیچھے کن کن خفیہ ہاتھوں نے کام کیا ہے والی اللہ المشتکی

ہری چند کی کتاب الظفر المبین کا جواب مولانا منصور علی بن مولانا محمد حسن مراد آبادی نے فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین کے نام سے لکھا ہے۔ فتح المبین واقعی ایک لاجواب کتاب ہے ہمیں اس سے انکار نہیں کہ شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحبؒ اور جناب نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ ہری چند اور دیوان چند کے مزاج وکردار کے نہ تھے تحریک ترک تقلید ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھی اور میاں صاحب یا نواب صاحب حضرات مقلدین کو فرقہ ناجیہ سے باہر نہ کرتے تھے جو بہتر فرقوں کے مقابلے میں حق پر مانا جاتا ہے وہ مقلدین کو اس میں شامل سمجھتے تھے نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ایک منت خدا کی مجھ پر یہ ہے کہ میں فقط جماعت اہلسنت کو فرقہ ناجیہ جانتا ہوں حنفی ہوں یا شافعی مالکی ہوں یا حنبلی یا ظاہری یا اہلحدیث یا اہل سلوک کسی کے حق میں ان میں سے گمان بد نہیں رکھتا

ائمہ سلف پر طعن مخالفت سنت کا کرنا انصاف کا خون بہانا ہے۔

(ابقاء المنن بالقاء المحن)

ان دو حضرات کے ساتھ تیسرے بزرگ مولانا محمد عبداللہ غزنوی ہیں جو غزنی سے آ کر یہاں نذیر حسین صاحب کے حلقے میں شامل ہوئے۔ سر سید احمد خاں نے میاں نذیر حسین صاحب کو رفع یدین عندالرکوع پر لگایا ورنہ آپ اس سے پہلے رکوع جاتے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے۔ مولانا عبداللہ غزنوی اہل سلوک میں سے تھے اور نقشبندی سلسلے میں بیعت لیتے تھے مگر اس کا نام تقلید نہ رکھتے تھے جیسا کہ مولانا اسماعیل صاحب نے اسے تقلید کا نام دیا ہے۔

ان حضرات کے بعد مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی اور مولانا محمد حسین بٹالوی اور حضرت مولانا حافظ محمد لکھوی کا دور آتا ہے ان میں زیادہ فعال مولانا محمد حسین بٹالوی رہے آپ مرزا غلام احمد قادیانی کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ مرزا غلام احمد کی آزاد روی پر انہیں تنبہ ہوا کہ ترک تقلید اس درجہ میں خطرناک ہے کہ کبھی ایمان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے اس سلسلہ میں آپ نے ایک بہت اہم بیان دیا:۔

> پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر میں اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ (اشاعۃ السنہ جلد ا، نمبر ۴، ۱۸۸۸ء)

ان سے اگلی صف میں حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا محمد اسماعیل غزنوی، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا عبدالقادر قصوری، قاضی عبدالاحد خانپوری، مولانا عبدالوہاب ملتانی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اور حافظ عبداللہ روپڑی تحریک ترک تقلید کے علمبردار رہے۔

ان حضرات کے بعد اب اس جماعت کی قیادت پاکستان میں مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ کے ہاتھ میں ہے ان کے اس دور کے علماء میں مولوی عبدالشکور، عبدالقادر حصاری، مولوی ابوسعید شرف الدین دہلوی، مولوی عبدالشکور ناظم دارالعلوم اہلحدیث شکراوہ، مولوی محمد عبدالجبار رئیس اہلحدیث راجپوتانہ، مولوی عبدالستار دہلوی (کراچی)، مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، مولوی محمد یونس دہلوی جانشین مسند میاں نذیر حسین صاحب دہلوی

اور مولانا عطاء اللہ حنیف ان کی قیادت کر رہے ہیں۔

ان حضرات کا تقلید کے بارے میں وہ نظریہ نہیں جو اس فرقے کے بانیوں میاں نذیر حسین صاحب، نواب صدیق خاں صاحب اور حضرت مولانا عبداللہ غزنوی کا تھا۔ جناب نواب صاحب کا نظریہ اور مولانا محمد حسین بٹالوی کا نظریہ آپ اوپر دیکھ آئے ہیں اب ان متاخرین کا نظریہ تقلید بھی ملاحظہ فرمائیں یہاں سے تاریخ انکار تقلید شروع ہوتی ہے۔

تاریخ انکار تقلید

یہ کسی نظریہ کی تردید نہیں طلبہ کو تاریخ ترک تقلید کا مطالعہ کرانے کے لیے یہ ان واقعات کا تذکرہ ہے جو ان متاخر غیر مقلدین سے سرزرد ہو رہے ہیں۔ ضروری ہے کہ اب ہم ان غیر مقلد علماء کے فتوے مقلدین کے بارے میں ہدیہ ناظرین کریں۔

۱۔ حق مذہب اہلحدیث ہے باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں مقلدین حنفیہ کے ہر دو فرقے دیوبندی اور بریلوی بلاشبہ گمراہ ہیں سچا فرقہ اور ناجیہ اہلحدیث ہیں باقی سب فی النار والسقر ہیں۔

(سیاحۃ الجنان بمناکحہ اہل الایمان ص۴، ص۵، ص۷)

۲۔ افسوس فرقہ مقلدین احناف پر کہ وہ بوجہ تقلید شخصی کے جو ایک بدعت نو ایجاد ہے...... چوٹی کی کتب فقہ حنفیہ ہرگز ہرگز قابل اعتبار نہیں ...... دیوبندی جماعت کی مثال ایک ہاتھی کی سی ہے جس کے دکھانے کے دانت اور کھانے کے اور ہیں۔ (تقریظ بر نتائج التقلید مولوی محمد اشرف صاحب ومولوی عبدالجبار صاحب از راجپوتانہ)

۳۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ کی اس پر تقریظ ملاحظہ ہو:۔

ان حضرات پر قطعاً اعتماد نہیں کرنا چاہیے اس پہلو کو نتائج التقلید میں ذرا وضاحت سے کہنا چاہیئے تاکہ باہمی اعتماد ختم ہو جائے آپس میں اختلاط سوچ سمجھ کر ہو۔

۴۔ کراچی کے غرباء اہلحدیث کے مولوی عبدالستار صاحب اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں:۔

ماشاء اللہ آپ نے اس میں تقلید شخصی کی بہت اچھی بیخ کنی کی ہے اور تقلید کے زہریلے اور بد نتائج سے موحدین کو آگاہ کیا ہے علاوہ ازیں

مقلدین احناف کی تقلید کے ڈھول کا پول تارپیڈو سے پاش پاش کردیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اس دور کے اہلحدیث مقلدین حضرات سے وہ نسبت رکھتے ہیں جو تارپیڈو کی کسی بہتے جہاز سے ہوتی ہے ڈھول کو تارپیڈو سے پاش پاش کرنا یہ تو بآسانی سمجھ میں آتا ہے لیکن پول کو پاش پاش کرنا اور وہ بھی تارپیڈو سے کتنا اونچا کام ہے جو یہ حضرات کرر ہے ہیں۔

تقلید کی اس شدت سے مخالفت امت کے بارہ سو سالہ اجماعی موقف سے تبرا ہے اور یہ کوئی چھوٹا جرم نہیں اور حنفی طریق نماز کی مخالفت صحابہ کرامؓ کے اس جم غفیر کی مخالفت ہے جن سے حنفیہ کرام نے اپنے طریق نماز کے صریح خدوخال چنے ہیں یہ پوری امت کا تخطئہ ہے اور قرآن کریم کی آیت کنتم خیر امة اخرجت للناس کی صریح مخالفت ہے سو یہ بات صحیح ہے کہ اس دور کے غیر مقلدین اب اس فرقہ ناجیہ کے افراد نہیں رہے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا علیه واصحابی کے الفاظ سے خبر دی تھی۔

یہ تہتروان فرقہ کہاں سے آگیا؟

بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے تھے جتنی انواع واقسام کی برائیاں ان میں ابھری تھیں یہ غیر مقلدین ان پر بھی سبقت لے گئے ہیں۔ حضور نے فرمایا میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی یہ تہتر واں فرقہ کون سا ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو فقہ کے خلاف ہوں گے اور فقہاء سے بغض رکھیں گے۔ ایسا بے راہ رو فرقہ پہلی امتوں میں بھی نہیں ہوا نہ ان کے ہاں فقہ واجتہاد تھا اور نہ فقہاء ومجتہدین کی مخالفت کبھی سامنے آئی تھی یہ تحفہ اسی امت کی برات ہے۔

آنحضرت نے فرمایا بنو اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے اور میری امت تہتر میں بٹے گی اس پر سپین کے ممتاز عالم دین علامہ قرطبیؒ (۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:۔

هذه الفرقة التى زادت فى فرق محمد صلى الله عليه وسلم هم قوم يعادون العلماء ويبغضون الفقهاء ولم يكن ذلك قط فى الامم السالفة. (الجامع لاحکام القرآن جلد ۷، ص ۱۴۱)

ترجمہ: یہ تہتروان فرقہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے فرقوں میں زیادہ ہوگا یہ وہ ہیں جو علمائے راسخین سے دشمنی کریں گے اور فقہ

والوں سے بغض رکھیں گے ایسے لوگ پہلی امتوں میں بھی نہیں ہوئے۔

علامہ قرطبیؒ نے یہ پیشگوئی دین کی معرفت رکھنے والے علماء کے سامنے ساتویں صدی میں پیش کی ہے اس وقت غیر مقلدین نام سے دنیا میں کوئی مذہبی گروہ موجود نہ تھا علمائے حق کی یہ پیشگوئی تیرہویں صدی کے آخر میں ظہور میں آئی اور چودہویں صدی میں اس نے اپنا مصداق پایا۔ یہ تہتر واں فرقہ غیر مقلدین کا ہے جو نہ مجتہد ہیں نہ مقلد مگر علماء کی بات نہ ماننے اور فقہ سے بغض رکھنے کا گہرا داغ ان کے سر پر کھلا موجود ہے۔ پہلی امتوں میں نہ اجتہاد تھا اور نہ اس کی پیروی کی تعلیم سوفقہ کے انکار کا گناہ انہیں نہ چھوا تھا احکام تورات ان کے ہاں پہلے ہی مفصل تھے۔

علامہ قرطبیؒ تورات کے بیان تفصیلا لکل شئی پر لکھتے ہیں:۔

اي لكل شئي امروابه من الاحكام فانه لم يكن عندهم اجتهاد وانما خص بذلک امة صلى الله عليه وسلم.

(ایضاً ص ۳۸۱)

ترجمہ: ہر چیز جس میں وہ احکام کے مکلف کیے گئے اس کی انہیں پوری تفصیل دی گئی کیونکہ ان کے ہاں اجتہاد کی مشروعیت نہ تھی اجتہاد کی اہلیت حضورؐ کی امت کا خاصہ ہے سو یہ خصوصیت اسی امت کو دی گئی ہے۔

ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ مسلمانوں میں یہ تہتر واں فرقہ کس دور میں پیدا ہوا ہے نہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ غیر مقلدین بطور ایک دینی گروہ کے انگریزی دور سے پہلے کہیں نہ سنے گئے تھے نہ دیکھے گئے تھے یہاں ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کیا یہ گروہ غیر مقلدین اس فرقہ ناجیہ میں سے ہے؟ جس کی حضورؐ نے **كلهم في النار الاواحده** کر خبر دی تھی؟ یہ بات ہم سب کے سوچنے کی ہے؟

هذا ماعندى وعند الناس ماعندهم والله على مااقول شهيد

یہ تاریخ ترک تقلید کا ایک مختصر خاکہ ہم نے ہدیہ قارئین کردیا ہے ہمارے اہل حدیث دوست اس عنوان سے بچ کر اپنا تعارف تاریخ اہل حدیث کے نام سے پیش کرتے ہیں مگر یہ لفظ ابتداء میں اہل علم اور محدثین کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے اس کا غیر مقلدین

کے لیے اطلاق یہ اصطلاح بہت بعد کی ہے۔ ہم نے اشتباہ سے بچنے کے لیے اسے تاریخی ترک تقلید کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ یہ ایک نئی اصطلاح ہے انہیں اہلحدیث باصطلاح جدید کہیں تو یہ بات زیادہ واضح رہے گی۔

بارہویں صدی میں محققین کا تقلید پر زور

ترک تقلید ایک تحریک کی صورت میں تیرہویں صدی کی پیداوار ہے اس سے پہلے تقلید کی مخالفت میں داؤد ظاہری اور ابن حزم وغیرہ کے ہی نام سامنے آتے ہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنی کوئی جماعت بندی نہ کی تھی۔

حکمت الٰہی ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ جو فتنے آئندہ پھیلنے والے ہوں اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں اپنے بندوں کے دلوں میں پہلے سے ہی ایک جذبہ دفاع پیدا فرما دیتے ہیں۔ یہی حال ہم بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) کی تحریرات میں دیکھتے ہیں۔ آپ نے آنے والے حالات پر ایک فکری نظر کی اور اس اعتماد علی السلف کو آگے جاری رکھنے کے لیے اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر بڑی بصیرت افروز بحث کی ہے اور تقلید کی ضرورت کو خوب نکھارا ہے آپ نے اس موضوع پر یہ کتابیں لکھیں اور فیوض الحرمین میں اس سلسلے میں اپنے کچھ مکاشفات کو بھی ذکر کیا ہے:۔

۱۔عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید

۲۔الانصاف فی بیان سبب الاختلاف

تقریبا ایک صدی بعد یمن میں قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) صاحب نیل الاوطار اٹھے اور انہوں نے القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید لکھی آپ اصلا زیدی فرقے کے تھے اور اثناء عشریوں کے اس مسئلے سے خاصے متاثر تھے کہ فوت شدہ مجتہد پر قائم رہنا درست نہیں آپ کا یہ جذبہ آپ کو مطلق تقلید کے انکار پر لے آیا۔

اس سے پہلے علامہ ابراہیم بن الوزیر بھی اسی نظریہ کے تھے آپ نے کتاب القواعد میں تقلید اموات کو حرام قرار دیا ہے علمائے حنابلہ پر اللہ تعالیٰ رحمتیں برسائے انہوں نے کھل کر اس نظریے کی تردید کی علامہ سعید بن حجی الحنبلی (۱۲۲۹ھ) نے اس کے جواب میں ایک نہایت مقتدر رسالہ لکھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کو بھی جزائے خیر دے انہوں نے اس پر استقامت دکھائی اور ائمہ اربعہ کی تقلید کو عامۃ الناس کے لیے

واجب فرمایا۔ آپ خود حنبلی المذہب تھے سعودی مشائخ زیادہ تر اسی مسلک کے ہیں پاک وہند کے اہلحدیث (باصطلاح جدید) فرقے سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ مولانا محمد اسماعیل غزنوی نے مسئلہ تقلید پر کھل کر آل سعود کی مخالفت کی ہے۔ خانہ کعبہ میں اور حرم مدینہ میں تراویح کی نماز اب تک بیس رکعت ہی پڑھی جارہی ہے اور تاریخ اسلام کے چودہ سوسالہ دور میں کوئی ایسا سال نہیں گزرا جس میں حرمین شریفین میں پورا رمضان کبھی آٹھ رکعات تراویح جماعت سے پڑھی گئی ہوں۔

ہندوستان میں ترک تقلید کا آغاز

برصغیر پاک وہند میں ترک تقلید کا آغاز حضرت میاں نذیر حسین دہلویؒ (۱۳۲۰ھ) سے ہوا۔ آپ اس فرقہ کے شیخ الکل کہلاتے ہیں کل سے مراد یہاں کل غیر مقلدین ہیں ان سے پہلے اگر کوئی غیر مقلد (جو نہ مجتہد ہو نہ مقلد) ہوا ہوتا تو آپ اس کے شیخ کیسے ہوسکتے تھے یہ اس فرقے کا آغاز ہے۔

اس سے پہلے ہندوستان میں کوئی فرقہ یا فقہی مسلک اہلحدیث کے نام سے موجود نہ تھا البتہ بیرون ہند نیشاپور، سمرقند اور سرخس میں شافعی حضرات کو اہلحدیث کہا جاتا رہا ہے کیونکہ یہ بمقابلہ احناف ظاہر حدیث پر چلتے تھے ہندوستان میں ترک تقلید کے عنوان سے یہ واقعی ایک نئے فرقے کی پیدائش تھی پہلے یہ صرف ترک تقلید کی ایک آواز تھی مگر دیکھتے دیکھتے یہ انکار تقلید کا ایک نعرہ بن گیا مشہور مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین ڈائریکٹر سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ اس نئے فرقے کی نشاندہی میں لکھتے ہیں:۔

یہ ایک افسوسناک بات ہے کہ ملت اسلامیہ میں جو تفرقے پہلے ہی سے تعداد کثیر ہوئے تھے ان میں ایک فرقے کا اضافہ اور ہوگیا۔ (علماء میدان سیاست میں ص۳۱۲)

ابھی اس نوزائیدہ فرقے کو اہلحدیث کا نام نہ دیا گیا تھا نہ ابھی انگریزوں نے ان کے لیے یہ نام پاس کیا تھا اس ابتدائی دور میں لوگ ان کو لامذہب کہہ کر پکارتے تھے۔ مولانا اسماعیل شہیدؒ کے ایک ساتھی مولانا کرامت اللہ جونپوری ایک جگہ ان غیر مقلدوں کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

لامذہب لوگ (غیر مقلدین) جو مولانا اسماعیل علیہ الرحمۃ کی اطاعت کا دعوی کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں کیونکہ مولانا کے قول وفعل سے وہ

بات جو یہ جاہل لوگ کہتے ہیں اور کرتے ہیں ہرگز ثابت نہیں ہوتی ہے پھر ان لوگوں کا دعوی مولانا کی اطاعت کا ایسا ہی ہے جیسا دعوی رافضیوں کا حضرات اہل بیت اور ائمہ اثنا عشر کی اطاعت کا ہے۔ اور یہ جو بعضے ضدی جاہل لوگ کہتے ہیں کہ مولانا محمد اسماعیل قدس سرہ نے چاروں مذہبوں کے سوا ایک پانچواں مذہب نکالا ہے سو یہ بات ان جاہلوں کی محض غلط اور نرا بہتان ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ پکے سنی اور سچے حنفی تھے اور کبھی کسی سے تقلید مذہب کی نہیں چھڑائی اس لیے حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کے ساتھ جو ہزارہا آدمی جہاد کو گئے تھے کوئی بھی تقلید چھوڑ کر لامذہب نہ بنا باوجودیکہ رات دن ہمیشہ مولانا کی صحبت میں رہا کرتے تھے اور ان کے وعظ سنتے تھے اور یہ لامذہبوں کا فرقہ جو نیا نکلا ہے سو مولانا کی شہادت کے بعد نکلا ہے مولانا کے حین حیات ان لوگوں کا نشان بھی نہ تھا۔ (مقامع مبتدعین ص ۲۳۰ ذخیرہ کرامت حصہ دوم)

ہندوستان میں وہابی کا لفظ کیسے آیا

وہابی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پیروؤں کو کہتے ہیں یہ لوگ مقلد ہیں اور اہل السنۃ والجماعۃ۔ آپ حضرت امام احمد بن حنبل کی فقہ کے پیرو تھے۔ وسط عرب میں یہ مجاہد کے طور پر معروف تھے اور نجد اور حجاز کی سرحدوں پر ان کی شریف مکہ سے جھڑپیں ہوتی تھیں۔ انگریزوں کے شریف مکہ سے گہرے تعلقات تھے اور اس کے مشورے پر انگریز بھی وہابیوں کے سخت خلاف تھے اور انہیں دہشت گرد سمجھتے تھے ادھر ہندوستان میں مجاہدین بالاکوٹ میں جمع ہو رہے تھے اور انگریزوں کو ان سے سخت خطرہ تھا۔ انگریز کہتے تھے کہ اگر یہ لوگ بالاکوٹ میں جیت گئے تو پھر یہ ان سے آزادی ہند کی جنگ لڑیں گے اس وجہ سے انگریز ہر قیمت پر مجاہدین بالاکوٹ کو شکست دینا چاہتے تھے سو جنگی محاذ آرائی کی اس مناسبت سے ان مجاہدین پر وہابی کا لفظ اتار دیا گیا۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح مجاہدین بالاکوٹ پکے موحد تھے شرک کی کوئی آلائش ان کے ہاں نہ پائی جاتی تھی ان کے بعد یہ نیا پیدا ہونے والا فرقہ غیر مقلدین بھی

شرک سے پوری طرح بچنے والا رہا اس مناسبت سے انگریزی عملداری میں یہ لفظ وہابی اب غیر مقلدین پر بھی اتار دیا گیا جب بالاکوٹ کی مہم ناکام ہوئی اور قائدین جام شہادت نوش کر گئے تو اب یہ لفظ ہندوستان میں غیر مقلدین کے لئے خاص ہو گیا اور حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے پیروؤں نے مجاہدین کے نام سے اپنا کیمپ لگائے رکھا یہ کیمپ قیام پاکستان تک لگا رہا اس وقت ان کے سربراہ مولانا فضل الٰہی تھے وہابی کا لفظ ان دنوں غیر مقلدین کے لیے خاص ہو کر رہ گیا تھا مولانا کرامت علی جونپوری (۱۲۶۹ھ) جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلفاء میں سے تھے ان لوگوں کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

حق یہ ہے کہ وہابی لوگوں کا مذہب قدیم میں نہ تھا اور نہ ان کے مذہب کی کوئی کتاب نظر پڑی جو ان کے مذہب کا حال معلوم ہوتا مگر افواہاً لوگوں کی زبانی جو ان کا حال سنا تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ شرک سے خوب پاک ہیں مگر اس قدر ضدی ہیں کہ اپنے گروہ کے سوا دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہی نہیں سب کو مشرک کہتے ہیں اور سب کی طرف سے بدگمان ہیں۔

(مکاشفات رحمت ص ۱۷)

اس عصری شہادت سے پتہ چلا کہ وہابی کا لفظ اب انہی لوگوں کے لیے خاص ہو کر رہ گیا تھا اور یہ جو اپنے آپ کو مولانا اسماعیل شہید کا پیرو کہتے تھے یہ واقع کے مطابق نہیں مولانا محمد اسمٰعیل شہید تو حضرت شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے اور شاگرد تھے اور مانسہرہ کے مجاہدین کے کیمپ نے ان غیر مقلدین سے کھلے طور پر لاتعلقی کا اظہار کر دیا تھا۔

ہندوستان کے غیر مقلدین کی پریشان حالی

ہندوستان کے غیر مقلدین اپنے اوپر اس لفظ (وہابی) کا آنا پسند نہ کرتے تھے اور وہ کسی طرح شیخ محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب ہونے کو تیار نہ تھے وہ برسر عام کہتے تھے کہ شیخ مقلد تھے اور ہم غیر مقلد ہم ان کے پیرو کیسے ہو سکتے ہیں؟ ان کی پوری کوشش تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے اس ٹائٹل کو ان سے اتارا جائے وہ سمجھتے تھے کہ انہیں وہابی کہہ کر بدنام کیا جا رہا ہے گویا ہم بھی انگریزوں کے خلاف لڑنے والوں میں سے ہیں انگریزوں کی مخالفت انہیں کسی طرح گوارا نہ تھی۔

اس صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے مولانا محمد حسین بٹالوی نے جہاد کے خلاف ایک رسالہ لکھا اور حکومت برطانیہ کو یقین دلایا کہ ہم لوگ آپ کے خلاف نہیں ہیں۔

مولانا بٹالوی نے حکومت سے درخواست کی کہ لفظ وہابی ہم سے ہٹایا جائے اور ہمارے لیے اہلحدیث کا نام منظور کیا جائے ڈاکٹر اشتیاق حسین لکھتے ہیں:۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے فرقے کی طرف سے برطانوی حکومت کو یہ درخواست پیش کی کہ وہ وہابی کے لفظ کو اہل حدیث سے بدل دے جواب اس فرقے کا مسلمہ نام ہے۔ ۱۸۸۱ء میں حکومت نے یہ درخواست منظور کرلی اس حقیقت کا اظہار قرین انصاف ہے کہ اس فرقے نے کبھی اپنے آپ کو وہابی نہیں کہا تھا ابتداء میں ان کا دعوی یہ تھا کہ وہ حنفی ہیں اور ان کا اختلاف حنفیوں سے صرف ان معاملات میں ہوتا ہے جس میں حدیث کی کوئی راست سندان کے خیال کے مطابق کسی حنفی فتوے یا معمول سے متصادم ہوتی ہو۔

(علماء میدان سیاست میں ص ۲۱۰)

اس سے پتہ چلا کہ ہندوستان میں ۱۸۸۸ء سے پہلے لفظ وہابی صرف غیر مقلدین پر بولا جاتا تھا یہ بھی پتہ چلا کہ انہیں اہلحدیث ہونے کا ٹائٹل سرکار انگلشیہ نے دیا تھا اور یہ بھی پتہ چلا کہ یہ نوزائیدہ فرقہ پہلے حنفی فقہ سے اس قدر متنفر نہ تھا جتنا اب ہے۔

اس تفصیل سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اب تحریک ترک تقلید کہیں نہیں رہی اب غیر مقلدین تحریک انکار تقلید کے موڑ پر ہیں اور معلوم نہیں آئندہ یہ کس فرقے کی شکل میں اٹھیں گے اور آزادی فکر انہیں کہاں سے کہاں تک لے جائے گی۔

جب تک یہ لوگ تحریک ترک تقلید کے حامی رہے اہل السنۃ والجماعۃ نے انہیں اپنے سے کوئی زیادہ فاصلے پر محسوس نہیں کیا بعض مسائل میں ترک تقلید کسی علمی تحقیق کے باعث بھی ہوسکتی ہے لیکن یہ انکار تقلید پوری امت کے ایک اجماعی موقف کے خلاف ایک کھلا اعلان بغاوت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ پوری امت کسی غلط بات پر جمع نہیں ہوسکتی فروعی اختلافات پر علیحدہ جماعت بندی اسلام کے پہلے تین ادوار میں کہیں نہیں دیکھی گئی لیکن اب ان لوگوں نے اپنے چند فروعی امتیازات پر علیحدہ جماعت بندی کررکھی ہے یہاں تک کہ اپنی مسجدیں بھی علیحدہ بنا رکھی ہیں۔

علماء حق اس بدعت کے خلاف اٹھے اور انہیں اس فکری بغاوت کے خطرناک

نتائج سے ڈرایا اور علمی سطح پر اس موضوع پر علمی مواد پیش کیا اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ پر تحقیقی کتابیں لکھیں مناظروں میں انہیں پے در پے شکستیں ہوئیں جنہوں نے بقول مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ جماعت اہلحدیث کو بہت قلاش کر دیا۔

اللہ رب العزت ان تمام علماء کو جزائے خیر دے جنہوں نے مسلمانوں کو جوڑ کر رکھنے کے لیے تقلید کے موضوع پر محنت کی اور جو لوگ تقلید آباء نسبی اور تقلید آباء علمی کے مابین فرق کو نظر انداز کر کے مطلق تقلید کے انکار کے در پے ہوئے ان کی خوب عملی اور فکری تردید کی یہاں تک کہ علامہ اقبال نے بھی کہا:۔

معنی تقلید ضبط ملت است ۔۔۔ راہ آباء رو کہ این جمعیت است

اکبر الہ آبادی نے بھی کہا تھا:۔

شرمندہ ہو جو دل سے گنہ گار اچھا ۔۔۔ آزاد سے دین کا گرفتار اچھا

حضرت امام اعظمؒ کے نام پر ہندوستان پاکستان میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں مولانا شبلی نعمانی کی کتاب سیرت النعمان کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کی کتاب امام اعظم اور ان کی دوسری کتاب امام اعظم اور ان کے ناقدین بہت بلند پایہ کتابیں ہیں۔ مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری کی کتاب امام اعظم ابوحنیفہ اور شیخ الحدیث مولانا سرفراز خاں صفدر کی کتاب مقام ابی حنیفہ اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی اور مولانا محمد علی کاندھلوی کی ضخیم کتاب امام اعظم اور علم حدیث اور مصر کے شیخ ابوزہرہ کی کتاب حیات امام ابوحنیفہ اس دور میں حضرت امام ابوحنیفہ پر لکھی گئی قابل قدر کتابیں ہیں۔

پھر یہ علمی مساعی صرف حضرت امام کے گرد نہیں اس مسئلہ پر کہ کسی عالم کی پیروی اس اعتماد سے کرنا کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق کہہ رہا ہے اور اس سے مطالبہ دلیل نہ کرنا قرآن وسنت میں کہیں گناہ نہیں بتلایا گیا اس پر بھی بہت کتابیں لکھی گئیں یہاں تک کہ علماء اہل سنت نے اس موضوع پر جماعت اہل حدیث پر حجت تمام کر دی ہے۔

اب ان کی بڑی بڑی مساجد کی تعمیر صرف ان عربوں کی مالی امداد پر ہے جو علمی گہرائی نہیں رکھتے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس علمی جھوٹ سے یہ لوگ اپنے لیے کوئی امتیازی مقام نہیں بنا سکے۔

مسئلہ تقلید پر علماء کے علمی معرکے

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امام بعد!

تاریخ ترک تقلید آپ کے سامنے آچکی ہے مسلمان اپنے علمی تقاضوں میں کن کن حالات سے دوچار ہوئے ہیں اب یہ آپ سے مخفی نہیں رہا۔ تاہم یہ بات ضروری ہے کہ تقلید کوئی ایسا سطحی موضوع نہیں جسے عام ان پڑھ لوگوں کے کہنے پر گناہ سمجھ لیا جائے۔ یہ صحیح ہے کہ پہلے ادوار میں بھی تقلید کی کچھ مخالفت رہی ہے لیکن اس مخالفت میں اور آج کل کے غیر مقلدین کی تحریک انکار تقلید میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ پہلے دور میں تقلید کی مخالفت علم کے مقابلے میں تھی کہ لوگ مقلد نہ بنیں عالم اور مجتہد بنیں یہ علم کی ایک ترغیب ہے لیکن آج تقلید کی مخالفت کا مطلب لوگوں کو غیر مقلد بنانا ہے۔ اور جو عام لوگ اہلحدیث کہلاتے ہیں وہ بھی مقلد ہیں مگر وہ اپنے علماء کے مقلد ہیں مجتہدین کے نہیں یہ شیعوں کا عقیدہ تھا کہ فوت شدہ کی تقلید جائز نہیں تقلید صرف عہد حاضر کے علماء کی چاہیے افسوس کہ اس مسئلے میں غیر مقلدین شیعوں کے ساتھ ہیں اور دونوں صرف زندہ علماء کی تقلید کے حق میں ہیں فوت شدہ کی تقلید کو یہ دونوں جائز نہیں سمجھتے۔

ہندوستان میں تقلید کے خلاف جو پہلے ہوا چلی اس کے حامی تقلید کو گناہ نہیں صرف خلاف اولیٰ سمجھتے تھے ابوالخیر سید نور الحسن بھوپالی نے اس پر جو کتاب لکھی اس کے نام پر غور کیجیے اس سے اس وقت کی پوری صورتحال آپ کے سامنے آجائے گی:۔

الطریقۃ المثلیٰ فی الارشاد الی ترک التقلید واتباع ماھو الاولیٰ

یہ کتاب جامعہ ازہر کے کتب خانہ میں نمبر ۱۸۵۵ کے تحت موجود ہے اس کے مطابق یہ اختلاف صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے اس نے علم حاصل کرنے کو اولیٰ ٹھہرایا

ہے تقلید کی مخالفت سب سے پہلے حافظ ابن حزم (۴۵۷ھ) نے کی اور اس پر کچھ رسالے بھی لکھے۔

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب الرد علی من اخلد الی الارض میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان پر انکار کیا ہے۔ ابن حزم ظاہری کا انکار تقلید سمجھ میں آتا ہے کیونکہ وہ اجتہاد ہی کے قائل نہ تھے جب ان کے ہاں مجتہد کا ہی تصور نہیں ظاہر ہے کہ مقلد کی بھی ان کے ہاں کوئی جگہ نہ ہوگی سو ابن حزم کے موقف کو غیر مقلدین اپنے لیے کوئی دلیل نہیں بنا سکتے۔

امام عمرو بن حارث انصاری (۱۴۸ھ) کتنے بڑے امام تھے ابن وہب کہتے ہیں میں نے ان سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا ہم مصر میں ان کی اور امام لیث کی اقتداء کرتے تھے اگر یہ زندہ رہتے تو ہمیں امام مالک سے استفادہ کی حاجت نہ رہتی۔ (تذکرہ)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امت میں ان دنوں تقلید ائمہ جاری تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام میں پہلے اشتغال فی العلم کا دور تھا پھر جب ہمتیں کمزور ہوتی گئیں علم میں وہ گہرائی اور سوچ نہ رہی یہاں تک کہ پوری امت پہلے مجتہدین کی تقلید پر جمع ہوگئی۔ اس میں شک نہیں کہ افضل درجہ علم ہی کا ہے تقلید کا نہیں گو اس دور میں یہ احوط ہے تاہم علماء اعلام کی کوشش رہی ہے کہ دور اول کی یاد پھر سے تازہ ہو لیکن یہ صرف ایک تمنا اور آرزو ہی رہی ہے اور پوری امت کا اجماع تقلید پر ہو گیا ہے اور آئندہ دین کی سلامتی کی راہ یہی سمجھی جاری رہی ہے۔

حضرت امام شافعی کے شاگرد امام مزنی نے بھی تقلید کے خلاف ایک رسالہ لکھا جس کا ذکر حافظ ابن عبدالبر کی کتاب العلم میں ملتا ہے ان کا موقف یہ نہ تھا کہ تقلید کوئی گناہ ہے بلکہ آپ علماء کو تقلید کی بجائے علمی تبحر اور مرتبہ اجتہاد پر لانا چاہتے تھے آپ کے شاگرد امام قاسم بن محمد اندلسی (۲۷۶ھ) نے بھی کتاب الایضاح فی الرد علی المقلدین لکھی مگر یہ بھی طلب علم کی ایک ترغیب تھی غیر مقلدین کا گروہ پیدا کرنا ان کا منشاء نہ تھا حافظ ذہبی ان کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

> علم فقہ انتہائی تحقیق اور محنت سے حاصل کیا اس میں اتنی بصیرت پیدا کی کہ تقلید کی بجائے اجتہاد اور اتباع دلیل کا مسلک اختیار کیا البتہ ان کا رجحان امام شافعی کے مذہب کی طرف تھا۔

حافظ شہاب الدین ابوالقاسم المعروف بابن ابی شامہ (۶۶۵ھ) نے اسی جذبہ

سے المؤمل للرد الی الامر الاول لکھی یہ نام بتلاتا ہے کہ الامر الثانی اس دور میں بھی تقلید ہی تھی اور اس پر پوری قوم جمع تھی۔ علامہ ابن دقیق العید (۷۰۲ھ) کی کتاب کتاب التسدید فی ذم التقلید بھی اسی پیرایہ میں ہے کہ علم کی راہ چھوڑ کر تقلید کی راہ اختیار کرنا اچھا موقف نہیں یہاں تقلید کی مخالفت علم کی حمایت میں ہے غیر مقلدین بنانے کے لیے نہیں۔ حافظ ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) خود مالکی ہیں حافظ ابن قیم (ھ) خود حنبلی ہیں مگر دونوں نے تقلید کے مقابل راہ علم کی ترغیب دی ہے غیر مقلدین کے نام سے انہوں نے کوئی گروہ نہیں بنایا تھا۔

تقلید کی مخالفت کر کے لوگوں کو غیر مقلد بنانا یہ ان حضرات کا موقف نہ تھا نہ ان دنوں غیر مقلدین کے نام سے کوئی گروہ یا جماعت دنیا میں پہنچانی جاتی ہیں۔ اس دور میں مجتہدین اور اونچے درجے کے علماء کے سوا کوئی مسلمان ترک تقلید کی جرأت نہ کرتا تھا۔

اب ہم ان چند تالیفات کا ذکر کرتے ہیں جو تقلید کے جواز پر لکھی گئیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ تقلید کا لفظ ہمیشہ اجتہاد کے مقابل استعمال ہوا ہے ترک تقلید کے مقابل نہیں اور بلا علم ترک تقلید کی پوری امت میں کہیں حمایت نہیں کی گئی اور نہ اس پر کوئی جماعت بندی کی گئی۔

۱۔ الاقلید لادلة الاجتهاد و التقليد لابی النصر الطاہر علی حسن خاں مکتبہ ازہر میں اس کی فوٹو کاپی موجود ہے۔

۲۔ القول السديد فی الاجتها دو التقليد للشیخ محمد عبدالعظیم المکی الحنفی مکتبہ ازہر میں یہ بھی نمبر ۱۹۲۶ کے تحت موجود ہے۔

۳۔ جواب الشيخ سعيد بن حجی الحنبلی عن التقليد والا نتقال من مذهب لاخر ابھی حال میں ہی چھپی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے۔

۴۔ تحفة الرای السديد الاحمد لضياء التقليد و المجتهد للسید احمد بک مکتبہ ازہر میں یہ نمبر ۹۶۳ کے تحت موجود ہے۔

۵۔ ارشاد المجتهدين فی نصرة المجتهدين للعلامۃ السیوطی الشافعی

۶۔ قمع اهل الزيغ والالحاد عن الطعن فی تقليد ائمة الاجتهاد لمحمد الخضر بن عبدالله الشنقيطی ۔

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا چراغ ابھی گل نہ ہوا تھا کہ اللہ رب العزت نے اس سرزمین سے اس نابغہ روزگار ہستی کو پیدا کیا جس کی علمی سلطنت پوری دنیا میں پھیلی۔ تاریخ بارہویں صدی کے اس مجدد کو" شاہ ولی اللہ محدث دہلوی" کے نام سے یاد کرتی ہے آپ نے آنے والے حالات پر ایک فکری نظر کی اور اسلام کے کام کو آگے جاری رکھنے کے لیے اتباع سلف اور تقلید اعلم کے مسئلہ کو خوب نکھارا اور اس پر بہت مفید کتابیں لکھیں۔

ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی ایسا آسان مسئلہ نہیں جسے دو لفظوں میں اڑا دیا جائے جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین کرتے ہیں کہ ہمیں قرآن وحدیث کے بعد اور کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں ہے بس۔ اور سب اختلافات ختم ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ کتابیں خاص طور پر اس موضوع پر ہیں۔

۱۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید

۲۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف کلاہما للمحدث الدہلویؒ

یمن میں ایک عالم قاضی محمد بن علی شوکانی (۱۲۵۵ھ) صاحب نیل الاوطار اٹھے اور القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید کے نام سے اس موضوع پر قلم اٹھایا آپ اصلا شیعوں کے زیدی فرقہ میں سے تھے اور اثنا عشریوں کے اس مسئلہ سے خاصے متاثر تھے کہ فوت شدہ کی تقلید پر قائم رہنا درست نہیں سوان کے اس انکار کی جہت اور تھی۔

علامہ ابراہیم بن الوزیر بھی اسی نظریہ کے تھے آپ نے کتاب القواعد میں تقلید اموات کو حرام قرار دیا ہے علماء حنابلہ پر اللہ تعالیٰ رحمتیں فرمائے انہوں نے کھل کر اس فتنے کا مقابلہ کیا علامہ سعید بن حجی الحنبلی (۱۲۲۹ھ) نے اس پر ایک رسالہ لکھا جس کا ذکر ہم ۳ کے تحت کر آئے ہیں اللہ رب العزت شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کو بھی جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس پر بڑی استقامت دکھائی اور تقلید کو عامۃ الناس کے لیے واجب کہا آپ خود حنبلی المذہب تھے سعودی عرب میں مشائخ نجد اب تک حضرت امام احمد کے مسلک پر بیس رکعات تراویح پڑھتے ہیں اور خانہ کعبہ اور حرم مدینہ میں بھی اب تک بیس تراویح ہی پڑھی جارہی ہے۔

ہندوستان میں باقاعدگی سے جو عالم تقلید کے خلاف اٹھے وہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی کے اطراف کے شاگرد مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی تھے آپ اپنے بعد

آنے والے تمام غیر مقلد حضرات کے شیخ الکل سمجھے جاتے ہیں یہ عنوان خود بتاتا ہے ان سے پہلے یہاں تقلید ہی تقلید تھی باقاعدہ ترک تقلید کا آغاز حضرت شیخ الکل سے ہوا ہے اور کل سے مراد یہاں کل غیر مقلدین ہیں ان سے پہلے اگر کوئی غیر مقلد (جو نہ مجتہد ہو نہ مقلد) ہوا ہوتا تو مولانا نذیر حسین سب غیر مقلدین کے شیخ الکل کیسے ہوسکتے تھے؟ کسی صورت میں نہیں۔ حضرت شیخ الکل نے اس مسئلہ پرایک کتاب معیار الحق لکھی جس کا جواب حضرت مولانا نواب قطب الدین خان (صاحب مظاہر حق شرح المشکوۃ) کے حکم سے حضرت مولانا محمد شاہ صاحب نے مدار الحق کے نام سے لکھا یہ کتاب اپنے موضوع میں انوکھی اور لاجواب کتاب ہے اور پاکستان میں بار بار چھپ چکی ہے مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری نے بھی اس کا ایک عمدہ جواب انتصار الحق کے نام سے لکھا ہے۔ شیخ الکل کو بھی اس فکر کا بانی ہم صرف اس جہت سے کہتے ہیں کہ علماء میں پہلے آپ ہی ہیں جنہوں نے ہندوستان میں ترک تقلید کی تحریک چلائی ورنہ اس تحریک کے اصل بانی دو ہندو تھے۔ فقہ کے خلاف جو پہلی کتاب ہندوستان میں لکھی گئی وہ الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین ہے جو ہری چند بن دیوان چند قوم کھتری سکنہ علی پور چٹھہ ضلع گوجرانوالہ نے لکھی اور لاہور میں چھپی اس وقت سے تحریک ترک تقلید کا مرکز ضلع گوجرانوالہ چلا آرہا ہے ہری چند نے مسلمانوں میں اپنا نام محی الدین رکھا ہوا تھا مولانا منصور علی بن مولانا محمد حسن علی مراد آبادی نے فتح المبین فے کشف مکائد غیر المقلدین کے نام سے اس کا جواب لکھا جو بہت مفصل اور محققانہ ہے۔

مولانا منصور علی نے الظفر المبین کو ہری چند کی تصنیف بتایا ہے محی الدین کی نہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا منصور علی کی تحقیق کے مطابق وہ ہندو ہی تھا مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اس نے اپنا نام محی الدین رکھا ہوا تھا۔ اسی طرح عبدالحق بنارسی بھی اصلا ہندو تھا ان دونوں ہندوؤں نے مسلمانوں میں گھس کر سلف صالحین کی مخالفت کی ایسی چنگاری روشن کی ہے کہ یہ آگ اب تک بجھنے میں نہیں آئی اور اسکے دور رس اثرات مرزا غلام احمد قادیانی، حافظ اسلم جیراجپوری، غلام احمد پرویز کی اپنی اپنی تحریکات میں جلی طور پر نمایاں ہیں۔

تاہم یہ صحیح ہے کہ علماء میں سے پہلے مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی ہیں جو ان ہندوؤں کے پیچھے لگے لیکن مولانا نے رکوع کے وقت رفع الیدین ہری چند کے کہنے پر نہیں سرسید احمد خاں کے اکسانے پر شروع کیا تھا۔ سرسید کے انگریزوں کے ساتھ گہرے تعلقات

تھے اور بدیشی حکومت چاہتی تھی کہ دہلی کی درسگاہ حدیث شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی کے طریقے پر مقلدین کے پاس نہ رہے مسلمانوں میں اتفاق اس بدیشی حکومت کو پسند نہ تھا۔

یہ وہ حالات ہیں جن کے باعث تقلید مجتہدین علمی دنیا کا ایک اچھا خاصا معرکۃ الآراء موضوع بن گیا اور بڑے بڑے علماء نے اس پر لکھا اور حق یہ ہے کہ اب اس مسئلے میں کسی پہلو سے گرانباری نہیں رہی:۔

۱۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (۱۳۲۳ھ) نے کئی تحریرات میں " ، مسئلے کو واضح کیا ہے آپ کی تالیفات میں سبیل الرشاد خا' اسی موضوع پر ہے۔

۲۔ پھر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے دوسرے خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا انوار اللہ صاحب حیدر آبادیؒ (۱۳۲۷ھ) بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور حقیقۃ الفقہ دو جلدوں میں لکھی جلد اول ۲۰۴ صفحات اور جلد دوم ۲۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔ علامہ شبلی نعمانی کی کتاب سیرۃ النعمان گو اصالۃً حضرت امام اعظمؒ کی علمی حیثیت کا تذکرہ ہے اور فقہ حنفی کی عظیم تاریخ مگر ضمناً مسئلہ تقلید کے بہت سے مسائل بھی اس میں آگئے ہیں یہ کتاب ۱۸۹۳ء میں لکھی گئی اس کے ۲۵۸ صفحات ہیں۔

۴۔ مولانا غلام دستگیر قصوری نے مباحثہ فریدکوٹ میں تقلید اور اس کے متعلقہ مسائل پر جو محنت کی وہ مباحثہ فریدکوٹ کے نام سے شائع شدہ ہے۔

۵۔ پھر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ نے ایضاح الادلہ میں ان مسائل کی اصولی حیثیت کو نکھارا کہ اب تک غیر مقلدین سے اس کا جواب باصواب لکھا نہ جاسکا۔

۔ محدث نیموی صاحب آثار السنن نے اوشحۃ الجید فی مباحث التقلید لکھی۔

۷۔ پھر حضرت حاجی صاحبؒ کے نامور خلیفہ حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) نے الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد اور الکلام الفرید فی التزام التقلید لکھیں۔

۸۔ حضرت مولانا مرتضی حسن صاحب ناظم تعلیمات دیوبند کی کتاب تنقیح التنقید آپ کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو کسی وقت العدل (گوجرانوالہ) میں چھپتے رہے ہیں آپ کا یہ معرکۃ القلم زیادہ تر مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ کے ساتھ رہا ہے مولانا ثناء اللہ امرتسری

بھی دیوبند پڑھتے رہے ہیں۔

۹۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بانی خیر المدارس ملتان کی کتاب خیر التقلید فی سیر التقلید فنی نقطہ نظر سے اس فن کی آخری کتاب ہے

۱۰۔ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے اجتہاد وتقلید کے نام سے ایک نہایت مفید رسالہ قلمبند فرمایا۔

۱۱۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نے فلسفہ تقلید واجتہاد کے نام سے ایک علمی اور فکری کتاب لکھی۔

۱۲۔ مولانا محمد اسماعیل سنبھلی (۱۳۹۵ھ) نے تقلید ائمہ کے نام سے ایک گراں قدر کتاب تحریر کی۔

۱۳۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے تدوین فقہ پر اس اچھوتے انداز میں قلم اٹھایا ہے کہ اسکے ضمن میں تقلید کا مسئلہ بھی پورح طرح واضح ہوجاتا ہے۔

۱۴۔ مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری نے تقلید کی شرعی ضرورت پر ایک لاجواب کتاب لکھی جو مکتبہ رحیمیہ سورت سے شائع ہوئی ہے۔

۱۵۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کی کتاب تقلید کی شرعی حیثیت اس موضوع کی ایک لاجواب کتاب ہے۔

۱۶۔ حضرت مولانا محبوب احمد کی تالیف الکتاب المجید فی اثبات التقلید بھی اس موضوع پر ایک اچھی کوشش ہے۔

۱۷۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی کی السبک الفرید لسلک التقلید بھی نہایت جامع اور علمی کتاب ہے۔

۱۸۔ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر کی کتاب الکلام المفید فی اثبات التقلید اس موضوع کی نہایت لاجواب کتاب ہے۔

۱۹۔ مدرسہ فقیر والی ضلع بہاولنگر کے شیخ الحدیث مولانا بشیر احمد قادری کی کتاب ترک تقلید اور اس کے بھیانک نتائج تقلید کی ضرورت پر تاریخ امت کا نہایت دلفگار باب ہے۔

۲۰۔ حضرت مولانا محمد علی کاندھلوی مصنف امام اعظم اور علم حدیث نے بھی اس موضوع پر متعدد رسائل لکھے جن میں ان مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے فجزاھم اللہ

احسن الجزاء۔

اللہ رب العزت ان تمام علماء کو جزائے خیر دے جنہوں نے مسلمانوں کو جوڑ کر رکھنے کے لیے تقلید کے موضوع پر محنت کی اور جولوگ تقلید آباء نسبی اور تقلید آباء علمی کے مابین فرق کو نظر انداز کر کے مطلق تقلید کے انکار کے درپے تھے ان کی خوب علمی اور فکری تردید کی یہاں تک کہ علامہ اقبال نے بھی کہا

راہ آباء روکہ ایں جمعیت است　　　　معنی تقلید ضبط ملت است

ہمارا مقصد اس بحث سے طلبہ کو حدیث سے دور کرنا نہیں ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ احادیث کتنی ہی کیوں نہ ہوں ان پر عمل درآمد کے لیے کسی مجتہد کے سائے میں چلنا ضروری ہے۔ حضرت امام ابن وہب (۱۹۷ھ) کیسی اصولی بات فرما گئے ہیں:۔

کل صاحب حدیث لیس له امام فی الفقه فهو ضال ولو لا ان اللّٰه تعالی انقذنا بما لک واللیث لضللنا۔ (کتاب الجامع لابن زید القیر وانی ص ۱۱۷۔ ترتیب المدارک للقاضی عیاض جلد ۲، ص ۴۲۷، کتاب المجر وحسین لابن حبان جلد ۱، ص ۴۲)

ترجمہ: ہر وہ محدث جو کسی امام فقہ کی پیروی میں نہیں چلا وہ راستے سے بھٹکا ہوا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں امام مالک اور امام لیث مصری کے ذریعہ اس گمراہی سے نہ نکالا ہوتا تو ہم بھی گمراہ ہو جاتے۔

مجتہد کی نظر صرف الفاظ حدیث پر نہیں ہوتی وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ یہ حدیث امت میں کہاں تک معمول بہ رہی ہے اور صحابہؓ کا عمل اس پر کیسے رہا ہے پھر کہیں جا کر وہ اس پر عمل کرتا ہے۔ حافظ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں:۔

اما الا ئمة وفقهاء اهل الحدیث فانهم یتبعون الحدیث الصیحح حیث کان اذا کان معمو لابه عندا لصحابة ومن بعدهم اوعند طائفة منهم فاما ما اتفق علی ترکه فلا یجوز العمل به لانهم ماترکوه الا علی علم انه لایعمل به قال عمر بن عبدالعزیز خذوا من الرای ماکان یوافق من کان قبلکم فانهم کانوا اعلم منکم۔ (فضل علم السلف علی الخلف ص ۹)

ترجمہ: ائمہ کرام اور فقہاء حدیث صحیح حدیث کی اس وقت پیروی
کرتے ہیں کہ وہ حدیث صحابہؓ اور ان کے بعد کے لوگوں میں معمول
بہ رہی ہو اور جس کے ترک پر سب متفق ہوں اس پر عمل کرنا جائز نہیں
رہتا کیوں کہ صحابہؓ نے اس حدیث کو اس علم سے ترک کیا ہے کہ وہ
لائق عمل نہ تھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ اس راہ کو جو
تم سے پہلے لوگوں کے موافق رہی ہو وہ بیشک تم لوگوں سے زیادہ علم
رکھتے تھے۔

امام ترمذیؒ کو دیکھئے کس طرح ہر حدیث کے ساتھ تعامل امت پیش کرتے ہیں صحابہؓ
نے کسی مسئلے میں اختلاف کیا تو وہ اسے بھی ذکر کرتے ہیں اور پھر فقہاء کی آراء کو بھی لاتے ہیں
اور جن دو حدیثوں پر کسی کا عمل نہیں رہا آپ نے انہیں کتاب العلل میں علیحدہ ذکر کیا ہے۔

مجتہد کے علم کے سائے میں اپنی علمی خطا معاف

محدث جلیل اور امام کبیر سفیان بن عیینہ (۱۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ نبوت کے بعد
سب سے بڑا علمی مرتبہ فقہ کا ہے یہی وجہ ہے کہ محدثین کبار ہمیشہ نبوت اور فقہ کے سائے
میں چلتے آئے ہیں آپ نے فرمایا:۔

لم یعط احد بعد النبوۃ افضل من العلم و الفقہ فی الدین.

(شرح کتاب العلل وشفاء العلیل للشیخ محمد بن یوسف جلد ۱، ص ۱۰ طبع جدہ)

ترجمہ: نبوت کے بعد علم اور فقہ سے بڑا مرتبہ کسی کو نہیں دیا گیا۔

فقہاء کی پیروی فقہ کی اسی عظمت کا اعتراف اور دین پر چلنے کی ایک بے خوف راہ
ہے جس میں مجتہد خطی بھی ہو تو ایک اجر پاتا ہے سو مجتہدین کے پیروؤں کو یہ خدشہ ذہن سے
نکال دینا چاہیے کہ اگر ہمارا امام اپنے فیصلے میں خطا پر ہوا تو انہیں ان مسائل پر عمل کرنے میں
اجر نہ ملے گا ہاں عام انسان اگر خود تحقیق کا مدعی ہو اور وہ غلطی کرے تو وہ اس عمل کے اجر
سے ضرور بے نصیب ہوگا کیونکہ وہ مجتہد درجے کا صاحب علم نہ تھا اور شریعت کا یہ ایک اجر
کا وعدہ مجتہد خطئ سے ہے نہ کہ عامی سے اور عامی کا یہ حق بھی نہیں کہ کسی حدیث کے ظاہر کو
دیکھ کر وہ اپنے امام کے فیصلے کو غلط سمجھ لے علم حدیث ایک پورا فن ہے اسے معلوم نہیں کہ اس

حدیث کے مقابل دوسری کون سی حدیث ہے اور یہ عامی فن حدیث کے ناسخ و منسوخ اور صحابہ کرامؓ کے تعامل سے یکسر بے خبر اور جاہل ہے اسے کیسے یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ کسی ظاہر حدیث کو دیکھ کر اس پر عمل کرلے مقلد کی یہ دانائی ہے کہ اس نے اپنے عمل کا سارا بوجھ اپنے امام پر رکھ دیا ہے اور اپنے اوپر نہیں لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتا. رواہ ابو داؤد.

(مشکوۃ ص ۳۵)

ترجمہ: علم نہ رکھنے والے کو جس مفتی نے کوئی فتویٰ دیا تو (اگر وہ فتویٰ غلط تھا) اس کا گناہ اس فتویٰ دینے والے پر آئے گا (اس پیروی کرنے والے پر نہیں)

اس میں مناط کلام اس عامی کو گناہ سے نکالنا ہے فتویٰ دینے والے پر گناہ کا لفظ بر سبیل مشاکلت آیا ہے اس میں گنہگار وہ عالم ہوگا جو مجتہد کے درجے میں نہیں جو مجتہد کے درجے میں ہو وہ اپنی خطاء پر بھی ایک اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے اس میں وہ مستوجب سزا نہ ہوگا حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضور نے فرمایا:۔

اذاحکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاخطأ فله اجر واحد. (جامع ترمذی جلد ا، ص ۱۵۸)

ترجمہ: جب حکم لگانیوالے نے کسی بات پر حکم لگایا اور اس نے اجتہاد کیا تو اگر وہ صحیح بات کو جا پہنچا تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر اس نے خطا کی تو وہ صرف ایک اجر کا مستحق ٹھہرے گا۔

سو اس ارشاد نبوت کی روشنی میں اگر کوئی خطرے سے باہر ہے تو وہ صرف مقلد ہے غیر مقلدین حضرات نے جو اپنے اعمال کا سارا بوجھ اپنے سر لے رکھا ہے اور وہ علم میں پختہ نہیں ہیں تو قیامت کے دن وہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ٹھہریں گے کسی مجتہد کے علم کے سایہ میں ان کی غلطیاں معاف نہ ہوسکیں گی۔ بخلاف مقلد کے کہ اسے خطا پر بھی ایک اجر کا مستحق ٹھہرایا ہے اور یہ اللہ رب العزت کا اس امام پر اور اس کی پیروی کرنے والے عوام پر ایک انعام ہے۔ سو ضروری ہے کہ تقلید کو اپنے حق میں ایک نعمت سمجھا جائے بشرطیکہ وہ اس مجتہد کی ہو جس کے مجتہد ہونے پر پوری امت کا اتفاق چلا آیا ہو کسی ایرے غیرے کی

پیروی نہ کی جائے ایسا ہو تو اسے تقلید مجتہد نہ کہا جاسکے گا واللہ اعلم بالصواب.

فاما من لم یکن اھلاً للاجتھاد فھو متکلف ولا یعذربا لخطاء بل یخاف علیہ الوزر. (قوت المغتذی بشرح الترمذی)

ترجمہ: جو شخص اجتہاد کا اہل نہ ہو اور وہ تکلف سے محقق بنا بیٹھا ہو اسے معذور نہ سمجھا جائیگا اجر کی بجائے اس پر گناہ لوٹنے کا اندیشہ ہے۔

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:۔

جو مسئلہ کہ صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ثابت نہ ہو یعنی صحابہؓ کے وقت میں ایسا واقع نہ ہوا جو اس پر حکم ٹھہرا کر وہ اجماع کرتے تو ایسی بات پر مجتہدوں کے قیاس صحیح کے موافق عمل کرے پھر وہ مجتہد بھی ایسا ہو کہ جس کا اجتہاد امت کے اکثر عالموں نے قبول کیا ہے جیسے امام اعظمؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور قیاس بھی فاسد نہ ہو۔

(تذکیر الاخوان ص ۱۸۴)

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے جو امام ابوحنیفہؒ کو امام اعظمؒ لکھا ہے اُسے بُرا نہ سمجھیں۔ علامہ ذہبیؒ نے بھی تو تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو امام اعظم کے لقب سے ذکر کیا ہے اور حق بھی یہ ہے کہ آپ امت کے دائرہ اجتہاد کا ہمیشہ سے مرکز رہے ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے قیاس کو حجت ٹھہرایا ہے۔ قیاس صحیح کے حجت ہونے میں کسی صاحب علم کا کوئی اختلاف نہیں۔ مولانا عطاء اللہ حنیف لکھتے ہیں۔

جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے جن کے بارے میں کوئی متعین نص نہیں ہے تو بغیر کسی اختلاف کے کہا جا سکتا ہے کہ قیاس و رائے کی تگ و تاز ان میں مسلم ہے۔ (مسئلہ اجتہاد ص ۶۰)

مولانا نے ثابت کیا ہے کہ ضرورت کے موقع پر اہل الرائے ہونا ایک علمی شرف ہے یہ کوئی نفرت کا موضوع نہیں جیسا کہ بعض نادان اہلحدیث (باصطلاح جدید) نے سمجھ رکھا ہے جناب نواب صدیق حسن لکھتے ہیں:۔

جمہور از صحابہ و تابعین و فقہاء و متکلمین آں رفتہ کہ قیاس اصلی از اصول شریعت است (افادۃ الشیوخ ص ۱۲۴)

قیاس کے اصول دین میں ہونے کا انکار داؤد بن علی بن خلف اصفہانی کے سوا کسی نے نہیں کیا بعد میں آنیوالے تمام ظاہری اس کے پیچھے چلے ہیں ہاں یہ بات بے شک درست ہے کہ عقائد میں قیاس نہیں چلتا اس کی تگ و تاز صرف احکام میں ہے اس پر تمام اہل الفقہ والحدیث (جن کا قدیم میں صرف اہل سنت نام تھا) کا اتفاق ہے۔

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:۔

> لاخلاف بین فقہاء الا مصاروسائرا ھل السنة وھم اھل الفقه والحدیث فی نفی القیاس فی التوحید واثباته فی الاحکام الاداؤد بن علی بن خلف الاصفہانی. (جامع بیان العلم ص ۷۴)
>
> ترجمہ: مشہور فقہاء عظام اور اہل السنۃ والجماعۃ جن سے مراد اہل الفقہ والحدیث ہیں ان کا آپس میں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قیاس کا عقائد میں اعتبار نہیں اور احکام میں قیاس بیشک ایک اصل ہے (جس پر قیامت تک کے پیش آمدہ نئے مسائل استنباط ہوتے رہیں گے) سوائے داؤد ظاہری کے کسی مقتدر عالم نے قیاس کے اصل شرعی ہونے سے انکار نہیں کیا۔

غیر مقلدین کے مقتدر عالم نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے جن واضح الفاظ میں قیاس کے اصل شرعی ہونے کا اقرار کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے اس کی روشنی میں اہلحدیث (باصطلاح جدید) حضرات کو کبھی اسے طعن و تمسخر کے پیرایہ میں ذکر نہ کرنا چاہیے یہ حقیقت میں شریعت سے ایک تمسخر ہوگا مگر افسوس کہ عہد حاضر کی تحریک ترک تقلید اسی پر مبنی ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں غیر مقلد جہلاء نہایت برے انداز میں قیاس سے تمسخر کرتے ہیں انہیں اپنے بڑوں کے اس اقرار سے سبق حاصل کرنا چاہیے جب قیاس مسائل غیر منصوصہ کی دریافت میں ایک شرعی حیثیت رکھتا ہے تو اس سے مذاق کرنا کیا خود شریعت سے مذاق نہ ہوگا؟ اور کیا شریعت سے مذاق کرنے والا مسلمان رہ جاتا ہے؟

افسوس ہے کہ تمام غیر مقلدین آزاد رائے کی حمایت میں جو چاہیں کہتے ہیں، اور

ان کے علماء انہیں اس پر ذرا نہیں ٹوکتے وہ اس پر خوش ہوتے ہیں کہ حنفیوں کی تو گت بن رہی ہے اور یہ نہیں سوچتے کہ خود ان جہلاء کا بھی دین وایمان ضائع ہو رہا ہے۔

امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) اور امام احمد (۲۴۱ھ) کے ہاں ضعیف حدیث کا درجہ قیاس سے اوپر ہے اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں ضعیف حدیث کا بھی ایک درجہ ہے اور ضعیف حدیث موضوع روایت کے درجہ میں نہیں ہے جس سے یہ آوارہ فکر لوگ تمسخر کا پیرایہ اختیار کریں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ دونوں مجتہد ہیں ان مجتہدین کا یہ موقف کہ حدیث ضعیف کا درجہ قیاس سے اونچا ہے بتلاتا ہے کہ جس طرح قیاس سے تمسخر شریعت سے تمسخر ہے اسی طرح ضعیف حدیث کی توہین بھی خود شریعت کی توہین ہے۔ ضعیف حدیث جب سامنے آئے تو قرآن بجائے اس کے انکار کے اس کے تبین کا حکم دیتا ہے قرائن اس کی تائید کردیں تو وہ بات قابل قبول ہوجائے گی۔ ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا

سو یاد رکھیئے کہ ضعیف حدیث ہو یا قیاس شرعی ان سے تمسخر اور مذاق انسان کو اتخذوا ایات اللّٰہ ھزوا کے تاریک گڑھے میں گرا دیتا ہے جہاں گرتے تو سینکڑوں لوگ دیکھے گئے لیکن سلامتی سے واپس آنے والا شاید ہی کوئی دیکھا گیا ہو۔

محدثین کے ہاں ائمہ فقہ سے نسبتیں

محدثین جب کسی امام کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو وہ کثرت موافقت کے باعث اسکی طرف منسوب ہوتے ہیں امام طحاوی اور بیہقی یہ حضرات اسی طرز کے حنفی اور شافعی تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

> وکان صاحب الحدیث قدینسب الی احدی المذاھب لکثرۃ موافقتہ کالنسائی والبیھقی ینسبان الی الشافعی.

(حجۃ اللہ البالغہ جلد۲، ص۱۵۲)

امام ابوداؤد اس پیرایہ میں امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہوئے ہیں امام طحاوی اور ابویعلی موصلی صاحب المسند اسی پیرایہ میں حنفی تسلیم کیے گئے ہیں۔ ان علماء محققین کا اپنے امام سے بعض مسائل میں اختلاف کرنا بتلاتا ہے کہ یہ حضرات اپنے ائمہ کو شارع نہ

سمجھتے تھے صرف مجتہد سمجھتے ہیں۔ مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی فتاوی نذیریہ میں اسی نقطہ نظر سے فقہ حنفی کی طرف رجوع کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے اس وقت ترک تقلید انکار حدیث کے درجہ میں نہ تھا آپ حضرت امام ابوحنیفہ کو معیار الحق ص ۲ پر ان لفظوں میں ذکر کرتے ہیں:۔

اما منا وسید نا ابو حنیفة النعمان

ترجمہ: ہمارے امام اور ہمارے سردار ابوحنیفہ النعمان۔

اس دور کے غیر مقلدین صرف مقلدین کے خلاف نہیں خود اپنے پیشروؤں کے بھی خلاف ہیں۔ میاں نذیر حسین صاحب، نواب صدیق حسن خاں، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور حافظ عبداللہ روپڑی اس انداز کے غیر مقلد نہ تھے جو انداز فکر ان کے موجودہ سربراہ مولانا محمد اسماعیل (گوجرانوالہ کے) نے اختیار کر رکھا ہے۔

اہلحدیث صرف احناف کے مقابل نہیں

غیر مقلدین حنفیوں کے خلاف نہیں جملہ مقلدین کے خلاف ہیں وہ حنفی ہوں یا مالکی، شافعی ہوں یا حنبلی سب حضرات مقلدین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کسی عالم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی بات کو بایں طور تسلیم کر لینا کہ کتاب وسنت کے مطابق ہوگی اور اس سے دلیل طلب نہ کرنا جائز ہے اور اس اعتماد سے ہی امت کا شیرازہ اب تک ایک جگہ جمع رہا ہے۔

سو غیر مقلدین صرف امام طحاویؒ کے خلاف نہیں امام بیہقیؒ کے بھی خلاف ہیں کہ وہ امام شافعیؒ کے مقلد کیوں رہے۔ صرف علامہ عینیؒ کے خلاف نہیں حافظ ابن حجرؒ کے بھی خلاف ہیں کہ وہ امام شافعیؒ کی کیوں تقلید کرتے رہے۔ وہ جس طرح محدث زیلعیؒ کو تقلید میں غلط کار سمجھتے ہیں حافظ ابن کثیرؒ شافعی کو بھی مقلد ہونے میں غلطی پر سمجھتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ علم کا بحر ذخار ہے مگر غیر مقلدین کے ہاں وہ امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید کرنے میں خطا کار ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی بھی یہ لوگ تردید کرتے ہیں کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ مقلد کیوں تھے حضرت شیخؒ نے مذاہب اربعہ میں کسی ایک کی

پیروی کو واجب قرار دیا ہے مترجم رسالہ میں مولانا محمد اسماعیل غزنویؒ نے اس پر یہ اختلافی نوٹ دیا ہے کہ ہمیں اس پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں ملی گویا مشائخ نجد قرآن وسنت کی رہنمائی کے بغیر ہی تقلید مجتہدین امت کے لیے واجب کر رہے ہیں اور جس علم کو یہ غیر مقلد پہنچے ہیں اس تک مشائخ نجد کی رسائی نہیں ہوسکی حقیقت اس طرح نہیں ہے۔

اسے اس پہلو سے دیکھا جائے تو کہنا پڑے گا کہ یہ جدید فرقہ صرف حنفیوں کے مقابل نہیں نظر وفکر میں کل اہل سنت کے خلاف ہے گو وہ کسی اور امام کے مقلد کیوں نہ ہوں۔ اہلحدیث اور اہلسنت دو مختلف نظریات کے علمی حلقے ہیں ایک حدیث کو صرف اس وقت لائق عمل سمجھتا ہے کہ وہ سنت کے طور پر معروف ہو چکی ہو اور دوسرا حلقہ اسے ہر طرح سے حجت سمجھتا ہے گو وہ کسی دور اور کسی لمبے عرصے میں ناپید کیوں نہ رہی ہو۔

اس علمی اختلاف کو واضح کرنے کے لیے غیر مقلدین نے ترک تقلید پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی کی معیار الحق، مولانا عبدالجلیل سامرودی کی العذاب المہین، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی اہلحدیث کا مذہب اور تقلید شخصی وسلفی، مولانا محمد اسماعیل (گوجرانوالہ) کی تحریک آزادی فکر اور مولانا شاہ بدیع الدین آف پیر جھنڈا کی کتاب تقلید فرقہ اہلحدیث کے فکر ونظر کی ترجمان ہیں۔

ان کتابوں کے تقابلی مطالعہ سے جو ترک تقلید پر لکھی گئی ہیں: یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ اسلام میں مسئلہ نہ جاننے کی صورت میں علماء پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور ان سے دلیل پوچھنا قرآن وحدیث کی روشنی میں ہرگز ضروری نہیں ہے۔ دلیل مل جائے تو سرآنکھوں پر ورنہ اہل علم پر اعتماد کرنا یہ شرعا کسی جہت سے ممنوع نہیں ہے اور علم ہوتے ہوئے بھی تقلید اعلم کی اجازت ہے۔

تحریک ترک تقلید اسلام کے پہلے اور وسطی دور میں کہیں نہ تھی تاریخ اسلام پر پہلا ہزار سال گزرنے کے بعد یہ بات عوام میں لائی گئی ہے اور ان میں بطور فرقہ یہ تحریک چودھویں صدی میں چلی ہے اس تاریخی پس منظر میں اسے ایک جدید فرقہ یا پانچویں فقہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ایک دوسرے پہلو سے ان نئے مجتہدین کی فقہ کو چھٹی فقہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

پہلے ادوار میں ترک تقلید صرف ایک علمی پسند تھی

یہ صحیح ہے کہ پہلے ادوار میں بھی کچھ ایسے عالم ہوئے جنہوں نے اپنے علمی مقام کو تقلید سے بالا جانا لیکن یہ بات بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انہوں نے عوام میں کوئی غیر مقلدین پیدانہ کیے تھے نہ اپنے ہاں اہلحدیث کے نام سے عوام کا کوئی اور فرقہ بنایا عامۃ الناس برابر چار مذاہب کی پیرو رہے ہیں۔

ابن حزمؒ (۴۵۷ھ) نے ابطال تقلید پر تین رسالے لکھے علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں وہ ان کی نظر سے گزرے ہیں بایں ہمہ وہ علامہ سیوطیؒ کو امام شافعیؒ کی تقلید سے نہ نکال سکے آپ نے اس موضوع پر ارشاد المہتدین فی نصرۃ المجتہدین لکھی۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کی کتاب العلم سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد مزنیؒ (جو امام طحاویؒ کے ماموں تھے) نے بھی اس پر ایک رسالہ لکھا تھا ابن دقیق العید (۷۰۲ھ) نے کتاب التسدید فی ذم التقلید لکھی۔ مکہ مکرمہ کے شیخ محمد بن عبدالعظیم نے جو حنفی المذہب تھے القول السدید فی الاجتہاد والتقلید میں اس کے جملہ وجوہ کی تردید فرمائی ہے مکتبہ ازہر میں نمبر ۱۹۲۶ کے تحت اس کا قلمی نسخہ دیکھا جاسکتا ہے۔ ہم ان کتابوں کو پہلے ذکر کرآئے ہیں عصر حاضر میں علامہ شنقیطی مالکی نے قمع اهل الزیغ و الالحاد عن الطعن فی تقلید ائمه الاجتهاد میں عامۃ الناس میں ترک تقلید کو تحریک بنانے کی سختی سے مخالفت کی ہے۔

ترک تقلید عدم جواز تقلید کی آواز کبھی نہیں رہی

جن اعلام نے تقلید کی ضرورت نہ سمجھی اور علمی مرتبہ کے احساس سے وہ تقلید میں نہ رہے وہ ہرگز عدم جواز تقلید کے قائل نہ تھے ان کے ہاں یہ صرف اولی اور خلاف اولی کی بحث تھی علامہ ابوالخیر نورالحسن خاں کی کتاب کے نام پر غور کیجیے ہم اس کتاب کا ذکر پہلے کرآئے ہیں۔

الطریقة المثلی فی الارشاد الی ترک التقلید واتباع ماهو الاولی

شیخ شهاب الدین ابو القاسم المعروف بابن ابی شامه (۶۶۵ھ) کی کتاب المؤمل للرد الی الامر الاول بھی اسی موضوع پر ہے امر اول علم واجتہاد کی راہ ہے اور

امر ثانی تقلید واتباع کی۔

جس طرح ہندوستان کی انگریزی عملداری میں تحریک ترک تقلید کوفروغ حاصل ہوا امریکی نظروفکر کے عالمی غلبے اور یورپین قوموں کے عمل ودخل سے مسلمانوں میں مقام اجتہاد کواب ضرورت سے زیادہ اہمیت دی جارہی ہے مسلمانوں کوآزادفکری سے مذہب سے آزادی کی طرف بلایا جارہا ہے۔ ہمیں اس سے انکارنہیں کہ حوادث نو میں اجتہاد کی ضرورت ہے لیکن یہ اجتہاد پہلے ائمہ مجتہدین کے اجتہاد کی روشنی میں عمل میں آنا چاہیے نئے پیش آمدہ مسائل تو بے شک نئے مسائل ہیں لیکن اسلام کے اصول اجتہاد عہد صحابہؓ سے چلے آرہے ہیں اورکتب اصول فقہ میں وہ حاشیہ در حاشیہ میں آکر بہت محقق اور منقح ہو چکے ہیں۔ اب نئے اجتہاد پرانے اجتہادات کے سائے میں عمل میں لائے جائیں تو اس سے مذہب سے نکلنے کی تحریک آزادی کوراہ نہیں مل سکتی۔

فاضل بن عاشور کا مقالہ الاجتہاد ماضیہ وحاضرہ جو علماء اسلام کی مؤتمر اوّل منعقدہ ۱۹۶۴ء میں پڑھا گیا۔ اس میں دوراول کے اجتہاد کواس کا مقام واقعی دیا گیا ہے۔

فجزاہ اللہ احسن الجزاء

ڈاکٹر سید محمد موسیٰ افغانی کا رسالہ الاجتہاد ومدی حاجتنا الیہ فی ھذا العصر میں بھی اجتہاد کے جدید نظریوں پر مضبوط گرفت موجود ہے۔ تاہم ایک مربوط علمی زندگی کے لیے اس بات سے چارہ نہیں کہ ہم پہلے ائمہ علم کی روشنی میں چلیں اور ہمارے بعد آنے والے اسلاف کے ذخائر علمیہ کے ساتھ ہمارے اس دور کے تراث علمی کے بھی وارث بنیں واجعلنا للمتقین اماما کی قرآنی آواز یہی ہے۔

ممکن ہے ہمارے قارئین ان تمام کتابوں تک جن کی ہم نے نشاندہی کی ہے اپنی رسائی مشکل جانیں سونا مناسب نہ ہوگا کہ ہم اپنے موقف کے خلاصہ کے طور پر اسے یہاں نہایت سلیس انداز میں ذکر کردیں یہ تحریر برصغیر پاک وہند کے مایۂ ناز مفتی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ محدث دہلویؒ (۱۳۷۲ھ) کی ہے حضرت نے جس حسن اعتدال سے مسئلہ تقلید کوحل کیا ہے یہ اپنی مثال آپ ہے۔

کس نیت سے ائمہ مجتہدین کی پیروی ہو؟

اسے جواب ذیل میں ملاحظہ کیجیے حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

واضح ہو کہ ہم لوگ حضرت سراج الامت امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ کے پیرو اور مقلد ہیں ہمارا اعتقاد ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کتاب اللہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ علی صاحبہا افضل السلام واز کی التحیۃ کے اعلیٰ درجے کے عالم اور علوم دینیہ کے اول درجے کے ماہر تھے۔ انہوں نے قرآن پاک اور احادیث سے جو احکام فقہیہ نکال کر فقہ کو مدون کیا ہے وہ صحیح معنوں میں قرآن پاک اور احادیث کا عطر ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ کے لازوال خزانوں سے فقہ فی الدین کا بیش قدر ذخیرہ انہیں عطا فرمایا تھا اور تفقہ فی الدین میں ان کی رفعت شان نہ صرف احناف بلکہ علمائے مذاہب اربعہ کے نزدیک مسلم ہے اس لیے ان کے بتائے ہوئے اور نکالے ہوئے احکام پر عمل کرنا بعینہٖ قرآن وحدیث پر عمل کرنا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ہمارا یہ خیال وعقیدہ ہرگز نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کو منصب تشریع احکام حاصل ہے یعنی احکام شرعیہ محض اپنے قیاس ورائے سے وہ بنا سکتے ہیں یا بتاتے تھے یا ان کے احکام بہرصورت واجب التعمیل ہیں خواہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں ہم انہیں معصوم نہیں سمجھتے صحابہ کرامؓ کے برابر نہیں سمجھتے پھر نعوذ باللہ رسولؐ کے برابر سمجھنا تو کجا۔ وہ صرف ایک امتی تھے بشر تھے لوازم بشریت خطا ونسیان سے بھی مبرا ومنزہ نہ تھے۔ مگر ہاں عالم تھے اور بہت بڑے عالم تھے فقیہ تھے اور کامل فقیہ تھے مجتہد تھے اور مسلم مجتہد تھے مبدأ فیاض نے زیور علم وتفقہ تقویٰ و پرہیزگاری سے آراستہ کرنے کے ساتھ انہیں شرف تابعیت بھی عطا فرمایا تھا اور خیر القرون میں ہونے کی بزرگی عطا فرمائی تھی باوجود اس علم واعتقاد کے وہ ایک انسان تھے اور ان سے غلطی اور خطا ممکن۔ ہمارا یہ اعتقاد بھی ہے کہ ہر کس وناکس کو یہ مرتبہ اور حق حاصل نہیں کہ ان کے اقوال میں سے کسی قول کو بے اصل یا بے دلیل بتائے یا ان کے کسی قول کو خلاف حدیث ہونے کا الزام لگا کر چھوڑ دے ہمارے مبلغ علم ہی کیا ہیں کہ ہم احادیث کے ناسخ ومنسوخ، مقدم ومؤخر، ماؤل و مفسر اور محکم کو معلوم کرسکیں اور حدیث کی چند کتابیں یا چند رسالے پڑھ کر ایک ایسے مسلم

مجتہد کے اقوال کی تغلیط اور اس کے تخطیہ پر آمادہ ہو جائیں۔

بزرگان سلف میں سے جو لوگ کہ علوم دینیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور قدرت نے انہیں خزانہ علوم سے پورا حصہ عطا فرمایا تھا انہوں نے امام اعظمؒ کے اقوال اور مسائل کو نظر تدقیق وتحقیق سے دیکھا اور جانچا مخالفین کے اعتراضات کی جانچ پڑتال کی اور امام صاحب کے اقوال کے ماخذ نکال کر دکھائے اور ان کے اقوال کو مدلل کر دکھایا ہاں معدودے چند بعض مسائل ایسے بھی ملے کہ ان میں امام صاحب کے قول کے ماخذ پر انہیں بھی پوری اطلاع نہ ملی اور امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ کے اقوال کو انہوں نے اس مسئلے میں اپنے علم اور خیال کے موافق راجح بتایا تو متاخرین حنفیہ نے بلا تردد ایسے مسائل میں امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر ان علماء اعلام کے قول کے موافق امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ وغیرہما کے اقوال کو معمول بہا بنا لیا۔ فقہ حنفی میں بہت سے مواقع ایسے ہیں کہ ان میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ نہیں ہے بلکہ صاحبین وغیرہما کے اقوال مفتی بہا ہیں اور یہ صاف اس امر کی دلیل ہے کہ ہم خدانخواستہ امام ابوحنیفہؒ کو بالذات واجب الاطاعت نہیں سمجھتے بلکہ ان کا اتباع اور تقلید صرف اسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو کتاب اللہ تعالیٰ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صراط مستقیم پر چلانے والے ہیں اور شاہراہ سنت پر ہمارے رہبر ہیں۔ اگر کسی موقع پر علمائے متبحرین کاملین کے ارشاد سے امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کا ماخذ ہمیں معلوم نہیں ہوتا اور صاحبین وغیرہما کا قول بظاہر زیادہ اوفق بالکتاب والسنۃ معلوم ہوتا ہے تو ہم وہاں امام صاحب کے قول پر اصرار نہیں کرتے بلکہ صاحبین وغیرہما کے قول پر عمل کر لیتے ہیں کیونکہ مقصود اصلی اتباع خدا اور رسول ہے۔

مگر اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ جو مسائل امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ میں مختلف فیہا تھے اور اس میں امام صاحب کی قوت اجتہادیہ نے ایک طرح پر فیصلہ کیا اور امام شافعی کی قوت اجتہادیہ نے دوسری طرح فیصلہ کیا اور یہ بھی معلوم ہے کہ امام شافعی نے جن احادیث کی بنا پر یہ حکم دیا ہے وہ حدیثیں امام صاحب کو پہنچیں مگر پھر بھی امام صاحب نے ان کا وہ مطلب نہیں سمجھا اور نہ ان کے نزدیک وہ اس حکم کے اثبات کے لیے کافی ہوئیں جو حکم امام شافعیؒ نے ان کے بموجب دیا ہے تو

ایسے مسائل میں ہمارے یعنی حنفیہ کے ذمے لازم ہے کہ اپنے امام پر اعتماد کریں اور اسی کی بات کو اوفق بالکتاب والسنۃ سمجھیں اور اسی پر عمل کریں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

ایک غیر مقلد عالم سے میری گفتگو ہوئی میں نے کہا کہ اتباع کا مدار عام دلائل نہیں حسن ظن ہے چنانچہ آپ کو ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ پر اعتماد ہے...... حسن ظن ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن وحدیث سے ہی کہتے ہیں قرآن وحدیث کا حوالہ اگرچہ ساتھ نہ ہو اس کے لیے ان کے اقوال کے بعد دلائل کا بھی انتظار نہیں کرتے حالانکہ میں دکھلا سکتا ہوں کہ وہ دھڑا دھڑ فتوے لگاتے چلے جاتے ہیں لکھتے چلے جاتے ہیں اور دور تک کہیں آیت وحدیث کا پتہ نہیں چلتا نہ کوئی دلیل ہے اپنے دعوے کے اثبات میں اور اس سے بڑھ کر تماشا یہ ہے کہ بعض جگہ خصم کے دلائل نقل کرتے ہیں اور بدوں ان دلائل کے جواب دیئے ہوئے اس میں اختلاف کرتے ہیں خود اپنے دعوے کی دلیل بیان نہیں کرتے۔ سو اس طرح ہم کو امام ابوحنیفہؒ پر اعتماد اور حسن ظن ہے ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن وحدیث سے کہتے ہیں اس لیے دلائل تفصیلیہ کا انتظار نہیں کرتے اب بتلایئے اس میں اور اس میں کیا فرق ہے کہنے لگے کہ بالکل صحیح ہے۔ (الافاضات الیومیہ جلد ۷، ص ۵۳)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کے اس بیان میں جو اعتدال فکر پایا جاتا ہے اور غیر مقلدین کے نزاعی مسائل میں جو گہرائی اور تحقیق حنفیہ کے دلائل میں ملتی ہے اس کا تقاضا ہے کہ حنفی طلبہ ان مسائل میں اچھی ممارست پیدا کریں ان مسائل کو نظر انداز کرنے کی پالیسی ترک کردیں اور جہاں کہیں غیر مقلد طلبہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے ان پر معترض ہوں یہ حضرات ان احادیث کے تحقیقی بیان سے ان کا ناطقہ بند کردیں۔

جو مسائل ائمہ اربعہ میں اختلافی ہیں انہیں مقام دعوت پر نہ لایا جائے یہ مختلف طریق عمل ہیں لڑنے کے میدان نہیں ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں بھی مختلف طریق عمل تھے اور وہ کبھی ایک دوسرے پر نکیر نہ کرتے تھے۔ ان فروعی مسائل کو مقام دعوت میں لانا جیسا کہ عام غیر مقلد کرتے ہیں صحابہؓ کا طریق نہ تھا فروعی مسائل پر جماعت بندی کرنا بدعت ہے اور ہر وہ بات جو صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو اور اسے دین سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے بدعت ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ اگر غیر مقلدین ان مسائل کو چھیڑیں تو ان سے ان پر مناظرہ نہ کیا جائے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ غیر مقلدین ان مسائل میں ابتداء تو اس طرح کرتے ہیں گویا جانب مخالف میں کوئی دوسری روایت یا حدیث سرے سے موجود نہیں اور جب علماء احناف وہ دوسری روایات سامنے لے آتے ہیں تو پھر انہیں بھاگنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ مقلدین اور غیر مقلدین میں جب بھی مناظرے ہوئے شکست ہمیشہ انہی کا مقدر بنی ہے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) نے کھلے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے آپ علماء دیوبند کی علمی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ان کی علمی خدمات نے انہیں اتنا ہی اونچا کیا ہے جتنا مناظرات نے ہم کو نیچا دکھایا ہے اور ہم کو قلاش کردیا۔ (نتائج التقلید ص)

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مولانا محمد اسماعیل کا اشارہ اہلحدیث کی کن شکستوں کی طرف ہے اس کی تصریح حکیم محمود احمد برکاتی اس طرح کرتے ہیں:۔

۱۹۱۳ء میں (مولانا معین الدین اجمیری) ایک اہلحدیث عالم مولوی عبدالحکیم نصیر آبادی سے مناظرے کے لیے مال پورہ ریاست جے پور میں مدعو کیے گئے مگر مولوی عبدالحکیم مولانا کی آمد کی اطلاع سن کر مال پورہ سے چل دیئے اس لیے مناظرہ نہ ہوسکا۔ انہی مولوی عبدالحکیم کی سرگرمیوں کی وجہ سے کیکڑی ضلع (اجمیر) میں ایک مقدمہ عرصے سے چل رہا تھا آخر میں احناف کی طرف سے مولانا معین الدین اجمیری اور مانعین تقلید کی طرف سے مولانا ثناء اللہ امرتسری شہادت کے لیے بلائے گئے مولانا معین الدین کی تقریر نے سب جج کو متاثر کیا اور اس نے مولانا امرتسری کے دلائل کارد کرتے ہوئے احناف کے حق میں فیصلہ دیا۔ (مولانا حکیم سید برکات احمد ص ۲۲۳ مؤلفہ حکیم محمود احمد برکاتی طبع برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء)

پھر گوجرانوالہ کا وہ معرکۃ الآراء مناظرہ مولانا محمد اسماعیل کو یاد ہوگا جو تحریری طور پر محدث شہیر حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے مابین اس موضوع پر ہوا کہ حدیث نبوی واذا قرأ فانصتوا (جب امام پڑھے تو تم چپ رہو) صحیح مسلم میں ہے یا نہیں اور فریقین نے بالاتفاق حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندوی کو ثالث ٹھہرایا موصوف

نے بڑی جرح وقدح کے بعد فیصلہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے خلاف دیا یہ فیصلہ مطبوعہ موجود ہے اور اس میں مولانا ثناء اللہ صاحب کی درماندگی اور کمزوری اچھی طرح نمایاں ہے۔

اہلحدیث کی یہ وہ پے درپے شکستیں ہیں جنہوں نے مولانا محمد اسماعیل صاحب کو بہت بے دل کر دیا تھا موصوف کا اپنے بیان میں اشارہ جماعت اہلحدیث کی انہی شکستوں کی طرف ہے۔

غیر مقلدین کے اختلاف کے باعث نئے ابھرے مسائل

مذاہب اربعہ کے آپس کے اختلافات تو اپنی جگہ ہیں غیر مقلدین کے اختلاف کے باعث جو مسائل برصغیر پاک وہند میں نئے سرے سے ابھرے ہیں ان میں یہ پانچ مسئلے زیادہ اہم ہیں اور یہ نئے اختلاف ہیں جو پہلے ائمہ اربعہ میں نہ تھے:۔

۱۔ مسئلہ تقلید؟ (یہ مذاہب اربعہ میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے)

۲۔ ایک مجلس میں دی گئی طلاق ثلثہ ایک شمار ہوگی یا تین؟ (اس پر چاروں امام ایک ہیں)

۳۔ تراویح کی جماعت مسجد میں کیا کبھی بیس رکعت سے کم بھی پڑھی گئی ہے؟

۴۔ فروعی اختلافات کو حق وباطل کا اختلاف کہنا جائز ہے یا نہیں؟

۵۔ جو مسائل قرآن وحدیث میں منصوص نہیں ان میں انسان بالکل آزاد اور مختار ہے یا اس پر سبیل مومنین کی پابندی لازم ہے؟

ہم یہاں ان آخری چار مضمونوں پر موضوع کتاب سے نکلنے کے اندیشہ سے کچھ تبصرہ نہیں کر رہے۔

غیر مقلدین کے زیر نزاع مسائل

۱۔ فاتحہ خلف الامام
۲۔ رفع الیدین عند الرکوع
۳۔ وضع الیدین تحت السرہ
۴۔ الاخفاء بالتامین
۵۔ اقامت کے بعد فجر کی سنتیں
۶۔ گاؤں میں جمعہ کی فرضیت

حضرت مولانا محمد حسن صاحب محدث فیض پوری (نزد شرقپور) کی یہ کتابیں ا

موضوعات پر مفید کتابیں ہیں :۔

۱۔الدلیل المبین علی ترک القراۃ للمقتدین ۲۔تنویر الحاسہ فی مناقب الائمہ الثلثہ

۳۔تنویر العینین فی مسئلہ رفع الیدین ۴۔ستہ ضروریہ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی تالیفات میں یہ تین کتابیں تین موضوعات کو نکھارتی ہیں۔

۱۔ہدایۃ المعتدی فی ترک القراۃ للمقتدی ۲۔الرای النجیح فی مسئلۃ التراویح

۳۔اوثق العری فی عدم جواز الجمعہ فی القریٰ

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی تالیفات بھی ابواب متعلقہ میں علم کا ایک بڑا خزانہ ہے۔

۱۔امام الکلام ۲۔الآثار المرفوعہ

۳۔غیث الغمام ۴۔الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل

حضرت مولانا مفتی محمد عابد سندھیؒ کی کتاب کشف الرین فی ترک رفع یدین اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی تالیفات:

۱۔ایضاح الادلہ ۲۔احسن القری فی شرح اوثق العری

ان کے بعد عمدۃ المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کی گراں قدر کتابیں

۱۔فصل الخطاب فی مسئلہ ام الکتاب (عربی) ۲۔خاتمۃ الکتاب فی مسئلۃ فاتحۃ الکتاب (فارسی)

۳۔نیل الفرقدین فی مسئلہ رفع الیدین مع بسط الیدین ۴۔کشف الستر عن صلوۃ الوتر

مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب توثیق الکلام، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ہدایۃ المعتدی، حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی امام الکلام اور غیث الغمام، مولانا محمد حسن فیض پوری کی الدلیل المبین، حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی تدقیق الکلام (دوجلد)، شیخ الحدیث مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر کی احسن الکلام (دوجلد)، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق شیخ الحدیث سراج العلوم سرگودھا کی اتمۃ الخصام فی مسئلہ خلف الامام اور ایقاظ النیام فی مسئلہ القراۃ خلف الامام اور راقم الحروف کی مصباح الظلام فی عدم وجوب الفاتحہ خلف الامام

اس موضوع کی اہم کتابیں ہیں۔

مسئلہ رفع الیدین پر مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی کی کتاب جلاء العینین فی مسئلہ رفع الیدین، شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ ڈیروی کی نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح اور وتر کے باب میں نفحۃ العطر فی ابحاث الوتر اپنے موضوع میں لاجواب کتابیں ہیں۔

طلاق ثلثہ کے موضوع پر مولانا فقیر محمد جہلمی ؒ کی لاجواب کتاب عمدۃ الابحاث سے کون واقف نہیں، محدث دیوبند مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی کتاب الاعلام المرفوعہ اور الازہار المربوعہ، شیخ الحدیث مولانا سرفراز خاں صفدر کی عمدۃ الاثاث فی حکم الطلقات الثلث، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب کی آئینہ طلاق ثلثہ اس موضوع کی مفید کتابیں ہیں۔

الاخفاء بالتامین کے موضوع پر شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ ڈیروی کی کتاب اظہار التحسین فی اخفاء التامین اپنے وقت کی لاجواب کتاب ہے۔

تراویح کے موضوع پر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کی رکعات تراویح، حضرت مولانا حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی خیر المصابیح، مولانا محمد شریف کوٹلوی کی کتاب التراویح، مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی کی لمعات المصابیح فی رکعات التراویح، مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی مسئلہ تراویح اہم کتابیں ہیں۔ ان کتابوں کے تنقیدی مطالعہ اور حوالہ جات کی اصل کتابوں سے مراجعت کے بعد انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ عمل بالحدیث کی جو گہرائی فقہ حنفی میں ملتی ہے وہ اور کہیں نہیں ملتی اور شیرازہ امت کو یکجا رکھنے کے لیے تقلید ائمہ سے بہتر اور کوئی راہ عمل نہیں ہے۔

سلطان عالمگیر اورنگ زیب ؒ کے عہد کے مرتب فقہی ذخیرہ فتاویٰ عالمگیری پر ہم سب جمع ہو جائیں تو اس سے بہتر نظام اسلامی کے نفاذ کی شاید اور کوئی راہ نہ ملے جس طرح سعودی عرب میں احکام کا نفاذ حنبلی فقہ سے ہے برصغیر پاک و ہند میں احکام اسلام کا نفاذ فقہ حنفی سے ہونا چاہیے اور جو لوگ اس فقہ سے متفق نہ ہوں انہیں پرسنل لاء کے تحت اپنی اپنی فقہ پر عمل پیرا ہونے کا موقعہ دیا جائے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ نے کیا اچھا فرمایا ہے:۔

فقہاء ہی کی اس قدر نظر ہے احکام پر بھی اور علل احکام پر بھی سچ تو یہ ہے کہ ان

حضرات کو الہام ہوتا تھا جس سے (انہوں نے) ایسی دین کی خدمت کی ہے حق تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اگر فقہاء کی ذات دنیا میں نہ ہوتی تو عالم میں ایک اندھیرا ہوتا دین کے ہر مسئلہ کو روشن اور واضح کر دیا اگر فہم سلیم اور عقل کامل ہو تو کوئی دقیقہ باقی نہیں رہتا۔

(الافاضات جلد ۷، ص ۸۴)

محدثین نے ہمیشہ فقہاء کی یہ برتری تسلیم کی ہے اور یہی اہل علم کا وہ طبقہ ہے جن کے اعتماد پر عامی کو بلا جھجک عمل کرنے کی اجازت ہے اور انہی کے مختلف مدارج ہیں جن میں عالم اپنا اجتہاد ترک کر کے اعلم کی پیروی کر سکتا ہے اجتہادی امور میں اپنے اجتہاد کی پیروی ضروری نہیں۔ صحابہؓ ایسے مواقع پر تقلید اعلم سے بھی کام لے لیتے تھے وکفی بھم قدوۃ وقیادۃ۔

سلف فروعی مسائل پر جماعت بندی نہ کرتے تھے

ائمہ اربعہ کے اختلاف کو امت نے بشرح صدر قبول کیا ہے اور ان کے پیرو اپنے فروعی اختلافات کو مقام دعوت پر نہیں لائے۔ بارہویں صدی ہجری تک ایک واقعہ نہیں ملتا کہ کسی حنفی یا شافعی عالم نے کسی اختلافی مسئلے پر کھلے بندوں تقریریں کی ہوں اور ان مسائل کے اختلاف کو حق و باطل کا فاصلہ ٹھہرایا ہو جو اختلافات صحابہؓ کے دور سے چلے آ رہے ہوں ان میں حق و باطل کا فاصلہ کیسے قائم کیا جا سکتا ہے؟

برصغیر پاک و ہند میں یہ غیر مقلدوں کی آمد تھی جس نے ان کی فروعی مسائل پر جماعت بندی کر ڈالی ہندوستان میں اہل السنۃ والجماعۃ کے قلعہ میں یہ پہلا شگاف تھا۔ مذکورہ بالا کتابیں صرف اس فتنہ کی روک تھام کے لیے لکھی گئیں ورنہ سلف ان فروعی مسائل پر کبھی مقام دعوت میں نہ آتے تھے اور نہ فروعی اختلافات پر ان میں کوئی اپنی جماعت بندی تھی۔

فروعی مسائل پر جماعت بندی ان نوزائیدہ فرقے سے شروع ہوئی اور اہل حدیث (باصطلاح جدید) وجود میں آئے ہمارے نزدیک ان کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ہیں مگر پروفیسر غلام احمد حریری حیات ابی حنیفہ لابی زہرہ کے ترجمہ میں ایک ذیلی نوٹ میں لکھتے ہیں کہ ان کا آغاز مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ سے ہوا:۔

مولانا اسماعیل شہید نے توحید خالص اور فقہیات کی حد تک مسلک

اہلحدیث کی مستقل داغ بیل ڈالی چنانچہ جب سے اب تک جماعت
اہلحدیث ترقی پذیر ہے۔ (حیات ابی حنیفہ لابی زہرہ ص ۷۶۱)

حافظ غلام احمد حریری اس نوزائیدہ فرقے کا آغاز مولانا شاہ اسماعیل شہید سے کرتے ہیں حافظ صاحب کے اس گمان کی وجہ مولانا اسماعیل شہید کا رفع الیدین عند الرکوع پرایک رسالہ ہے لیکن اس سے آپ کا غیر مقلد ہونا ثابت نہیں ہوتا اگرکوئی بلند پایہ عالم کسی مسئلے میں اپنے امام کے قول کو چھوڑ دے اور قوت دلائل کی بناء پر کوئی اور عمل اختیار کرے تو اسے ترک تقلید نہیں کہا جاتا، اسے تفرد کہتے ہیں۔ حنفیوں میں اس کی ایک اور مثال ملتی ہے عصام بن یوسف کس پائے کے حنفی فقیہ تھے یہ اہل علم سے چھپی بات نہیں مولانا عبدالحی لکھنوی الفوائد البہیہ فی طبقات الحنفیہ میں لکھتے ہیں:۔

وکان یرفع یدیه عند الرکوع وعند رفع الرأس منه واخوہ ابراهیم کان لایرفع ویعلم ایضا ان الحنفی لوترک فی مسالة مذهب امامه لقوة دلیل خلافه لا یخرج به عن ربقة التقلید بل هو عین التقلید فی صورة ترک التقلید الاتری ان عصام بن یوسف ترک مذهب ابی حنیفة فی عدم الرفع ومع ذلک هومعدود فی الحنفیة. (الفوائد البہیہ فی طبقات الحنفیہ)

ترجمہ: آپ رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے رفع یدین کرتے تھے اور آپ کے بھائی ابراہیم یہ رفع یدین نہ کرتے تھے معلوم رہے کہ حنفی اگرکسی مسئلہ میں اپنے امام کا مذہب قوی دلیل پانے کے باعث ترک کردے تو وہ تقلید سے نہیں نکلتا یہ خودتقلید ہے گو بظاہر یہ ترک تقلید ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ عصام بن یوسف (۲۱۰ھ) نے عدم رفع میں امام ابوحنیفہؒ کی بات ترک کی اور اس کے باوجود ان کا فقہائے حنفیہ میں شمار رہا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس عالم کے نزدیک اگرکوئی بات صحیح حدیث سے ثابت ہو جائے اور ذخیرہ احادیث میں اس کا کوئی تعارض نہ ہو اور وہ عالم قوت دلائل کے احساس

سے اپنے امام کی بات چھوڑ دے تو وہ تقلید سے نہیں نکلتا۔ ترک تقلید میں اور کسی مسئلے میں تفرد اختیار کرنے میں بہت فرق ہے حافظ غلام احمد حریری اس بات کو نہیں سمجھ سکے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین ڈائریکٹر سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ لکھتے ہیں:

> شاہ اسماعیل شہید نے نماز کے بعض ارکان شافعی فقہ کے مطابق اختیار کر لیے مثلاً رفع الیدین۔ شاہ اسماعیل اپنے آپ کو اس شرط کے ساتھ حنفی کہتے تھے کہ جو نتائج ذاتی تحقیقات سے اخذ کیے جائیں وہ مستثنیٰ ہوں گے یہ تجاوز ترک تقلید سے اتنا قریب تھا کہ ایک عام آدمی اس اختلاف کو نہیں سمجھ سکتا تھا درحقیقت اسی اختلاف کو ذرا آگے بڑھایا تو غیر مقلدوں یا اہلحدیث کا ایک فرقہ پیدا ہو گیا سید احمد ان معاملات میں معتدل تھے اور انہوں نے شاہ اسماعیل کو کامیابی کے ساتھ اس پر آمادہ کیا کہ وہ مروجہ معمولات سے مطابقت قائم رکھیں۔ (علماء میدان سیاست میں ص ۱۷۹)

اس سے دو باتوں کا پتہ چلا ایک تو یہ کہ مولانا اسماعیل شہید ترک رفع یدین کے موقف پر پھر لوٹ آئے تھے اور اب ان کا عمل عام حنفیوں جیسا تھا دوسرے یہ کہ ہندوستان میں ان دنوں ایک نیا فرقہ پیدا ہوا جو اپنے آپ کو اہلحدیث کہتا تھا اور لوگ انہیں غیر مقلد کہتے تھے۔

غیر مقلدین کی تاریخ کی دوسری منزل

ابتداء میں بے شک یہی صورت تھی لیکن پھر یہ لوگ بالکل لامذہب بن گئے رأسا تقلید کے منکر ہوئے اور جس مسئلہ (تقلید) پر صدیوں سے اجماع چلا آرہا تھا اس کا انکار کر دیا مولانا کرامت اللہ جونپوری ایک مقام پر انہیں لامذہب کے نام سے ذکر کرتے ہیں:۔

> لامذہب لوگوں کے عالم انبیاء کے وارث نہیں کیونکہ علم احکام کا جو فقہ ہے سو اس سے ان لوگوں کو انکار ہے اور علانیہ کھلم کھلا لوگوں کو فقہ پر عمل کرنے سے منع کرتے ہیں اور ہر جاہل کو حدیث پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اسی کو عمل بالحدیث کہتے ہیں اور جس مقام میں فقہ

> کے انکار کا موقع نہیں پاتے وہاں جب کوئی پوچھتا ہے کہ تم فقہ پر عمل کرتے ہو تب کہتے ہیں کہ ہم فقہ پر کس واسطے عمل نہ کریں جو فقہ قرآن وحدیث کے موافق ہے اس کو ہم مانتے ہیں اور یہ ان کا بڑا کید (مکر) ہے کیونکہ قرآن وحدیث کے موافق اور غیر موافق ہونا مجتہد کے سوا کون معلوم کرسکتا ہے تو یہ ایسا کید ہے کہ ان کا تابعدار قیامت تک فقہ کا منکر رہے گا۔ (حجت قاطعہ ص ۹۷)

اس تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اہلحدیث علماء ہرگز العلماء ورثة الانبیاء کے منصب پر نہیں رہے۔ انبیاء کی وراثت بطریق سنت چلتی ہے اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سنت قائمہ سے نہیں پہنچتے وہ اپنا عمل براہ راست حدیث سے لیتے ہیں اہل سنت اور اہلحدیث میں یہی جوہری فرق ہے مولانا جونپوری ایک واسطہ سے حضرت شاہ اسحٰق محدث دہلوی کے شاگرد ہیں اور ان کا یہ بیان اس دور کے بہت قریب کا ہے جب یہ فرقہ (اہلحدیث باصطلاح جدید) ابھی پیدا ہورہا تھا آپ آگے جاکر لکھتے ہیں:۔

> ساتویں طبقے کے فقہاء اور علماء کو سوائے ان لوگوں (ائمہ مجتہدین) کی تقلید کے چارہ نہیں اور اس مسئلے میں ان لوگوں سے از سر نو بحث اور تقریر اور گفتگو کرنا محض لغو اور بے فائدہ اور واجب کا ترک کرنا اور حرام میں گرفتار ہونا ہے۔ اور عوام کا تو کیا ذکر ہے خصوصاً اس ملک کے عوام کا؟ اس ملک کے عوام تو صبح صادق کو نہیں پہچانتے جس کے پہچاننے پر روزے کا مدار ہے تو یہ لوگ اپنے دینی مسائل کیا پہچانیں گے۔ (ایضاً ص ۱۰۳)

اقبال نے آج سے اسی سال پہلے ترک تقلید کو واجب کا ترک کرنا اور اسے حرام بتلایا۔ آج ہمارے عوام میں بے دینی اور دین سے بے پرواہی اس سے بھی آگے ہے سو ان حالات کا تقاضا ہے کہ ہم آزادی کے نام سے آنے والی ترک تقلید کی اس صدا کو امت مسلمہ کے لیے اور بھی زیادہ خطرناک سمجھیں ملت کا شیرازہ اپنے بزرگوں سے وابستگی میں بندھا ہے خود آرائی سے نہیں یہ تو انتشار ہی انتشار ہے۔

راہ آباء رو کہ ایں جمعیت است　　　　　معنی تقلید ضبط ملت است

ترجمہ: اپنے پیشرؤوں (ائمہ دین) کے طریقے پر چلو یہ پوری قوم کو ایک شیرازہ میں رکھنا ہے تقلید کا مطلب پوری ملت اسلامی کو ایک قوم بنا کر رکھنا ہے۔

اس سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں کوئی فقہی مسلک یا فرقہ اہلحدیث کے نام سے پہلے سے نہ تھا انگریزی دور میں یہ فرقہ پیدا ہوا اور اس میں لوگ حنفیوں سے ہی گئے پہلے سے اہلحدیث (باصطلاح جدید) برصغیر پاک وہند میں کہیں نہ تھے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین اہلحدیث کو ایک نیا فرقہ ہی قرار دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

ایک افسوس ناک بات یہ ہے کہ ملت اسلامیہ میں جو تفرقے پہلے ہی سے تعداد کثیر میں پڑے ہوئے تھے اس میں ایک فرقے کا اضافہ ہوگیا۔ (علماء میدان سیاست میں ص ۲۱۲)

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ ترک تقلید سے جو تحریک ہندوستان میں چلی یہ ایک نئی تحریک تھی اور یہ ایک نئے فرقے کی پیدائش تھی مولانا اسماعیل شہید کا ان سے کوئی رشتہ نہیں۔ مولانا اسماعیل شہید کے ہمعصر ایک اور عالم ہیں وہ اس نئے فرقے کے شیخ الکل مانے جاتے ہیں انہوں نے اس نئے فرقے کی داغ بیل ڈالی مگر خود کو وہ بھی (ان شرطوں کے ساتھ جو ہم لکھ آئے ہیں) حنفی ہی کہتے رہے وہ مولانا نذیر حسین دہلوی تھے۔ ان کے بعد مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس نئے پودے کی آبیاری کی اور انگریزوں سے اپنے لیے اہلحدیث کا نام منظور کرایا تاہم وہ بھی اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنے آپ کو حنفی اہلحدیث لکھنے لگے تھے۔ آپ نے اپنے اہلحدیث دوست مرزا غلام احمد قادیانی کے انجام کو دیکھتے ہوئے اپنی جماعت کو ترک تقلید کے خطرناک انجام کا الارم دیدیا تھا۔ مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی بھی امام ابوحنیفہؒ کا بڑا احترام کرتے تھے اور حنفی فقہ کی کتاب ہدایہ کی بہت تعریف کرتے تھے مولانا محمد داؤد غزنوی کی حضرت رائے پوری سے بیعت بھی اسی لیے تھی کہ یہ حضرات فقہ حنفی سے کلیتہ دور نہ رہنا چاہتے تھے مولانا محمد داؤد غزنوی فرمایا کرتے تھے کہ اہلحدیث کو امام ابوحنیفہ کی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے جس کو دیکھو امام صاحب کی شان میں بے ادبی کر رہا ہے۔

ان اکابر کی اس پالیسی کا یہ نتیجہ نکلا کہ اہلسنت اور اہلحدیث میں اختلاف کی جو شدت پہلے تھی وہ کم ہوگئی ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب لکھتے ہیں:۔

ملت اسلامیہ میں جو تفرقے پہلے ہی سے تعداد کثیر میں پڑے ہوئے تھے ان میں ایک فرقے کا اضافہ اور ہوگیا ابتدائی ایام میں تصادم بھی ہوئے اور مقدمہ بازی کی نوبت بھی آگئی جس سے اہلحدیث اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان تعلقات خراب ہوگئے مگر اب خوش قسمتی سے ناروا داری بہت کم ہوگئی ہے۔ (علماء میدان سیاست میں ص۲۱۴)

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی ائمہ مجتہدین کے اختلاف کو صحابہؓ کے اختلاف کا ہی درجہ دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

صحابہؓ اور تابعین کے اختلاف میں الحاد بے دینی کج روی بداعتقادی اتباع ہوی اور بدمذہبی نہیں ہے اور اگر حدیث اختلاف امتی رحمة کا اعتبار کیا جائے تو اس کی بس یہی صورت ہے جو صحابہ وتابعین میں تھی اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف بھی اسی پر مبنی ہے۔

(تاریخ اہل حدیث ص۷۳)

ہم سمجھتے ہیں کہ اب بھی اگر یہ لوگ تقلید کو حرام نہ کہیں اور احناف کے طریق نماز کو اس طرح برداشت کریں جس طرح صحابہؓ ایک دوسرے کے اختلاف عمل کو برداشت کرتے تھے اور ان مختلف پیرایائے عمل کو دائرہ شریعت کے اندر سمجھیں تو اب بھی یہ لوگ اہل سنت سے زیادہ فاصلے پر نہیں رہتے۔ اور ملی یکجہتی میں ان کے لیے جگہ بن جاتی ہے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان کا مجتہد ہونا اور متبع سنت ہونا اور متقی اور پرہیزگار رہنا کافی ہے ان کے فضائل میں۔ (معیار الحق ص۵)

اب آپ ہی سوچیں جب شیخ الکل نے آپ کو مجتہد مان لیا اور مجتہد وہ ہوتا ہے جس کی کم از کم تین لاکھ حدیث پر نظر ہو تو کیا اب بھی آپ کے علم حدیث میں کسی کو کوئی شک ہوسکتا

ہے۔ آپ کا مجتہد ہونا پوری امت میں مجمع علیہ ہے سو اس میں کسی صاحب علم کو کسی تردد کا حق نہیں ہے۔ ہاں کسی مسئلہ میں کسی دوسرے مجتہد کو ان کی رائے سے اختلاف ہو سکتا ہے۔

میاں صاحب خود بھی ان مسائل میں جن میں انہیں کھلے طور پر حدیث نہ ملے فقہ حنفی پر فتوی دیتے تھے اور انہیں حضرت امام سے ہرگز کوئی بغض نہ تھا۔ آجکل کے اہلحدیث (باصطلاح جدید) حضرات میں اور ان کے دور اول کے اکابر میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے پیر بھائی حضرت مولانا کرامت اللہ جونپوری (۱۲۶۹ھ) کی ایک اور شہادت پیش کردیں کہ غیر مقلدین کا فرقہ ایک نوزائیدہ فرقہ ہے جو پہلے سے نہ تھا۔

یہ لوگ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب پر نہیں ہوتے اس لیے انہیں لامذہب کہا جاتا ہے۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ یہ تقلید اور بیعت کرنا دونوں کو ناجائز کہتے ہیں۔ مولانا کرامت اللہ صاحب حضرت مولانا احمد اللہ الصدیقی کے واسطہ سے حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے اور مجدد مائتہ سیزدہم حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ۔ آپ اپنی کتاب مکاشفات رحمت میں اس نوزائیدہ فرقہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> لامذہبوں میں سے ایک گروہ سید صاحب کو بد کہتے ہیں اور تقلید کرنے اور مرید ہونے کو نادرست کہتے ہیں اور ایک گروہ فریب کی راہ سے لوگوں کو دھوکہ دینے کے واسطے اپنے تئیں سید صاحب کے گروہ میں داخل کرتے ہیں حالانکہ سید صاحب نے ایسے لوگوں کو اپنے قافلے سے نکلوا دیا تھا اور سید صاحب کے گروہ کی کتاب تقویۃ الایمان اور نظام الاسلام اور مائتہ مسائل وغیرہ میں ان لامذہبوں کا رد بخوبی موجود ہے سو یہ (غیر مقلدین کے) دونوں قسم کے مفسد لامذہب لوگ باوجودیکہ اتباع سنت کا دعوے کرتے ہیں مگر جب بہ سبب جہالت کے بہت سی سنتوں کو بلکہ واجبوں کو بدعت کہنے لگے تب حضرت مجدد کے گروہ والوں نے ان کو اپنے گروہ سے صاف نکال دیا۔ (مکاشفات رحمت ص ۱۸)

غیر مقلدین چونکہ ایک نیا نیا فرقہ تھا اس لیے ابھی یہ ایک نام پر جمے نہ تھے یہ محمدی بھی کہلاتے تھے وہابی بھی اور غیر مقلدین بھی اور اہلحدیث بھی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ایک نوزائیدہ فرقہ ہے جو انگریزی عملداری میں وجود میں آیا مولانا کرامت اللہ جونپوری پہلے لکھ آئے ہیں:۔

> حق یہ ہے کہ وہابی لوگوں کا مذہب قدیم میں نہ تھا اور نہ ان کی کوئی کتاب نظر پڑی جو ان کے مذہب کا حال معلوم ہوتا مگر افواہا لوگوں کی زبانی جو ان کا حال سنا تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ شرک سے خوب پاک ہیں مگر اس قدر ضدی ہیں کہ اپنے سوا دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہی نہیں سب کو مشرک کہتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۷)

اہلحدیث حضرات کا یہ کہنا کہ ہمارا فرقہ مولانا اسماعیلؒ سے چلا ہے صحیح نہیں ہے ایسا ہوتا تو وہ جماعت اہل حدیث کے شیخ الکل ہوتے نہ کہ مولانا نذیر حسین دہلوی کو شیخ الکل کہا جاتا۔ رہا غیر مقلدین کا یہ استدلال کہ مولانا شہیدؒ نے مسئلہ رفع الیدین پر کتاب تنویر العینین لکھی تھی یہ بھی صحیح نہیں اگر ایسا ہوتا تو کم از کم میاں نذیر حسین محدث دہلوی تو شروع سے رفع یدین عندالرکوع کرتے ہوتے مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ نے رکوع کے وقت رفع یدین کرنا سر سید احمد خاں کے کہنے پر شروع کیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک ہندوستان میں ایک شخص بھی رکوع کے وقت رفع یدین کرنے والا نہ تھا۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ نے تنویر العینین اس لیے لکھی تھی کہ لوگ رفع یدین کو برا نہ سمجھیں یہ بھی ایک سنت ہے اس لیے نہیں کہ مولانا شہیدؒ رفع یدین نہ کرنے کو سنت نہیں سمجھتے تھے نہ یہ کہ وہ رفع الیدین عندالرکوع کو سنت دائمہ سمجھتے تھے پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ مولانا شہیدؒ نے اس کتاب سے رجوع کر لیا تھا اور اب یہ کتاب بھی اپنی پہلی صورت میں نہیں رہی بہت سے اس میں اضافے ہو چکے ہیں جن کی کوئی ذمہ داری مولانا شہیدؒ پر نہیں آتی مولانا شہیدؒ کے ساتھی اور پیر بھائی مولانا کرامت اللہ جونپوری لکھتے ہیں:۔

> تنویر العینین جو کتاب ہے سو اس میں مولانا اسماعیل شہیدؒ کے لکھے ہوئے چند ورق رفع یدین کی ترجیح میں ہیں اور بعد اس کے مولانا

مرحوم نے اپنے مرشد حضرت سید احمد قدس سرہ کے سمجھانے سے
اپنے قول سے رجوع کرلیا تھا یعنی رفع یدین کو چھوڑ دیا اور لامذہب
لوگوں نے تنویر العینین میں اپنی طرف سے بہت سی باتیں زیادہ
کر کے لکھیں۔ (مقامع المبتدعین ص ۲۲۴)

سو ہم پروفیسر غلام احمد حریری کی اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ یہ نیا فرقہ شاہ اسماعیل شہیدؒ سے شروع ہوا ہے ایسا نہیں۔ اس فرقہ جدیدہ کے شیخ الکل جناب میاں نذیر حسین دہلوی ہوئے ہیں اور انہوں نے ہی انگریزی عملداری میں اس فرقے کا آغاز کیا۔ ہندوستان میں تاریخ ترک تقلید انہی سے شروع ہوئی تاہم وہ بھی اسے حرام کہنے والوں میں نہ تھے۔

غزنی سے جو حضرات ہندوستان آئے وہ باوجود ترک تقلید کے تقلید کو گناہ نہ سمجھتے تھے ان کے اختلاط سے میاں نذیر حسین صاحب دہلوی میں بھی کچھ اعتدال آ گیا تھا۔ ہاں مولوی غلام علی قصوری جیسے لوگ ہری چند ولد دیوان چند کے طریق پر ہی رہے مولوی غلام علی قصوری نے اپنے معتقدات پر ۱۲۹۸ھ میں ایک رسالہ لکھا مولوی عبدالجبار غزنوی نے اثبات الالہام والبیعۃ والالہام کے نام سے اس کا جواب دیا یہ رسالہ افغانی فارسی میں تھا اس کا اردو ترجمہ مولوی محمد حسن مرحوم رئیس لدھیانہ نے کیا مولانا غزنوی مولوی غلام علی کی بات کو مغالطہ قصوری کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں اور اپنا جواب ہدایت کے نام سے دیتے ہیں۔ ایک مغالطہ اور ہدایت ذیل میں ملاحظہ کیجیے:۔

مغالطہ قصوری

یہ چار مذہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کیسے ہیں اور کب سے بنے ہیں؟

ہدایت

آپ لکھتے ہیں:

مذاہب اربعہ حق ہیں اور ان کا آپس کا اختلاف ایسا ہے جیسا صحابہ کرامؓ میں بعض مسائل کا اختلاف ہوا کرتا تھا باوجود اختلاف کے ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہیں رکھتے اور باہم سب وشتم نہیں کرتے مثل خوارج و روافض کے۔ صلحاء اور ائمہ دین کی محبت جز و

ایمان ہے۔ (اثبات الالہام والبیعہ طبع دوم ص۶)

اس سے پتہ چلا کہ سب اہلحدیث ایک نہج پر نہیں جو مذاہب اربعہ کو حق سمجھتے ہیں بے شک وہ بدعتی نہیں بایں ہمہ یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ یہ فرقہ غیر مقلدین ایک فرقہ نواحداث ہے جو پہلے دور میں نہ تھا ان ادوار کے لوگ یا مجتہد تھے یا مقلد تیسری جنس ان دنوں کہیں نہ پائی جاتی تھی یہ آجکل کی پیداوار ہے انہیں باصطلاح جدید اہلحدیث کہتے ہیں۔

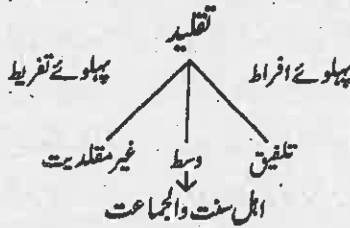
صورت حال جو بھی ہو یہ قدر مشترک ہے کہ یہ فرقہ اہلحدیث انگریزوں کے دور میں بنا اور اسی وقت اس کی داغ بیل پڑی اس وقت سے لے کر اب تک یہ فرقہ اپنے فرقہ وارانہ مسائل میں برابر کوشاں ہے ہر شہر میں ان کی اپنی مسجدیں ہیں اور ان شہروں اور قصبوں میں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جہاں ان کی مسجدیں ہیں وہ ان علاقوں کی قدیم مساجد سے زمانا متاخر ہیں اور جس طرح یہ نیا فرقہ تیرہویں صدی کا ایک نوزائیدہ فرقہ ہے ان کی مسجدیں اور درسگاہیں بھی دوسرے مسلمانوں سے عملا علیحدہ ہوتی ہیں اور وہ آٹھ رکعت تراویح اور تین طلاق کو ایک قرار دینے سے پہچانی جاتی ہیں اب ہم یہاں تاریخ ترک تقلید کی بحث کو ختم کرتے ہیں۔

ان مباحث کا صرف ایک موضوع باقی ہے۔ اسے ہم آگے لاتے ہیں واللہ هو الموفق لمايحبه ويرضى به.

تقلید کے بعد تلفیق

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

تقلید وہ لفظ اعتدال ہے جو عامی کو علماء کے اعتماد میں رکھتا ہے اور اسے دینی آوارگی سے بچاتا ہے طلبہ کو جس طرح تمام فضائل اخلاق میں ان کے افراط وتفریط کا علم ہوتا ہے انہیں تقلید کے افراط وتفریط سے بھی آگاہ ہونا چاہیے جو لوگ تقلید کا مطلقا انکار کرتے ہیں وہ تفریط کا شکار ہیں اور جو نفس کی سہولت کے لیے تقلید سے بے جافائدہ اٹھائیں کہ کبھی کسی امام کی پیروی کرلی اور کبھی کسی کی وہ اس کے پہلوئے افراط میں گھرے ہوئے ہیں۔



جس طرح اس امت میں روافض وخوارج میں مقام وسط اہل السنۃ والجماعۃ کو حاصل ہے ملفقین اور غیر مقلدین میں مقام وسط مقلدین کو حاصل ہے۔ انسان تلفیق کا شکار تقلید کے بعد ہوتا ہے پہلے ایک امام کی تقلید پر تھا اب حسب ضرورت وہ مختلف ائمہ سے سہولتیں لینے لگا فقہاء جو دین کے امین ہوتے ہیں اس صورت عمل پر چونکے، اور انہوں نے تلفیق کو غلط قرار دیا۔ جب ایک امام پر اعتماد اسی پہلو سے تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مرادات کو بیان کررہا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول برحق کی مرادات میں تعدد کا قائل ہو جائے مصیب اللہ کے ہاں ایک ہی مجتہد ہے دوسرے صرف اس لیے برحق جانے گئے ہیں کہ وہ اپنی خطا پر بھی ماجور ہیں۔ تلفیق میں جانے والا اس عقیدے سے ائمہ مجتہدین کی پیروی نہیں کرتا وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہر ایک مجتہد مصیب ہے اور اپنی سہولت

کے لیے جو راہ بھی میں اختیار کروں وہی مراد الٰہی ہے (استغفر اللہ العظیم)

تقلید کا موضوع مسائل غیر منصوصہ ہیں یا وہ مسائل منصوصہ جن میں روایات بظاہر متعارض ملتی ہیں اور ان میں تقدیم وتاخیر واضح طور پر معلوم نہیں ہوتی ان میں یہ گمان کہ فلاں مجتہد اللہ اور اس کے رسول کی بات کو صحیح طور پر پاگیا ہے کسی ایک امام کے بارے میں ہی دل میں جمے گی ہر ایک کے بارے میں یہ گمان دل میں آئے یہ عادۃً نہیں ہوسکتا۔

جب آپ مسائل غیر منصوصہ اور منصوصہ متعارضہ میں کسی ایک امام کی تقلید پر جمع ہوگئے تو اب کسی نفسانی خواہش اور حصول سہولت کے لیے اس امام کی بات کو چھوڑنا اور کبھی کبھی دوسرے امام کی بات پر آجانا یہ کوئی مزید تحقیق نہیں ہے، دین سے کھیلنے کی ایک نازیبا حرکت ہے اسے تلفیق کہتے ہیں۔ ہمارا مذاہب اربعہ کے پیروں کو تلفیق سے روکنا دوسرے ائمہ پر اعتماد نہ کرنے کی دعوت نہیں دین کو تمسخر بنانے کی ایک بے جا راہ سے روکنا ہے۔

تقلید تو ایک مجبوری تھی جو لوگ ان مسائل سے دوچار ہوں جن میں انہیں کتاب وسنت میں کوئی واضح راہنمائی نہ ملے اور وہ مجتہد بھی نہ ہوں ان کے لیے تقلید ہی ایک راہ عمل ہے اس میں اگر وہ اپنی سہولت تلاش کریں کہ حسب پسند کبھی کسی امام کی اور کبھی کسی امام کی تقلید کرلیں تو یہ اتباع شریعت نہ ہوگی اپنی خواہشات کی اتباع ہوگی۔ پہلے انہوں نے تقلید اتباع شریعت کے ایک تقاضے کو پورا کرنے کے لیے کی تھی جس میں صرف رضائے مولا درکار تھی جس طرح مقلدین منصوص مسائل کو دین سمجھ کر قبول کرتے ہیں وہ غیر منصوص مسائل میں بھی اپنے مجتہد کے فیصلوں کو دین سمجھ کر ہی قبول کرتے ہیں جب وہاں انہیں کسی اور طرف دیکھنے کی اجازت نہیں تو یہاں بھی انہیں ایک امام پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔

ائمہ میں کوئی امام مامور من اللہ نہیں کہ کسی مسئلہ غیر منصوصہ میں اس کی ہی اتباع ضروری ہو لیکن اگر کسی نے اپنے حسن ظن سے اسے راجح اور افضل مان لیا اور اس کی تقلید شروع کردی تو اب اسے جائز نہیں کہ رضائے مولی کے سوا کسی اور وجہ سے کسی دوسرے امام کی طرف دیکھے اپنے امام سے روگردانی کو تلفیق کہتے ہیں۔ تقلید کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ تلفیق کو سمجھنا اور اس کے خطرناک نتائج کو جاننا بھی طلبہ کے لیے ضروری ہے۔

تلفیق کے لفظی معنی

تلفیق کا لفظ لفق سے نکلا ہے لفق کا معنی ایک کنارہ سے دوسرے کنارے کو ملانا

ہے اصطلاحاً یہ ایک امام کی پیروی کو دوسرے امام سے جوڑنا ہے ایک عمل میں مختلف مذاہب کو جمع کر دیا جائے اور وہ مجموعی عمل کسی امام کے نزدیک بھی درست نہ رہے تو یہ تلفیق ہے جو جائز نہ ہوگی۔

تلفیق کی ایک مثال

ایک شخص نے وضو کیا اس کے بعد اسے کانٹا چبھا اور خون بہہ نکلا اس نے پھر سے وضو نہ کیا سمجھا کہ امام شافعی کے ہاں تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا، پھر کسی عورت سے اس کا ہاتھ چھو گیا اب اس نے یہ نہ سوچا کہ اس سے شافعی فقہ میں وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ اس نے اسی وضو سے نماز پڑھی تو یہ نماز کسی امام کے نزدیک بھی درست نہ ہوئی۔ حنفیوں کے ہاں اس لیے نہیں کہ خون بہنے سے اس کا وضو جاتا رہا تھا، اور شافعیوں کے ہاں اس لیے نہیں کہ عورت کو چھونے سے اس کا وضو جاتا رہا تھا اور اب اس کے لیے اس وضو سے نماز پڑھنا درست نہ تھا یہاں مسئلے کا حکم ایک ہے لیکن اس مسئلے کی جہات دونوں مذاہب کی اپنی اپنی ہیں۔

جب اس کا خون بہہ نکلا تھا اسے اسی وقت نماز توڑ دینی چاہیے تھی اور نیا وضو کرنا چاہیے تھا یہاں وہ اندر ہی اندر شافعی ہوگیا اور پھر جب یہاں عورت کو چھونے سے اس کا وضو گیا تو وہ جھٹ حنفی ہوگیا کہ حنفیوں کے ہاں اس صورت عمل سے وضو نہیں جاتا اب اس کا ایک عمل میں مختلف اماموں کے مذہب پر آنا جانا یہ عمل تلفیق ہے جو ایک نہایت ناز یبا عمل ہے ائمہ اربعہ کے حق پر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں ہر ایک، ایک ایک مسئلے میں راہ صواب پائے ہوئے ہے۔

تلفیق خواہشات نفسانی کی اتباع میں رخصتوں کو تلاش کرنے کا نام ہے اور اس میں ہر مذہب کی آسان باتوں کو لینا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کی صورت مراد یہی تھی بلکہ اس لیے کہ اس صورت عمل میں ہمیں اپنی سہولت مل رہی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:۔

ان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقا. (ردالمحتار جلد ۱، ص ۷۵)

ترجمہ: بیشک اس طرح کا ملا عمل بالاتفاق ناجائز ہے ایک مذہب کی

تقلید اختیار کر کے اس سے نکلنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

ہاں کسی مذہب سے تحقیقاً نکلنا یہ کوئی امر ناجائز نہیں۔ امام طحاوی (۳۲۱ھ) امام شافعی کے مقلد تھے لیکن جب تحقیق مزید پائی تو شافعی مذہب چھوڑ کر حنفی مذہب کو اختیار فرمایا یہ تلفیق نہیں تحقیق ہے اور اہل علم اسے منع نہیں کرتے۔

تلفیق کی ایک دوسری مثال

ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں ریلوے سٹیشن پر نماز نہ پڑھے گا اگر پڑھے تو اس کی فلاں بیوی کو طلاق ہوگی اس نے وہاں نماز پڑھی اور پھر پچھتانے لگا کہ ہائے طلاق تو واقع ہوگئی۔

ایک غیر مقلد مولوی صاحب نے کہا کہ تو گھبرا کیوں رہا ہے تو نے وضو میں مسح کتنے سر کا کیا تھا؟ اس نے کہا ربع رأس (سر کے چوتھے حصے کا) مولوی صاحب نے کہا مالکی مذہب میں پورے سر کا مسح ضروری ہے اس مذہب کی رو سے تمہارا وضو ہی درست نہ تھا سو جو نماز تو نے اس ریلوے سٹیشن پر پڑھی وہ نماز ہی نہ تھی تم مالکی مذہب کی پیروی کی نیت کرلو اور اس نماز کو نماز نہ جانو تو اس صورت میں تمہاری اس بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی اس طلاق سے نہ گھبراؤ اسلام میں بہت وسعت ہے۔ اس سے تلفیق کا پورا مضمون کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

هو تتبع الرخص عن هوى. (قواعد الفقہ ص۲۳۶)

ترجمہ: یہ نفسانی تقاضوں سے شریعت کی رخصتوں کو تلاش کرنا ہے۔

تحری میں کسی سمت کا انتخاب ایک اجتہاد ہے

ایک مسافر کو جانب قبلہ معلوم نہ تھی اس نے تحری سے ایک سمت کا انتخاب کیا اور ادھر رخ کیے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ پھر اس کو خیال آیا کہ جدھر اس نے جوتے رکھے تھے وہ سمت تو اب سامنے نہیں کوئی چور انہیں اٹھا نہ لے جائے اچانک اسے خیال آیا کہ ادھر بھی تو سمت قبلہ ہوسکتی ہے میں نے ادھر رخ اپنے اجتہاد سے کیا تھا اب کیا ضروری ہے کہ یہی تحری صحیح ہو اس طرف بھی تو جانب قبلہ ہوسکتی ہے چلو ادھر منہ کرلو اس طرح اپنے جوتوں کی حفاظت بھی ہو سکے گی۔ یہ خیال کرتے ہی وہ پلٹا اور اب اس دوسری طرف منہ

کیے نماز پڑھنے لگا۔

ظاہر ہے کہ اب اس کا اس دوسری سمت پر آنا رضائے الٰہی کے لیے ہرگز نہ تھا صرف اپنے جوتوں کی حفاظت کے لیے تھا یہ تلفیق ہے اور یہ بالاتفاق جائز نہیں۔

جب اس نے تحری سے ایک سمت کا انتخاب کیا تو اب اس کے لئے ضروری ہوگیا کہ اب وہ اپنی پوری نماز میں صرف اسی سمت رخ رکھے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی پیروی ابتداء اس پر واجب نہ تھی لیکن اب جب اس نے کسی امام کی تقلید اختیار کرلی تو اب اس پر واجب ہوگیا کہ کسی سہولت نفس کے لیے وہ اس تقلید سے نہ نکلے یہ کیا دین ہوا کہ کسی طرف ذرا نرمی دیکھی اور ادھر لپک پڑا یہ شریعت کی پیروی نہیں اپنے نفس کی پیروی ہے۔

بنگال کے ایک جلیل القدر عالم مولانا کرامت علی جونپوری حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے ساتھیوں میں سے تھے اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلفاء میں سے تھے آپ کے پاس ایک اسی قسم کا سوال آیا اور آپ نے اس کا جو جواب لکھا اسے ہم یہاں مختصراً نقل کرتے ہیں:۔

> ایک ہی مذہب کے موافق عمل کرنا بڑی مشکل ہے آسانی اس میں ہے کہ کبھی امام ابوحنیفہؒ، کبھی امام مالکؒ، کبھی امام شافعیؒ، کبھی امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق عمل کریں سو اس وسواس کا رد مختصر یہ ہے کہ جب چاروں اماموں کے مذہب کے موافق عمل کرے گا اور چاروں کے حکم کو برابر جانے گا تو ضرور ہوگا کہ ایک ہی وقت میں ضب کو جس کو فارسی میں سوسمار کہتے ہیں امام شافعی کے مذہب بموجب حلال اور امام حنیفہ کے مذہب بموجب حرام جانے گا تو یہ ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز میں اجتماع ضدین لازم آئے گا اور شرح عقائد نسفی میں اس بات کو معتزلہ کا مذہب لکھا ہے اور اس کا رد کیا ہے اور ایسا کرنے میں مکلف یعنی عاقل بالغ خود مختار بن جائے گا اور شریعت کا مقرر کرنا بے فائدہ ٹھہرے گا۔ اور جو شخص جس مذہب کی تقلید چاہے تب اس مذہب کی تقلید کرے اس بات کو جامع الرموز میں معتزلہ کا مذہب لکھا ہے اور ایک ہی امام کو مقرر کرکے اس کی تقلید کو اہل السنۃ والجماعت کے مذہب کے بموجب واجب لکھا ہے۔

اور فی الحقیقت یہ مسئلہ تحری کے مسئلہ کے طور پر ہے جیسا کہ تحری کے خلاف عمل کرنا درست نہیں اور تحری کے خلاف کرنے میں نجات نہیں ہے ویسا ہے جیسے اپنے باپ یا استاد، مرشد، قاضی، مفتی، بادشاہ اور کسی ایک ملک کے سارے خواص وعوام کو کسی ایک مذہب پر دیکھا تب ان کے مذہب کے راجح اور افضل ہونے کی تحری دل میں جم گئی تو اب اس کے خلاف کرنا درست نہیں اور اس تحری کے خلاف میں نجات نہیں ہے۔

عوام کو اس بات کی خبر کہاں کہ اللہ اور رسول کے کلام کے معنی کا نام فقہ ہے اور اللہ اور رسول نے عامی کو یعنی سوائے مجتہد کے سب کو حدیث اور قرآن سے مسئلہ نکالنے سے منع کیا ہے اور اس بات کا حکم صرف مجتہد کو دیا ہے اور مجتہد کے سوا حدیث اور قرآن سے دلیل لانے اور اس سے مسئلہ نکالنے کو حرام کیا ہے اور مجتہد کے سوا جو عالم لوگ ہیں ان کو بھی یہی حکم ہے کہ جو شخص جو مسئلہ بیان کرے اور جو دعویٰ کرے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مذہب کی معتبر کتابوں سے اپنے اس دعوے کی دلیل لائے۔

(القول الامین از ذخیرہ کرامات جلد ۲، ص ۲۸۳ طبع مطبع قیومی کانپور ص ۲۸۵، ۱۳۳۳ھ)

علماء دین متداول کتابوں سے دین پیش کریں

متداول کتابیں علماء کی نظر سے بار بار گزری ہوتی ہیں اور ان پر شروح اور حاشیے بھی ملتے ہیں جو عالم ان کو دیکھ کر مسئلے بتائے اور اسی امام کی فقہ پر چلے جس کی فقہ ان علاقوں میں متداول ہو تو یہاں غلطی کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے۔ اور اگر وہ عالم اپنے اجتہادات اپنے ان جوابات میں داخل کرتا رہے تو ظاہر ہے کہ ہر عالم تو اس درجے میں نہیں ہوتا کہ حضورؐ کی پوری امت کو اس کے پیچھے لگا دیا جائے تو جو علماء مقلد ہیں اور علم میں وہ مجتہد کے درجے میں پہنچے ہوئے نہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ متداول کتابوں میں مسئلہ کو دیکھیں اور عوام کو ان کے امام کے فیصلے کی روشنی میں مسئلہ بتائیں ان میں اگر مقلدین تلفیق کی راہ اختیار کریں تو یہ جائز نہ ہوگا۔

مقلد محض اور عالم مقلد میں فرق

وہ عالم جو مجتہد کے درجے پر پہنچے ہوئے نہیں مگر اتنی علمی استعداد ہے کہ وہ اپنے امام کے اصولوں کی روشنی میں کتاب وسنت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوں وہ مجتہد فی المذہب ہوں یا مجتہد فی المسائل میں سے ہوں اگر وہ کسی ایک مسئلے میں یا چند مسائل میں اصل دلائل سے متاثر ہوکر اپنے امام کے فیصلے کو چھوڑ دیں تو یہ اس کام میں تفرد ہوگا تلفیق نہ ہوگا اور یہ جائز ہے۔

امام طحاوی بے شک حنفی تھے مگر وہ ایک بلند پایہ محقق بھی تھے۔ سو انہوں نے جہاں جہاں اپنے امام سے یا حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد سے اختلاف کیا ہے وہ کسی ذاتی ضرورت یا سہولت کے لیے نہیں کیا آپ نے عوام کے مسائل میں صرف شرعی دلائل پر نظر کی اور اپنے امام کے اصولوں کی روشنی میں خود اپنے امام کی جزئیات میں ان سے اختلاف کیا۔ ظاہر ہے کہ اس میں ہوائے نفس کا کوئی دخل نہیں محض صحیح بات کو پالینے کی ایک مؤثر کوشش ہے۔ فقہاء حنفیہ اور ائمہ اصول نے کبھی اپنے پیروؤں پر مزید تحقیق کے دروازے بند نہیں کیے۔

علامہ شامی کا فتویٰ کہ مفقود الخبر کے بارے میں ہم امام مالک کا قول اختیار کرتے ہیں اپنی ذاتی سہولت اور آرام کے لیے نہیں، مصلحت امت کے لیے ایک علمی اور فکری کوشش ہے اور یہ کوشش بھی ان کا کوئی انفرادی فیصلہ نہیں اونچے درجے کے اور علماء بھی ان کے ساتھ ہیں۔

(نوٹ) فقہائے احناف ایسے اہم اقدامات اپنی انفرادی رائے سے نہیں کرتے وہ ایسے مسائل کا فیصلہ امت کے دوسرے علماء اعلام کے ساتھ مل کر کرتے ہیں۔

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کی اپریل اور مئی کی حالیہ اشاعتوں میں محقق اور مفتی مجتہد کے عنوان سے ایک جامع مضمون شائع ہوا ہے ہم ذیل میں اس کا ایک اقتباس بھی نقل کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ احناف نے اپنے علمی حلقوں میں کبھی کسی پر تحقیق مزید کا دروازہ بند نہیں کیا ہے۔ یہ اقتباس اس عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔

''مقلد محقق کا تفرد''

کسی مسئلے میں اپنے امام کا کوئی قول صراحت کے ساتھ موجود ہو مگر عالم محقق کو اپنے امام کے مخالف کوئی حدیث نظر آجائے یا اپنے امام کے مختلف اقوال میں سے کسی قول مرجوح کی دلیل مضبوط نظر آئے یا دوسرے امام کے قول کی دلیل زیادہ قوی معلوم ہو اور وہ اپنے امام کے قول کو چھوڑ کر اس حدیث پر عمل کرے یا قول مرجوع پر عمل کرے یا دوسرے امام کے قول کو چھوڑ کر جانب مخالف کو اختیار کر لیتا ہے تو اس کو اصطلاح میں مقلد محقق کا تفرد کہا جاتا ہے اور عالم محقق کو اس طرح کا تفرد اختیار کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ مگر یہ حق محقق کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں اور اس طرح تفرد اختیار کر لینے کی وجہ سے اس کو امام کے مذہب سے خارج بھی نہیں سمجھا جائے گا۔

> **ولا یخفی ان ذلک لمن کان اھلا للنظر فی النصوص ومعرفۃ محکمھا من منسوخھا.** (ردالمختار شامی جلد ۱، ص ۶۷)
>
> ترجمہ: اور یہ بات کوئی چھپی نہیں کہ یہ اجازت صرف اسی کو ہے جو اس درجے کا عالم ہو کہ نصوص پر غور کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور ان کے محکم اور اس کے منسوخ کو پہچانتا ہو۔

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ تمام علماء اعلام اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اجتہادی امور میں مجتہد مصیب ایک ہی ہے سب نہیں ورنہ کسی محقق کو بھی اپنے امام کے قول سے نکلنا جائز نہ ہوتا۔ اب آگے ہم اس مسئلے پر ذرا تفصیل سے بات کریں گے۔

حق عنداللہ کے اعتبار سے ایک ہی مجتہد مصیب ہے

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

یہ اللہ سبحانہ وتعالی کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں فروع اعمال میں مختلف طریقوں کی وسعت بخشی لیکن یہ سب باعتبار عمل ہے کہ ہر مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مجاز ہے مگر اس پر اسے اجر ملے گا (ایک یا دو) سو عملا سب حق پر ہیں اور اجر میں ان کا حق بنتا ہے گو ان کا اجتہاد اپنی پوری کوشش کے باوجود ٹھیک نشانہ پر نہ بیٹھا ہو۔

حق عنداللہ کے اعتبار سے ایک مجتہد مصیب ہوتا ہے اسے دو اجر ملتے ہیں اور وہی اصل میں شریعت کی آواز ہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ۱۳۳۶ھ میں اس عنوان پر کہ حق عنداللہ کے اعتبار سے ایک ہی مجتہد مصیب ہوتا ہے ایک نہایت بلند پایہ مضمون لکھا تھا افادہ عام کے لیے اس کے چند بیانات ہم یہاں ہدیہ قارئین کیے دیتے ہیں۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

> خوب محفوظ رکھنا چاہیے کہ باوجود یکہ حق عنداللہ کے اعتبار سے ہر ایک مسئلہ میں کوئی ایک ہی مجتہد مصیب ہوتا ہے لیکن عملا سب حق پر ہیں یعنی حق تعالی شانہ نے یہ وسعت دی ہے کہ یہ مجتہد اپنے اجتہاد کے اوپر عمل کرے اگر چہ اس کا اجتہاد باوجود پوری کوشش کے ٹھیک نشانہ پر نہ بیٹھا۔
>
> تمثیلا یوں سمجھو کہ کعبہ نفس الامر میں ایک معین مکان کا نام ہے اور اس کا استقبال شریعت نے نماز میں ضروری قرار دیا ہے فول وجھک شطر المسجد الحرام۔ لیکن جس وقت سمت کعبہ ٹھیک معلوم نہ ہو تو بعد تحری کے جو سمت معین ہو اس کا استقبال قبول صلوۃ

کے لیے کافی سمجھا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہماری تحری جس طرف ہو ضروری نہیں کہ نفس الامر میں خانہ کعبہ بھی اسی طرف منتقل ہو جائے پس یہ خدا کی رحمت اور انعام ہے کہ اگر چہ واقع میں مستقبل قبلہ وہی شخص ہے جس کا رخ ٹھیک کعبہ کی طرف ہو مگر تاہم دوسری طرف منہ کرنے والوں کو بھی توسعا اور حکما مستقبل کعبہ تسلیم کیا گیا ہے۔ تو باعتبار کعبہ نفس الامری اور حکم اولی کے تو فقط ایک ہی شخص مصیب ہے اور سب مخطی لیکن باعتبار قبول صلوۃ اور امتثال امر ثانی کے سب مصیب ہیں۔ یہی مطلب ہے حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم کا اگر وہ صحیح طور پر ثابت ہو جائے اور نیز حضرت الشیخ الاجل محدث گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کی اس عبارت کا جو سبیل الرشاد ص۳۲ میں ہے۔

پس ہر چند کہ عند اللہ محل اختلاف میں حق واحد ہوتا ہے مگر عمل میں سب حق ہوتے ہیں" اور یہی محمل ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اس اشارہ کل مجتھد مصیب والحق عنداللہ واحد اور امام ابو یوسفؒ کے اس کلام کا کل مجتھد مصیب وان کان الحق فی واحد فمن اصابہ فقد اصاب الحق ومن اخطاہ فقد اخطاہ۔

(التقریر والتحبیر جلد۳، ص۳۰۸ مصری)

حضرت امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ان نصوص کو ہمیشہ یاد رکھیئے جن سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب اور دیگر اہل سنت سے جو بعض شاذ اقوال ہر مجتہد کے تصویب کی نسبت ان کے مشہور و معروف مذہب المجتھد یخطی ویصیب کے خلاف منقول ہیں وہ فی الحقیقت ان کے اصل مذہب کے خلاف نہیں ہیں۔ تعجب ہے کہ امام عبدالوہاب شعرانی نے بھی میزان کبری میں بیشتر اس قسم کے اقوال کی سطح سے مدد لی ہے۔ اس جگہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ چند نقول مستند کتابوں کی آپ کے سامنے پیش کر دوں جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ اصل مذہب جمہور اہلسنت والجماعت اور ائمہ اربعہ کا یہی ہے کہ اجتہادیات میں حق عنداللہ واحد ہے اور اسی بناء پر ہر مجتہد مصیب بھی ہو سکتا ہے اور مخطی بھی چنانچہ تحریر الاصول اور اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

والمختار ان حکم الواقعة المجتهد فیها حکم معین اوجب طلبه فمن اصابه فهو المصیب ومن لایصیبه فهوالمخطی ونقل هذا عن الائمة الاربعة ابی حنیفة ومالک والشافعی واحمد وذکر السبکی ان هذا هوا لصحیح عندهم بل نقل الکرخی عن اصحابنا جمیعا ولم یذکرالقرافی عن مالک غیره وذکر السبکی انه الذی حرره اصحاب الشافعی عنه وقال ابن السمعانی ومن قال عنه غیره فقد اخطا.

(شرح تحریر الاصول جلد۳،ص۳۰۶)

ترجمہ: مذہب مختار یہ ہے کہ ہرواقعہ مجتہد فیہا میں ایک حکم معین ہوتا ہے جس کی تلاش خدا کی طرف سے لازم کی گئی ہے بس جس مجتہد نے اس حکم کو پالیا مصیب ہے اور جو نہ پاسکا وہ مخطی ہے۔ چنانچہ یہی خیال چاروں اماموں (ابوحنیفہ مالک شافعی احمد رضی اللہ عنہم) کا ہے اور سبکی نے لکھا ہے کہ یہی رائے ائمہ اربعہ کے نزدیک صحیح ہے بلکہ کرخی نے تو ہمارے تمام اصحاب (حنفیہ) سے یہی خیال نقل کیا ہے اور قرافی نے اس کے سوا امام مالک سے کوئی قول نقل نہیں کیا اور سبکی نے ذکر کیا ہے کہ یہی وہ قول ہے جس کو امام شافعی کے اصحاب نے امام شافعی سے منقح کر کے لکھا ہے اور ابن السمعانی نے فرمایا کہ جس کسی نے امام شافعی سے اس کے سوا دوسرا قول نقل کیا اُس نے خطا کی۔

شیخ شمس الدین ابن القیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں:۔

وقد صرح الائمة الاربعة بان الحق فی واحد من الا قوال المختلفة ولیست کلها صوابا۔ (اعلام الموقعین جلد۳،ص۳۱۰)

ترجمہ: اور ائمہ نے تصریح کی ہے کہ اقوال مختلفہ میں سے ایک ہی قول حق ہوتا ہے یہ نہیں کہ سب کے سب قول درست ہوں۔

حافظ ابن تیمیہؒ فتاوی میں لکھتے ہیں:۔

(المقام الاول) هل لله فى كل حادثة تنزل حكم فى نفس
الامر بمنزلة مالله قبلة معينة هى الكعبة وهى مطلوب
المجهتدين عند الا شتباه فالذے عليه السلف وجهور
الفقهاء واكثر المتكلمين اوكثيرمنهم ان لله فى كل حادثة
حكما معينا قدسميناه عفوا لكن اكثراصحاب ابى حنيفة
وبعض المعتزلة يسمون هذا الاشبه ولا يسمونه حكما وهم
يقولون ماحكم الله به لكن لوحكم لما حكم الابه فهو
عندهم فى نفس الامرحكم بالقوة وحدث بعدالمائة الثالثة
فرقة من اهل الكلام زعمواان ليس عند الله حق معين
هومطلوب المستدلين الافيما فيه دليل قطعى يتمكن
المجتهد فى معرفته فاما مافيه دليل قطعى لايتمكن من
معرفته اوليس فيه الادلة ظنية فحكم الله على كل مجتهد
ماظنه وترتب الحكم على الظن لترتب اللذة على الشهوة
فكما ان كل عبديلتذ بدرك مايشتهيه وتختلف اللذات
باختلاف الشهوات كذلک كل مجتهد حكمه ماظنه
وتختلف الاحكام ظاهرا وباطنا باختلاف الظنون وزعمواان
ليس على الظنون ادلة كادلة العلوم وانما تختلف باختلاف
احوال الناس وعاداتهم وطباعهم وهذاقول خبيث
يكادفساده يعلم بالا ضطرار عقلا وشرعا وقوله صلى الله
عليه وسلم فلا تنزلهم على حكم الله فانک لاتدرى ما
حكم الله فيهم وقوله لسعد لقد حكمت فيهم بحكم الله
من فرق سبعة ارقعة وقول سليمان اللهم انى اسئلک حكما
يوافق حكمک كله يدل على فساد هذا القول مع كثرة

الادلة السمعية و العقليه علی فسادہ. (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد۳، ص۱۷۷)

ترجمہ: پہلی بحث یہ ہے کہ ہرایک حادثہ جو پیش آئے خدا کی طرف سے کوئی ایک حکم معین ایسا ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو ایک معین قبلہ بنادیا ہے جس کو اشتباہ کے وقت مجتہدین معلوم کرنا چاہتے ہیں تو سلف صالحین اور جمہور فقہاء اور اکثر متکلمین یا یوں کہہ لو کہ بہت سے متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ حادثہ میں خدا کا حکم معین ہے جس کا نام ہم نے عثور رکھا ہے اور اکثر حنفیہ اور بعض معتزلہ اس کو اشبہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس کو وہ حکم نہیں کہتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ گو خداوند تعالیٰ نے اس حادثہ میں صاف حکم نہیں فرمایا لیکن اگر وہ حکم دیتے تو اس کے سوا حکم نہ دیتے تو ان لوگوں کے نزدیک نفس الامر میں حکم معین ہے مگر بالقوۃ پھر تیسری صدی کے بعد ایک جماعت متکلمین کی ایسی پیدا ہوئی جس کا یہ خیال ہے کہ بجز ان مسائل کے جن کے واسطے کوئی ایسی دلیل قطعی پہلے سے موجود ہو جس کی معرفت پر مجتہد پوری طرح قادر ہے باقی تمام مسائل میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی حکم معین نہیں تو جن مسائل میں کوئی دلیل قطعی پہلے سے موجود تھی مگر مجتہد اس کی معرفت پر قادر نہ تھا یا سرے سے بجز ادلہ ظنیہ کے کوئی دلیل قطعی موجود ہی نہ تھی تو ایسی صورت جس میں مجتہد نے جو رائے اپنے اجتہاد سے قائم کی بس خدا کے نزدیک بھی مسئلہ کا حکم وہی ہے اور اس تقدیر پر مجتہد کی رائے پر حکم کا ترتب ایسا ہی ہوگا جیسا کہ لذت کا مرتب شہوت پر ہوتا ہے تو جیسا کہ ہر آدمی کی جو خواہش ہو اسی کے حاصل ہونے سے اس کو لذت حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کی خواہش کے اختلاف سے لذات بھی مختلف ہوتی ہیں اسی طرح ان لوگوں کے نزدیک کسی مجتہد نے جو خیال کسی مسئلہ میں کرلیا خدا کا حکم بھی اس کے لیے وہی ہے اور مجتہد کے خیالات کے اختلاف سے احکام خداوندی بھی ظاہرا و باطنا مختلف ہوں گے۔ اور

ان لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مسائل ظنیہ میں دلائل کا حال وہ نہیں جو مسائل یقینیہ میں ہوتا ہے اور ظنیات لوگوں کے حالات و عادات اور طبائع کے اختلاف سے مختلف رہتے ہیں۔ (حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں) کہ اس جماعت کا خیال ایک گندہ خیال ہے جس کا فساد اور بطلان از روئے عقل بھی اور از روئے شریعت بھی بے ساختہ طور پر معلوم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ان کو اللہ کے حکم پر مت اتارو کیونکہ تم کو کیا معلوم ہے کہ اللہ کا حکم ان کے بارے میں کیا ہے اور نیز آپ کا وہ ارشاد جو آپؐ نے حضرت سعدؓ کو فرمایا کہ بلاشبہ تو نے ان کے بارے میں وہ فیصلہ کیا جو حق تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کیا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ سوال کہ اے اللہ! میں تیرے سے ایسے حکم کا خواستگار ہوں جو تیرے حکم کے مطابق ہو یہ سب باتیں بہت سی ادلہ عقلیہ اور سمعیہ کی معیت میں اس خیال کے بطلان کی رہنمائی کرتی ہیں۔

شیخ محی الدین نوویؒ لکھتے ہیں:۔

وقد اختلف العلماء فی ان کل مجتهد مصیب ام المصیب واحدو هو من وافق الحکم الذی عنداللّٰه تعالی والا خر مخطئ لااثم علیه لعذره والاصح عندالشافعی واصحابه ان المصیب واحد. (نووی جلد۲، ص۱۶۹ شرح مسلم)

ترجمہ: اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا (مسائل مختلف فیہا میں) ہر ایک مجتہد مصیب ہے یا فقط وہی ایک۔ اور وہی جس کی رائے اس حکم کے موافق ہو جائے جو اللہ کے نزدیک پہلے سے متعین ہے مصیب ہے دوسرا مخطی ہوگا لیکن گنہگار نہ ہوگا کیونکہ وہ معذور تھا تو امام شافعی اور ان کے پیروؤں کا صحیح ترین مسلک یہی ہے کہ مصیب کوئی ایک ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ انما انا بشر وانه یاتینی الخصم لعل بعضکم ان

یکون ابلغ من بعض ...... الحدیث کے تحت لکھتے ہیں:۔

وفیه ان المجتهد قدیخطی ویرد به علی من زعم ان کل مجتهد مصیب وفیه ان المجتهد اذا اخطا لایلحقه الم بل یوجر کما سیاتی. (فتح الباری جلد ۱۳، ص ۱۳۲)

ترجمہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مجتہد سے کبھی کبھی خطا بھی ہوتی ہے تو یہ حدیث صحیح ان لوگوں کی رد میں پیش کی جائے گی جو کہتے ہیں کہ ہر ایک مجتہد مصیب ہی ہوتا ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہد اگر خطا بھی کرتا ہے تب بھی گنہگار نہیں ہوتا بلکہ ماجور ہوتا ہے جیسا کہ اس کا باب آگے آئے گا۔

اور باب مایذ کر من ذم الرای میں تحریر فرماتے ہیں:۔

والی هذا یومی قول الشافعی فیما اخرجه البیهقی بسند صحیح الی احمدبن حنبل سمعت الشافعی یقول القیاس عند الضرورة ومع ذلک فلیس العامل برائه علی ثقة من الله وقع علی المراد من الحکم فی نفس الامر وانما علیه بذل الواسع فی الاجتهاد لیوجرولو اخطا وبالله التوفیق.

(ایضاً ص ۲۴۵)

ترجمہ: اور اسی کی طرف اس قول میں اشارہ موجود ہے جو بیہقی نے بسند صحیح بحوالہ امام احمد بن حنبل نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے امام شافعی کو یہ کہتے سنا کہ قیاس ضرورت کے وقت جائز ہے مگر ساتھ ہی قیاس اور رائے پر عمل کرنیوالے کو یہ وثوق نہیں ہوسکتا کہ اس کی رائے ٹھیک اس حکم پر جا پہنچی ہو جس کا فی الواقع حق تعالی نے ارادہ فرمایا ہے بس اس کا کام تو اتنا ہی ہے کہ اجتہاد میں اپنی پوری طاقت صرف کر کے ثواب حاصل کرے خواہ وہ اس اجتہاد میں مخطی کیوں نہ ہو۔

پھر باب اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب او اخطا میں اذا حکم الحاکم

فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد ثم اخطا فله اجر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ای ظن ان الحق فی جهته فصادف ان الذی فی نفس الامر بخلاف ذلک فالاول له اجران اجرالاجتهاد واجرالاصابة والاخر له اجرالا جتهاد فقط وقد تقدمت الاشارة الی وقوع الخطاء فی الاجتهاد فی حدیث ام سلمة انکم تختصمو ن الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجته من بعض. (فتح الباری جلد۳،ص ۳۶۸)

ترجمہ: یعنی مجتہد نے خیال کیا کہ حق اس طرف ہے اور اتفاق ایسا ہوا کہ نفس الامر میں حق اس کے جانب مخالف میں تھا تو پہلے مجتہد کو فقط اجتہاد کا ثواب ملے گا باقی یہ کہ اجتہاد میں خطا بھی واقع ہوتی ہے اس کی طرف ام سلمہؓ کی حدیث انکم تختصمون الی کے تحت میں اشارہ کیا جاچکا ہے۔

پھر ابوبکر ابن العربی کا یہ قول نقل فرمایا ہے:۔

تعلق بهذا الحدیث من قال ان الحق فی جهة واحدة للتصریح بتخطئة واحدة لا بعینه

ترجمہ: اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حق کسی ایک ہی طرف ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں لاعلی التعین کسی ایک کے تخطیہ کی تصریح موجود ہے۔

اس کے بعد حافظ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک قول علامہ مازری کا نقل کیا ہے جس کو میں ذیل میں درج کروں گا۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو لوگ حق عنداللہ واحد مانتے ہیں اور المجتهد یخطی ویصیب کے قائل ہیں وہ جیسا کہ اس مسئلہ معینہ کے اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس خاص مسئلہ میں حق عند اللہ ایک جانب ہے اسی طرح مجموعہ مسائل اجتہاد کے لحاظ سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حق عنداللہ فریقین کے اندر منحصر ہے یعنی دونوں سے باہر نہیں

اگر بعض مسائل میں ایک مجتہد مصیب اور دوسرا مخطی ہے تو دوسرے بعض مسائل میں اس کا عکس ہوگا اس اعتبار سے حق جانبین میں رہے گا بلکہ خاص ایک معین مسئلہ کے اعتبار سے بھی اگر الحق فی الطرفین کا اطلاق کردیں تو اس معنی سے صادق ہوسکتا ہے کہ حق ان دونوں سے خارج نہیں بلکہ انہیں دونوں میں منحصر اور دائر ہے اگرچہ تعیین مخطی اور مصیب کا بشخصہ نہ کیا جاسکے۔ پس علامہ مازری کے سیاق عبارات میں تامل کرنے سے ان شاء اللہ تعالی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس مذہب کی انہوں نے الحق فی الطرفین کے عنوان سے نقل کیا ہے وہ یہی مذہب ہے جو مجتہد کو مخطی اور مصیب دونوں تسلیم کرتا ہے کیونکہ جیسا کہ آپ عبارت میں ملاحظہ فرمائیں گے اس کے مقابل میں وہ دوسری جماعت قائم کررہے ہیں جس کا مسلک کل مجتہد مصیب ہے اور اسی ترتیب سے پھر دلائل بیان کیے ہیں چنانچہ حافظ لکھتے ہیں:۔

قال المازری تمسک به (ای بالحديث اذاحكم الحاكم فاجتهد) كل من الطائفتين من قال ان الحق في الطرفين ومن قال ان كل مجتهد مصيب اما الاولى فلانه لوكان كل مصيبا لم يطلق على احد هما الخطاء لاستحالة النقيضين فى حالة واحدة واما المصوبة فاحتجوا بانه صلى الله عليه وسلم جعل له اجرافلو كان لالم يصب لم يوجراواجابوا عن اطلاق الخطاء فى الخبر على من ذهل عن النص اواجتهد فيما لايسوغ الاجتهادفيه من القطعيات فيما خالف الاجماع فان مثل هذا ان اتفق له الخطأ فيه نسخ حكمه وفتواه ولواجتهد بالاجماع وهوالذى صح عليه اطلاق الخطأ واما من اجتهد فى قضية ليس فيها نص ولا اجماع فلا يطلق عليه الخطأ واطال المازرى فى تقرير ذلك والانتصار له وختم كلامه بان قال ان من قال ان الحق فى الطرفين هو قول اكثر اهل التحقيق من الفقهاء و المتكلمين وهو مروى عن الائمة الاربعة وان حكى عن كل منهم اختلاف فيه (فتح الباری جلد ۱۳، ص ۲۶۹)

ترجمہ: علامہ مازری نے فرمایا کہ اس حدیث (اذا حکم الحاکم فاجتھد الخ) سے دونوں فریق استدلال کرتے ہیں وہ بھی جو یہ کہتا ہے کہ حق دونوں طرف دائر ہے (کسی مسئلہ میں اس طرف ہوتا ہے اور کسی مسئلہ میں اس طرف) اور وہ بھی جس کے نزدیک ہر مجتہد مصیب ہے (یعنی حق ہرایک مسئلہ میں اس طرف بھی ہے اور اس طرف بھی)۔ پہلا فریق کہتا ہے کہ اگر ہر مجتہد مصیب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پر خطا کا اطلاق کیوں فرماتے حالانکہ دو نقیضین (خطا اور صواب) ایک حالت میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اور دوسرا فریق جو ہرایک مجتہد کی تصویب کرتا ہے اس کا ماخذ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کے واسطے بھی ایک ثواب مقرر فرمایا ہے اور اگر وہ مصیب نہ ہوتا تو ثواب بھی نہ ملتا باقی حدیث میں جو لفظ خطا کا اطلاق واقع ہوا ہے اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ ان صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جن میں کوئی نص موجود تھی اور مجتہد کو اس سے ذہول ہوا یا اس نے کسی ایسے مسئلہ میں اجتہاد کیا جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ تھی مثلاً وہ قطعیات جن کے انکار سے اجماع کی مخالفت ہوتی ہو پس اگر اس قسم کی غلطی مجتہد سے اتفاقاً ہوجائے تو اس کا حکم اور فتویٰ بالاجماع ناقابل عمل ہے اگرچہ اس نے پوری ہمت سے اجتہاد کیا ہو اور اسی قسم کی غلطی پر خطا کا اطلاق کرنا صحیح ہے باقی جس مجتہد نے کسی ایسے معاملے میں قیاس کیا جو نہ منصوص ہے اور نہ مجمع علیہ ہے اس پر خطا کا اطلاق صحیح نہیں۔ اس کے بعد مازری نے اس مسلک کی تقریر اور حمایت میں طویل کلام کرنے کے بعد ان الفاظ پر اپنے بیان کو ختم کیا ہے کہ فقہاء اور متکلمین میں سے اکثر اہل تحقیق کا یہی قول ہے کہ حق طرفین میں دائر ہے اور یہی مذہب ائمہ اربعہ سے منقول ہے اگرچہ ان سے اس بارہ میں کچھ اختلاف بھی نقل کیا گیا ہے۔

پس اس عبارت میں الحق فی الطوفین کا لفظ دیکھ کر یہ شبہ نہ پیدا ہونا چاہیے کہ علامہ مازری سب مصنفین کے خلاف اور فقہاء و متکلمین اور ائمہ اربعہ سے تعدد حق کا قول نقل کر رہے ہیں کیونکہ جیسا کہ میں نے گزارش کیا وحدت حق کے ماننے والوں سے بھی اپنے مذہب کے بیان کرنے میں اس عنوان (الحق فی الطرفین) کا اختیار کر لینا چنداں مستبعد نہیں ہے خصوصا جبکہ سیاق وسباق سے اس کی کافی تشریح ہوسکتی ہو اور بالفرض اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کو شبہ گزرتا ہے تو یہ نقل تمام مصنفین کی نقل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

الغرض ہمارے اوپر کے بیان سے جمہور اہل سنت کا مسلک آپ کو معلوم ہو گیا کہ باعتبار حکم نفس الامری اور حق عنداللہ کے مجتہد مخطی بھی ہوتا ہے اور مصیب بھی بالخصوص جب کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ مسائل منصوصہ میں حق عنداللہ واحد ہوتا ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ان الحکم الاللہ کے اقتضاء کے موافق قیاس مظہر حکم ہے مثبت حکم نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مجتہد فیہ مسائل میں جو کہ عندالتامل شارع ہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں وحدت حق کا انکار کیا جاوے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ عقد الجید میں جس کے ابتدائی صفحات ہماری معروضات کے خلاف شبہات پیدا کر سکتے ہیں آپ لکھتے ہیں:۔

واذا تحقق عندک مابینا ہ علمت ان کل حکم یتکلم فیه المجتهد باجتهاده منسوب الی صاحب الشرع علیه الصلوة والسلام اما الی لفظه اوالی علة ماخوذة من لفظه واذا کان الامر علی ذلک ففی کل اجتهاد مقامات احدهما ان صاحب الشرع هل اراد بکلامه هذا المعنی اوغیره وهل نصب هذه العلة مدارافی نفسه حین ماتکلم بالحکم المنصوص علیه اولافان کان التصویب بالنظر الی هذا المقام فاحد المجتهد ین لابعینه مصیب دو ن الا خر وثانیهما ان من جملة احکام الشرع انه صلی اللّٰه علیه وسلم عهد الی امته صریحا اودلالة انه متی إختلف علیهم نصوصه اواختلف علیهم معانی نص من نصوصه فهم

ماموررون بالاجتهاد واستفراغ الطاقة فی معرفته ماهو الحق منه فاذا تعین عند مجتهد شیٔ من ذلک وجب علیه اتباعه کما عهد الیهم انه متی اشتبه علیهم القبلة فی اللیلة الظلماء یجب ان یتحر وا ویصلوا الی جهة وقع بحریهم علیها فهذا حکم الشرع بوجود التحری کما علق وجوب الصلوة بالوقت وکما علق تکلیف الصبی ببلوغه فان کان البحث بالنظر الی هذا المقام نظرفان کانت المسئلة مما ینقض فیه اجتهاد المجتهد فاجتهاده باطل قطعا وان کان فیهاحدیث صحیح وقد حکم بخلافه فاجتهاده باطل ظنا وان کان المجتهد ان جمیعاقد سلکا ماینبغی لهما ان یسلکا ه ولم یخالفا حدیثا صحیحا ولا امرا ینقض اجتهاد القاضی والمفتی فی خلافه فهما جمیعا علی الحق (ای بالنظر الی المقام الثانی لماصرح فیما تقدم ان المصیب احد لابعینه بالنظر الی المقام الاول). (عقد الجید ص۳۴)

ترجمہ: اور جب کہ وہ باتیں جو ہم نے پہلے بیان کی ہیں تمہارے نزدیک محقق ہوگئیں تو تم نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ ہر ایک ایسا حکم جس پر مجتہد اپنے اجتہاد کی قوت سے کلام کرتا ہے وہ منسوب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی طرف ہوگا، یا تو شارع کی صریح الفاظ کی طرف اس کی نسبت ہوگی اور یا کسی ایسی علت کی طرف جو شارع کے الفاظ سے نکالی گئی ہو۔ اور جب قصہ یوں ہے (کہ مجتہد کے بتائے ہوئے کل احکام شارع علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں یعنی یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ خود شارع نے تنقیحا یا تعلیلا یہ احکام دیئے ہیں) تو اب یہاں دو درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ آیا فی الحقیقت شارع نے اپنے کلام سے اسی معنی کا ارادہ کیا تھا جو مجتہد نے سمجھے ہیں یا اس کے سوا کوئی اور معنی مراد تھے اور آیا حکم منصوص، کا جب شارع نے تکلم فرمایا تو اپنے

دل میں اسی علت کو اس نے حکم کا مدار ٹھہرایا تھا جس کو مجتہد نے اب قرار دیا ہے یا اور کچھ تو اس درجہ میں کوئی ایک ہی مجتہد مصیب ہوسکتا ہے (یعنی جس کا اجتہاد شارع کی مراد اور مقصود کے موافق رہا ہو) دوسرا درجہ یہ ہے کہ منجملہ احکام شریعت کے ایک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتہ یا دلالتہ اپنی امت کو یہ وصیت فرمائی ہے کہ جب ان کو اپنے نبی کے نصوص مختلف معلوم ہوں یا ایک ہی نص کے معانی میں اختلاف پیش آئے تو وہ مامور ہیں کہ نبی کے دریافت کرنے میں اجتہاد سے کام لیں اور اپنی پوری طاقت اس میں صرف کریں اس کے بعد جب ایک مجتہد کے نزدیک کوئی ایک بات متعین ہوجائے تو اس پر اسی کا اتباع واجب ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ وصیت فرمائی ہے کہ جب اندھیری رات میں (مثلا) قبلہ مشتبہ ہوجائے تو اول خوب تحری کریں پھر جس طرف تحری سے قبلہ متعین ہو اسی طرف کو نماز پڑھ لیں تو یہ ایک ایسا حکم ہے جس کو شریعت نے تحری پر معلق رکھا ہے جس طرح نماز کی فرضیت وقت کے آنے پر معلق ہے اور کسی لڑکے کا مکلف ہونا اس کے بالغ ہونے پر موقوف ہے پس (اگر مجتہد کے مخطی اور مصیب ہونے کی بحث) اس درجہ میں آکر ہو تو دیکھا جائے گا کہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے تو نہیں جن میں مجتہد کا اجتہاد ٹوٹ جاتا ہے اگر ایسا ہو تو اس کا اجتہاد قطعا باطل ہوگا اور اگر اس مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح تھی اور مجتہد کا حکم اس کیخلاف ہو تو ظن غالب یہ ہے کہ اس کا اجتہاد باطل ہے اور اگر دونوں مجتہد اس مسلک پر چلے جس پر ان کو چلنا چاہیے تھا اور کسی حدیث صحیح کی انہوں نے مخالفت بھی نہیں کی اور نہ کسی ایسے امر کا خلاف کیا جس کے خلاف میں قاضی اور مفتی کا اجتہاد قائم نہیں رہ سکتا تو اس صورت میں دونوں مجتہد حق پر ہوں گے (یعنی باعتبار درجہ ثانیہ کے کیونکہ درجہ اولی کے اعتبار سے تو کسی ایک مجتہد

کے مصیب ہونے کی تصریح پہلے ہو چکی ہے)۔
شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اخبران الحاکم المجتهد المخطی له اجرو المصیب له اجران ولو کان کل منهما اصاب حکم اللّٰہ باطنا وظاهرا لکان سواء ولم ینقض حکم الحاکم والمفتی اذاتبین ان النص بخلافه وان کان لم یبلغه من غیر قصور ولا تقصیر ولما قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فانک لاتدری ماحکم اللّٰہ فیهم ولما قال لسعد لقد حکمت فیهم بحکم الملک ان کان کل مجتهد یحکم بحکم اللّٰہ تعالی وارتفاع اللوم بحدیث المختلفین فی صلوة العصر فی بنی قریظة وحدیث الحاکم.

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۳، ص ۱۷۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو آگاہ فرمایا کہ حاکم مجتہد جب مخطی ہو تو اس کے لیے ایک اجر ہے اور مصیب ہو تو دو اجر ہیں اور اگر دونوں مجتہدین سے ہر ایک کی رسائی ظاہر او باطنا ٹھیک ٹھیک اللہ تعالی کے حکم تک ہو جاتی تو پھر دونوں کا اجر بھی مساوی ہوتا اور حاکم اور مفتی کا قول اس صورت میں نہ ٹوٹ سکتا جب کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نص صریح اس کے خلاف ہے مگر مجتہد اس کو نہیں پہنچے باجود یکہ اس کی طرف سے کسی قصور اور کوتاہی کا اظہار نہیں ہوا اور اگر ہر مجتہد کا حکم اللہ ہی کا حکم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ارشاد نہ فرماتے کہ تو نہیں جانتا کہ اللہ کا حکم ان کے بارے میں کیا ہے حضرت سعدؓ سے یوں خطاب نہ فرماتے کہ تو نے ان کے متعلق وہ فیصلہ کیا جو بادشاہ کا فیصلہ تھا (باقی جب کہ دو مجتہدوں میں سے کوئی ایک خطا پر ہوا تو مخطی پر کچھ ملامت کیوں نہیں ہو سکتی) اس کا جواب اس حدیث میں ہے جس کے اندر عصر کی نماز بنی قریظہ میں پڑھنے نہ

پڑھنے کی بابت صحابہ کرامؓ کا اختلاف بیان ہوا ہے۔
اور شیخ ابن ہمامؒ تحریر اصول میں لکھتے ہیں:۔

بل الدليل اطلاق الصحابة الخطأ في الاجتهاد شائعا متكررا بلانكير كعلي وزيد بن ثابت وغيرهما من تخطئة ابن عباس في ترك العول وهو اي ابن عباس خطأهم في القول به وقول ابي بكر في الكلالة اقول برأي فان يكن صوابا فمن الله وان يكن خطأ فمني ومن الشيطان وعن ابن مسعود مثل قول ابي بكر ففي سنن ابي داؤد عنه فان يك صوابا فمن الله وان يك خطأ فمني ومن الشيطان والله ورسوله بريان وقول عمر في المحيضة ان كان قد اجتهد فقد اخطأ عثمان و عبدالرحمن بن عوف اه مع حذف وزيادہ۔ (تحریر الاصول جلد۳،ص۳۰۹)

ترجمہ: بلکہ بڑی دلیل مجتہد کے مخطی ہونے کی یہ ہے کہ صحابہ صراحۃ خطأ فی الاجتہاد کا اطلاق کرتے تھے اور باوجودیکہ یہ بات ان میں عام تھی لیکن کسی صحابی کا اس پر انکار کرنا مسموع نہیں ہوا دیکھو ترک عول کے مسئلہ میں حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خطاء پر بتلایا اور ابن عباسؓ عول کے قائل ہونے پر ان حضرات کا تخطیہ کرتے تھے اور کلالہ کے مسئلہ میں حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ میں اپنی رائے سے بیان کرتا ہوں اور اگر وہ درست ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور درست نہ ہو تو میری طرف سے اور شیطان کے دخل سے ہے اور اسی طرح کا قول ابن مسعودؓ کا سنن ابی داؤد میں موجود ہے کہ اگر یہ مسئلہ صحیح ہے تو حق تعالی کی ہدایت سے ہے ورنہ اس کو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے سمجھو کیونکہ اللہ اور اس کا رسول ایک غلط بات سے بری ہیں اور فاروق اعظمؓ نے محیضہ کے مسئلہ میں فرمایا کہ اگر عثمانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اجتہاد کیا ہے تو ان سے اس

اجتہاد میں غلطی ہوئی۔

آخر میں یہ بتلانا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ باوجودیکہ چاروں امام وحدت حق کے قائل ہیں اور المجتهد یخطی ویصیب کے مدلول کو صحیح جانتے ہیں لیکن کسی مجتہد پر جھٹ پٹ تخطی کا لفظ استعمال کرنے کو نازیبا اور خلاف احتیاط سمجھتے ہیں چنانچہ اس بارہ میں جو تفصیل وتفتیش حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ہے اس کا ایک اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے۔

قال الامام احمد من رواية محمد بن الحكم وقد ساله عن الرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اذااختلفت فاخذ الرجل باحد الحديثين فقال اذا اخذ الرجل بحديث صحيح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم واخذ اخر بحديث ضده صحيح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال الحق عند الله واحد وعلى الرجل ان يجتهد وياخذ احد الحديثين ولايقول لمن خالفه انه مخطى اذا اخذ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وان الحق فيما اخذت به انا وهذا باطل ولكن اذاكانت الرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم صحيحة فاخذ بهارجل واخذ اخرعن رسول الله صلى الله عليه وسلم واحتج بالشئ الضعيف كان الحق فيما اخذ به الذى احتج بالحديث الصحيح وقد اخطأ الاخر فى التاويل مثل لا يقتل مومن بكافروا حتج بحديث السلمانى قال فهذا عندى يخطى والحق مع من ذهب الى حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم لايقتل مومن بكافرواذا روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حديث واحتج رجل عن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كان قد اخطأ التاويل وان حكم به حاكم ثم رفع الى حاكم اخررد الى حكم رسول الله صلى الله عليه وسلم واذا اختلف اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم واخذ

اخر عن رجل اخر من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فالحق عنداللّٰہ واحد وعلی الرجل ان یجتھد وھو لایدری اصاب الحق ام اخطاء وھکذا قال عمرواللّٰہ مایدری عمر اخطأ ام اصاب ولکن انما کان رایامنہ قال احمد واذا اختلف اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واخذ اخر بقول التابعین کان الحق فی قول اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومن قال بقول التابعین کان تاویلہ خطأ والحق عند اللّٰہ واحد.

(فتاوٰی ابن تیمیہ جلد۳،ص۱۷۴)

ترجمہ: محمد بن الحکم نے امام احمدؒ سے استفسار کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات مختلف ہوں اور کوئی آدمی ایک حدیث کو پکڑ لے تو اس صورت میں آپ کی کیا رائے ہے؟ امام احمدؒ نے فرمایا کہ جب ایک مجتہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے استدلال کرے اور دوسرا بھی اس کے مقابلہ پر دوسری صحیح حدیث سے استدلال کرتا ہے تو اگرچہ حق عند اللہ کسی ایک جانب میں ہے لیکن آدمی کا کام یہ ہے کہ پورے اجتہاد کے بعد ایک حدیث کو لے لے اور اپنے مخالف کی نسبت یہ نہ کہے کہ اس نے خطا کی اور حق یہی ہے کہ جو میں کہتا ہوں اور باقی سب باطل ہے کیونکہ اس کا مخالف بھی آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ہی اخذ کر رہا ہے ہاں اگر ایک حدیث صحیح ہو اور دوسری ضعیف تو بے کھٹکے کہا جائے گا کہ حق اس کی طرف ہے جو حدیث صحیح سے استدلال کرتا ہے اور حدیث ضعیف سے استدلال کرنے والا مخطی ہے مثلاً لایقتل مومن بکافر حدیث صحیح ہے تو اس کے مقابلہ میں جو سلمانی کی حدیث سے استدلال کرے گا وہ مخطی ہوگا اور اگر ایک مجتہد یا حاکم تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کر رہا ہے اور دوسرا

کسی صحابی کا قول پیش کرتا ہے تو اس دوسرے نے خطا کی اور اگر کسی حاکم نے اس دوسرے کے موافق فیصلہ کر دیا پھر اس کا مرافعہ کسی دوسرے حاکم کی عدالت میں کیا گیا ہے تو یہ دوسرا حاکم پہلے کے فیصلہ کو توڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی طرف لوٹا وے نہ اور اگر ایک شخص ایک صحابی کے قول کی سند پکڑتا ہے اور دوسرا دوسرے صحابی کے قول سے تو خدا کے نزدیک حق پر کوئی ایک ہے لیکن انسان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کو کام میں لائے اور اس وقت اس کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ خطا پر ہے یا صواب پر ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی فرمایا کہ عمرؓ نہیں جانتا کہ وہ خطا پر ہے یا صواب پر البتہ ایک رائے اس کی تھی (جو بیان کردی گئی) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص تو صحابہؓ کے اقوال سے استدلال کرتا ہے اور دوسرا اس کے جواب میں تابعین کے اقوال سے تو حق صحابہؓ کے اقوال کی طرف ہوگا اور اس وقت تابعین کے اقوال سے احتجاج کرنا غلطی ہوگا اور بہر حال حق اللہ کے نزدیک کسی ایک طرف ہے۔

امام احمد کے اس کلام سے اندازہ کرو کہ ایسے بڑے بڑے جلیل القدر اور رفیع المنزلۃ ائمہ یقین رکھنے کے باوجود کہ ہر مسئلہ میں حق صرف ایک ہو سکتا ہے پھر بھی اپنے مخالف کے تخطیہ میں کس قدر محتاط تھے چنانچہ جو کچھ بھی حسن ظن ائمہ کرام کی نسبت آج باقی ہے وہ ان ہی پاک بزرگواروں کی احتیاط اور بے تعصبی اور فراخ دلی اور حسن تادب کا نتیجہ ہے۔

(شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثانی کا یہ مضمون ...... آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔)

برّد اللّٰہ مضاجعھم ونور اللّٰہ قبورھم وافاض علینا شبابیب برکاتھم امین وقد بقی خبایافی الزوایاتر کنا ابرازھا مخافۃ التطویل واللہ یقول الحق وھویھدی السبیل وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل. فقط

وسعت مذاہب الفقہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے اصول وعقائد میں ہمیشہ ایک ہی بات کہی اور اپنی بات کبھی نہ بدلی لیکن فروع واعمال میں آپ نے کبھی مراحل کی راہ اختیار کی اور کبھی وسعت عمل کے دروازے کھولے۔ شراب کی حرمت کئی مرحلوں سے گزری، عورتوں کے لیے پردے کا حکم بعد میں ہوا، نماز میں انسانوں سے بات چیت بھی کچھ دیر بعد ممنوع ہوئی اور نماز میں بھی آپ نے کہیں کہیں مختلف پیرائے اختیار فرمائے۔ جن محدثین نے آپ کے سنن واعمال کو جمع کیا ہے انہوں نے فروع واعمال میں آپ کے ایک ایک عمل کی شہادت دی ہے اور اس موضوع پر آپ کے ایک ایک ارشاد کو نقل کیا ہے۔ محدثین اس راہ میں پوری دیانت سے چلے ہیں اور اسلام میں فروع واعمال کے مختلف پیرایوں نے کبھی باہمی تضاد اور فرقہ وارانہ خلاف کی صورت اختیار نہیں کی صحابہ کرامؓ نے آپ کے مختلف طریقوں کو اپنی اپنی پسند اور اپنی اپنی تطبیق سے اپنایا۔ اس موضوع کو ہم وسعت مذاہب الفقہ کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالی اپنے محبوب کریم کو نماز پڑھتے مختلف پیرایوں میں دیکھنا چاہتے تھے ایک پیرائے کی ایک یاد ہوتی ہے اور مختلف پیرایوں کی متعدد۔ اللہ تعالی چاہتے تھے کہ آپ کے عملوں کی زیادہ سے زیادہ شہرت ہو اور آپ کے اس امت میں زیادہ سے زیادہ تذکرے ہوں اس لیے اس نے آپ کو فروع واعمال میں وسعت کی لائن پر ڈالا اور محدثین نے آپ کی سنن پر مختلف احادیث لاکر اس وسعت کی تائید فرمادی۔

امام بخاری کی شہادت

امام بخاری حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے حضرت قاسم سے نقل کرتے ہیں:۔

قال القاسم رأینا انا سا منذادر کنا یوترون بثلث وان کلاً لواسع وارجو ان لا یکون بشئی منه باس. (صحیح بخاری جلد۱، ص۱۵۳)

ترجمہ: جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہم نے لوگوں کو تین وتر ہی پڑھتے پایا اور اس میں ہر طریقے کی وسعت ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ ان میں سے کسی طریق میں کوئی حرج نہ ہوگا۔

امام ترمذی کی شہادت

امام ترمذی اس بحث میں کہ نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں ناف کے اوپر یا نیچے، لکھتے ہیں۔

و کل ذلک واسع عندھم. (جامع ترمذی جلد۱، ص۳۴)

ترجمہ: صحابہؓ کے ہاں اس میں وسعت رہی ہے۔

امام نسائی کی شہادت

امام نسائی رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کی روایت کے آگے لکھتے ہیں ترک ذلک (سنن نسائی جلد۱، ص۱۱۷) (یعنی آپ نے اسے پھر چھوڑ دیا تھا) فقہ شافعی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے عمل کو اختیار کیا گیا ہے اور فقہ حنفی میں اس آخری عمل کو اور دونوں مکتب فکر میں اس مسئلے پر کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

دعاء قنوت وتروں میں رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں اس میں بھی وسعت ہے:۔

ان شاء قنت قبل الرکوع وان شاء بعده کل ذلک واسع والا شھر عن مالک القنوت قبل الرکوع. (نیل الاوطار جلد۱، ص۱۰۷)

اعدائے اسلام کا یہ پروپیگنڈہ آج کل عام ہے کہ ائمہ امت کے فقہی مسلک میں انتشار کا موجب ہیں لیکن یاد رکھیے کہ امت میں یہ انتشار مختلف فقہی مسالک سے ہرگز نہیں پڑا امت میں انتشار شیعہ، خوارج، جہمیہ قدریہ، مرجئہ اور کرامیہ کی راہ سے آیا ہے۔ یہ

فرقے اعتقادی الحاد پر قائم ہوئے ہیں نہ کہ فقہی اختلاف پر، اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ امت کا انتشار ائمہ اربعہ کے فقہی مسلک کی وجہ سے ہوا ہے وہ تاریخ اور علم حدیث سے خالی او بالکل فارغ ہے۔ فقہی اختلاف سے فرقے نہیں بنتے۔ مذاهب اربعہ چار فرقے نہیں ہیں یہ عمل کی چار مختلف راہیں ہیں اعتقاداً یہ چاروں اہل سنت والجماعۃ ہیں اور چاروں ایک ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے الردعلی الجہمیہ حضرت امام ابوداؤدؒ (۲۷۵ھ) نے فی ردالارجاء جیسے باب تو باندھے ہیں لیکن باب الردعلی الائمہ کہیں کسی نے نہیں باندھا نہ کہیں الردعلی المسالک الاربعہ کی تعبیر اختیار کی ہے۔

حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) نے باب جاء فی ترک الجهر ببسم الله الرحمن الرحیم کے فوراً بعد من رای الجهر ببسم الله الرحمن الرحیم کا باب باندھا۔ اسی طرح باب رفع الیدین عند ارکوع میں رفع یدین کرنے اور نہ کرنے دونوں طرح کی احادیث لائے ہیں رفع یدین کرنے کی احادیث روایت کر کے لکھتے ہیں:۔

وبهذا يقول بعض اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم ومن التابعين.

اور رفع یدین نہ کرنے کی حدیث روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم والتابعين وهوقول سفيان واهل الكوفة.

(ترمذی جلد ۱، ص ۳۵)

اس وقت ہم یہاں روایت کی بحث نہیں کر رہے بتانا یہ ہے کہ سلف میں (جس میں صحابہؓ اور تابعینؒ آتے ہیں) رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کے دونوں عمل جاری تھے لیکن اس اختلاف عمل سے ان میں کوئی انتشار پیدا نہ ہوا، مختلف علاقوں میں مختلف عمل رائج رہے اور ان سے امت میں انتشار کہیں نہ ہوتا تھا۔

اس طرح مختلف مسائل میں صحابہؓ کے اپنے اپنے مسلک تھے۔

دیکھئے صحیح مسلم شریف جلد ۲، ص ۳۳ کی شرح میں مذهب معاذ بن جبلؓ و معاویہؓ کے الفاظ مختلف مذاہب کا پتہ دیتے ہیں یا کسی انتشار کا؟ تابعین میں بھی یہ مسلکی

امتیاز ملتا ہے مگر ان کے ہاں اس اختلاف مسلک پر کوئی لڑائی نہیں ملتی۔

حضرت امام نوویؒ (۶۷۶ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

وهذا مذهب عمر بن عبد العزيز والاو زاعی وقال الحسن والنخعی وقتاده ومالک وابوحنيفه والشافعی وجماهير العلماء يصلی عليه. (نووی شرح مسلم جلد ا، ص ۳۱۴)

اس میں صریح طور پر کچھ اہل علم کا مذہب اور بتایا گیا ہے اور کچھ اہل علم کا اور لیکن اس اختلاف مذاہب کو کہیں انتشار کا موجب نہیں بتلایا گیا۔

حضرت امام ترمذیؒ احادیث روایت کرنے کے بعد اس پر عمل کرنے والے صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ کرامؒ اور کئی دفعہ علاقوں کے اپنے اپنے مسلک نقل کرتے ہیں تو کیا وہ انتشار امت کا سامان پیدا کرتے رہے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں! فروعی اختلافات اور ان میں اپنے اپنے مذہب کی پابندی کو محدثین نے کبھی نفرت کی نظر سے نہیں دیکھا سو یہ مختلف فقہی مسالک امت میں ہرگز انتشار کا موجب نہیں ہیں وہ شخص علم حدیث سے ناواقف ہے جو ان اختلافات کو فساد امت کا سبب ٹھہراتا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:۔

فان السلف فعلوا هذا وهذا وكان كلا الفعلين مشهور ا بينهم كانوا يصلون على الجنازة بقرأة وبغير قراة كما كانو ايصلون تارة بالجهر بالبسملة وتارة بغير جهر وتارة باستفتاح وتارة بغير استفتاح وتارة برفع اليدين فى المواطن الثلثة وتارة بغير رفع تارة يسلمون تسليمتين وتارة تسليمة واحدة وتارة يقرؤن خلف الامام بالسر وتارة لايقرؤن وتارة يكبرون على الجنازة سبعاً وتارة خمساوتارة اربعا كان فيهم من يفعل هذا وفيهم من يفعل هذا كل هذا ثابت عن الصحابة.

(فتاویٰ ابن تیمیہؒ بحوالہ الانصاف لرفع الاختلاف ص ۱۰۱ از حضرت مولانا عبدالحق سیالکوٹی)

ترجمہ: سلف صالحین نے دونوں طرح عمل کیا ہے اور دونوں فعل ان میں مشہور و معروف رہے ہیں بعض سلف نماز جنازہ میں قرأت کرتے تھے اور بعض نہیں جیسے کبھی بسم اللہ نماز میں اونچی پڑھ لیتے تھے اور کبھی آہستہ، کبھی افتتاح والی دعا پڑھ لیتے تھے اور کبھی نہیں، کبھی رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت شروع کرتے وقت رفع یدین کر لیا اور کبھی تینوں موقعوں پر نہ کیا نماز پوری ہونے پر کبھی دونوں طرف سلام پھیر لیتے کبھی ایک طرف کبھی امام کے پیچھے قرأت (فاتحہ اور سورت) کر لیتے اور کبھی نہ کرتے نماز جنازہ پر کبھی سات تکبیریں کہتے کبھی پانچ کبھی چار۔ سلف میں ان میں سے ہر طریقے پر عمل کرنے والے تھے اور یہ سب اقسام عمل صحابہؓ سے ثابت ہیں۔

سو اس قسم کے فروعی اختلافات اور اپنے اپنے مسلک پر عمل کرنا امت میں اگر کہیں انتشار کا موجب ہوتا تو سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ) یہ ہرگز نہ کہتے:۔

ماسرنی لوان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلفوا لانہم لولم یختلفوا لم تکن رخصۃ. (نقلہ السیوطی)

ترجمہ: مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کسی اختلاف میں نہ پڑتے۔ اگر وہ اختلاف میں نہ پڑتے تو (امت کے لیے) یہ وسعت عملی نہ ہوتی۔

حافظ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ سلف میں ان تمام طریقوں پر عمل تھا جو بعد میں ائمہ اربعہ کے ہاں پائے گئے کوئی کم وزنی شہادت نہیں ہے۔ تاہم حافظ ابن قیم کی بھی ایک شہادت سن لیجیے۔

فاذا الما جہر بہ الامام احیانا لیعلم المامومین فلا باس بذلک فقد جہر عمر بالافتتاح لیعلم المؤمنین وجہر ابن عباس بقرأۃ الفاتحۃ فی صلوۃ الجنازۃ لیعلمہم انہا سنۃ

ومن هذا ایضا جهر الامام بالتامین وهذا من الاختلاف المباح الذی لایعنف فیه من فعله ولامن ترکه وهذا کرفع الیدین فی الصلوۃ وترکه وکالخلاف فی الانواع التشهدات وانواع الاذان والاقامة وانواع النسک من الا فرادو القران والتمتع. (زاد المعاد جلد ا، ص ۷۰)

ترجمہ: سو امام کبھی قرأت اونچی آواز سے کرے تا کہ مقتدیوں کو وہ سکھلا سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں حضرت عمرؓ نے تو ثنا بھی تعلیما جہری پڑھی تھی حضرت ابن عباسؓ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ جہرا پڑھی تا کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے یہ اسی طرح ہے جیسے نماز میں امام کا بلند آواز سے آمین کہنا (یعنی یہ بھی تعلیما ہے نہ کہ اسے حکم سمجھا جاے) یہ اختلاف مباح ہے جس میں آمین بلند کہنے والے اور بلند نہ کہنے والے میں سے کسی کو ملامت نہ کیا جائے (یہ مسئلے کا اختلاف نہیں صرف مصلحت کا اختلاف ہے) اسی طرح نماز میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا ہے (یہ بھی اختلاف مباح ہے نہ کہ اختلاف عمل ثواب) یہ اسی طرح ہے جس طرح حدیث میں کئی طرح کے التحیات مروی ہیں اور اذان اور اقامت میں مختلف روایات ہیں اور حج کے مختلف طریقوں میں کونسا بہتر ہے اس میں افراد، قران اور تمتع تینوں جائز ہیں۔

مقام احتیاط

سوان مختلف فیہ مسائل میں کسی ایک عمل کے درپے اثبات ہونا حدیث کے ایک بڑے ذخیرہ کو مختلف فیہ ٹھہراتا ہے اس سے نقد حدیث کی وہ رو چلے گی کہ آہستہ آہستہ کل ذخیرہ حدیث ہی مخدوش ہو جائے گی سو احتیاط اسی میں ہے کہ جن مسائل میں صحابہ کرامؓ میں کوئی اختلاف رہا ہو ان میں سے ہر ایک عمل کو جائز جانے اگر رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کو سنت سمجھتا ہے تو نہ کرنے کو بھی سنت سمجھے آمین بالجہر کو سنت سمجھتا ہے تو آمین بالاخفاء کو بھی سنت سمجھے اور کسی پر عمل زیادہ ثواب کی نیت سے نہ کرے اسے صرف اختلاف مباح سمجھے تا کہ اپنے آپ کو کسی صحابی سے برتر سمجھنے کی بدعت راہ نہ پاسکے غیر صحابی اتباع رسول

میں صحابی سے بڑھ سکتا ہے یہ عقیدہ شیعہ لوگوں کا ہے اہل حق میں سے کسی کا نہیں۔

ایک سوال

ان مسائل میں جو اختلاف احادیث میں پایا جاتا ہے ان میں سے اگر صرف حضورؐ سے مروی روایات کو لے لیا جائے تو کیا یہ عمل بالاحتیاط نہیں ہے؟

جواب: نہیں کیونکہ بعض صحابہ کرامؓ سے اس کے خلاف روایات ملیں گی تو یہ نمازی لازمی طور پر اپنے آپ کو ان صحابہؓ سے اتباع رسول میں آگے سمجھے گا اور یہ موقف اہل حق میں سے کسی کا نہیں ہے۔

اس وقت ہمیں ان مختلف فیہ مسائل سے بحث نہیں ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ سلف میں (صحابہ کرام اور تابعین میں) جو اختلافات راہ پا چکے اور ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی نے اسے معمول بہ ٹھہرایا ہے ان میں سے کسی کو برا نہ سمجھے ان میں سے ہر ایک طریقے کو سنت اسلام سمجھے اور جو اختلافات اس پہلے دور میں قائم رہے آج ان میں سے کسی کے مٹانے کے درپے نہ ہو۔ جو اختلاف مٹانے کے لائق ہیں وہ صرف وہ ہیں جو اصول کے ہوں اور عقائد کے کہ ان میں سے صرف ایک ہی بات حق ہے اور حق کے سوا جو کچھ ہے باطل ہے۔ اعاذنا اللّٰہ تعالی منہ.

اللہ تعالی حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم پر انوار کی بارش فرمائے کہ امت کو فروعی مسائل میں نہ جھگڑنے کا سبق دے کر اپنی بزرگانہ ذمہ داری ادا کر گئے۔

صحابہ کرام اگر مسائل میں اختلافات میں نہ پڑتے تو امت کے لیے عمل کی راہیں کشادہ نہ ہوتیں اور اختلاف امتی رحمۃ کی صورت عملاً سامنے نہ آتی۔

اسی طرح یہ اعتراض بھی کہ فقہی مسالک میں مخالف مسلک کے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے غلط ہے۔

مساجد اختلاف مسلک پر بنی ہوں تو ہر مسلک والوں کے لیے افضل ہوگا کہ وہ اپنے مسلک کے امام کے پیچھے ہی نماز پڑھیں حرمین شریفین (زادہما اللہ شرفا) بیت المقدس مصر اور شام میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے لیکن اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں دوسرے مسلک کا

امام ہوتو کیا اس کی امامت میں نماز پڑھنی چاہیے یا وہ اپنے لیے اپنے مسلک کی علیحدہ جماعت کا انتظار کرے؟ یہ سوال بڑا اہم ہے اور موضوع سے متعلق ہے۔

حضرت علامہ شامیؒ جو ترکی خلافت میں حنفی مذہب کا مرجع تھے اور محمد علی پاشا سے ان کے قریبی تعلقات تھے وہ امام ابوحنیفہ الثانی علامہ ابن نجیمؒ (۹۶۹ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

ان الافضل الاقتداء بالشافعي بل يكره التاخير لان تكرار الجماعة فی مسجد واحد مكروه عندنا على المعتمد الا اذا كانت الجماعة الاولى غير اهل ذلک المسجد اواديت الجماعة على وجه مكروه ولانه لايخلوا الحنفي حال صلوة الشافعي اما ان يشتغل بالرواتب لينتظر الحنفي وذلک منهی عنه لقوله صلى الله عليه واله وسلم اذااقيمت الصلوة فلاصلوة الاالمكتوبة واما ان يجلس وهومكروه ايضا لاعر اضه عن الجماعة عن غير كراهة فی جماعتهم عن المختار. (ردالمختار لابن عابدین جلد)

ترجمہ: بہتر یہ ہے کہ حنفی شافعی کی نماز میں آشامل ہو اس کا تاخیر کرنا مکروہ ہے اور یہ اس لیے بھی کہ ہم حنفیوں کے ہاں مسجد میں دوسری جماعت کرانا مکروہ ہے اور اسی فیصلے پر اعتماد ہے ہاں پہلی جماعت محلے والوں کی نہ ہو (کوئی مسافر کرادے) یا جماعت کسی عمل مکروہ کے ساتھ ہو (جیسے کوئی ڈاڑھی منڈا نماز پڑھا رہا ہے) تو پھر دوسرے امام کا انتظار کرنا مکروہ نہ ہوگا شافعی امام نماز پڑھا رہا ہو اور حنفی یا تو سنتوں میں رہے گا اور اپنے مذہب کے امام کا انتظار کرے گا اور یا بیٹھا رہے گا پہلی صورت مکروہ ہے کیونکہ جب فرض نماز کھڑی ہوتو (اسے چھوڑنے کے قصد سے) وہاں دوسری نماز پڑھنا جائز نہیں اور نماز ہو رہی ہو اور پاس بیٹھے رہنا (جماعت میں شامل نہ ہونا) یہ

مکروہ ہے (حرام کے قریب ہے) مذہب مختار یہی ہے کہ جب اس
جماعت میں کوئی امر مکروہ نہیں تو (احناف کے مسلک کی بنا پر) اس
سے اعراض کرنا شرعاً مکروہ ہوگا۔

جن فقہائے کرام نے علامہ ابن نجیمؒ کے اس فیصلے سے جزوی اختلاف کیا حضرت
علامہ شامیؒ ان کا اختلاف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

والذی یمیل الیه القلب عدم کراهة الاقتداء بالمخالف
مالم یکن غیر مراع فی الفرائض لان کثیر ا من الصحابة
والتابعین کانواائمة مجتهدین وهم یصلون خلف امام
واحد مع تبائن مذاهبهم وانه لو انتظر امام مذهبه بعیداً عن
الصفوف لم یکن اعراضا عن الجماعة للعلم بانه یرید
جماعة اکمل من هذه الجماعة واما کراهة تعدد الجماعة
فی مسجدواحد فقد ذکرنا الکلام علیها۔

(ردالمحتار جلد۱، ص ۵۲۷)

ترجمہ: میرا دل اسی بات کی شہادت دیتا ہے کہ مخالف مذہب کی
جماعت میں شامل ہونا ہرگز مکروہ نہیں ہے جب کہ امام فرائض میں
دوسروں کی رعایت کرنے والا ہو بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ علمی
درجے میں مجتہد تھے اور وہ اپنے اختلاف مسالک کے باوجود ایک
امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ ہاں اگر کوئی نمازیوں سے دور اپنے
ہم مذہب امام کا انتظار کرتا ہے اور اس کا ارادہ اس سے کامل
جماعت کو پانا ہو تو یہ اعراض عن الجماعۃ (جماعت سے روگردانی) کے
حکم میں نہ ہوگا یہ جو مسئلہ ہے کہ ایک مسجد میں تعدد جماعات جائز
نہیں ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

مسجد میں اصل جماعت کھڑی ہو تو اختلاف مسلک کی بناء پر کسی کو اس سے الگ
نماز پڑھنے کا حق نہیں جب تک کہ معلوم نہ ہو جائے کہ امام نے دوسرے مسلک کی رو سے

کسی فرض کو ترک کیا ہے اور مسجد کے باہر کسی جگہ نماز ہو اور وہ اپنے امام کا اس لیے انتظار کرے کہ اسے زیادہ کامل نماز میسر آسکے گی تو یہ اور بات ہے مسجد میں دوسری جماعت کرنا درست نہیں سو پہلی جماعت سے علیحدہ رہنا ناجائز ہوگا۔

حنفیہ کے اس واضح موقف کے پیش نظر یہ بات کسی طرح باور ہونے کے لائق نہیں کہ اختلاف مسلک والا امام نماز پڑھا رہا ہو اور حنفی اس لیے اس کی اقتداء نہ کرے کہ اس کا مسلک دوسرا (حنبلی یا شافعی یا مالکی) ہے۔

البتہ اگر اسے فقہی طور پر کوئی اعتراض ہو اور دوسرے مسلک کا امام وضو یا نماز میں ان دوسرے مسلک والوں کے مسلک کی رعایت نہیں کرتا اس صورت میں وہ جماعت میں شامل نہیں ہوتا تو اس کی اس وجہ کے باعث ہم اسے انتشار پیدا کرنے والا نہ کہیں گے۔

کچھ مسلمان جماعت کرلیں اور دوسرے ان کے ساتھ شامل نہ ہوں اور وہ بعد میں اپنی جماعت کرالیں ایسا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا اور آپ نے ان میں سے کسی کو نہ کہا کہ تم نے انتشار پیدا کیا ہے سب کو ایک جماعت سے نماز پڑھنی چاہیے تھی۔

امام بخاریؒ نقل کرتے ہیں:۔

عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم الاحزاب لایصلین احد العصر الافی بنی قریظہ فادرک بعضھم العصر فی الطریق فقال بعضھم لانصلی حتی نائیھا وقال بعضھم بل نصلی لم یردمنا ذلک.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے روز حکم دیا کہ تم عصر کی نماز بنو قریظہ جا کر پڑھنا اب کچھ لوگوں پر رستے میں ہی عصر کا وقت آ گیا ان میں سے بعض نے کہا ہم نماز عصر نہ پڑھیں گے یہاں تک کہ ہم بنو قریظہ جا پہنچیں دوسروں نے کہا ہم تو پڑھ لیتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ نہ تھی کہ عصر کا وقت آبھی جائے تو نماز رستے میں نہ پڑھنا (آپ کی

مراد یہ ہوگی کہ اتنی جلدی چلو کہ عصر تمہیں بنو قریظہ جاکر آئے۔ یہ حکم کی علت پا لینے والے تھے)

حضرات صحابہؓ کی دو جماعتوں میں جب مراد حدیث کی تعیین میں اختلاف ہوا اور دونوں نے اپنے اپنے فقہی ذوق سے حدیث کی مراد متعین کی اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا تو کسی نے کسی کو نہ روکا نہ ایک دوسرے کو امت میں انتشار پیدا کرنے والا کہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ نے بھی کسی کو اس کے عمل پر ملامت نہ کی کہ جب ایک جماعت کھڑی تھی تو تم نے اپنے فقہی اختلاف کے باعث اس جماعت سے کیوں علیحدگی اختیار کی حضرت امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ:۔

فلم یعنف واحدا منهم (صحیح بخاری جلد۲، ص۵۹۱)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو نہ جھڑکا (نہ کسی کو برا کہا نہ کسی پر اس کی خطا واضح کی۔)

اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اسلام نے کسی ایک مکتب فکر کی پابندی سب پر لازم نہیں کی فقہی مسائل میں وسعت کی راہیں ساری امت کے لیے کھلی ہیں۔ یہ امور ہرگز ہرگز امت میں شرعی طور پر انتشار کا سبب نہیں ہیں بلکہ رحمت ہیں جس کے سایہ میں امت کے چاروں مکتب فکر اپنے اپنے ذوق کے مطابق کتاب وسنت کی مرادات پر عمل پیرا ہوتے ہیں ان میں سے کسی کو ملامت نہیں کی جاسکتا۔

شیخ الاسلام علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ء) حضرت علامہ سہیلیؒ اور دوسرے اکابر سے نقل کرتے ہیں:۔

وفی هذا الحدیث من الفقه انه لا یعاب علی من اخذ بظاهر حدیث او اٰیة ولا علی من استنبط من النص معنی یخصصه.

(فتح الباری جلد)

ترجمہ: اس حدیث میں فقہ بھری ہے کہ کسی کو آیت یا حدیث کے ظاہر پر عمل کرنے پر ملامت نہ کی جائے اور نہ انہیں ملامت کی جائے جو

نص میں کسی ایسی بات کو پالیں جو اس کے ظاہر کی تخصیص کرڈالے۔

اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو شافعیہ اور حنفیہ کے بیشتر اختلافات اسی قسم کے ہیں شافعیہ زیادہ تر ظاہر حدیث کو لیتے ہیں اور حنفیہ کرام اس کے معنی کی گہرائی میں اترتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس کی وسعت یا تخصیص کو پالیتے ہیں۔ حضورؐ کے اس ارشاد کو کہ سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی حضرت جابر بن عبداللہؓ نے بقول امام ترمذیؒ اسے منفرد سے خاص کیا ہے سوایسے اختلافات ہرگز انتشار امت کا موجب نہیں فقہی مسالک کے اختلاف کو اس کے اصولی اختلاف بنا کر امت میں انتشار پیدا کرنے کا الزام دینا ایک نہایت مکروہ اور بھونڈا الزام ہے اس کی ہر طرح مذمت کی جانی چاہیے کیونکہ ائمہ اربعہ کا اختلاف اصولی نہیں فروعی ہے ہاں شیعہ اور خوارج وغیرہ کے ساتھ ہمارے اختلافات قطعی اور اصولی ہیں۔

حضرت علامہ تاج الدین سبکیؒ (۷۷۱ھ) آج سے بہت عرصہ قبل اس کا برملا اظہار کر چکے ہیں:۔

ان خطأ المعتزلی والرافضی قطعی والمسئلة قطعية.

(طبقات الشافعیہ جلد ۱، ص ۳۴)

ترجمہ: معتزلہ اور روافض کی خطا قطعی درجے کی ہے (ظنی درجے کی نہیں) اور ان سے اس مسئلہ میں اختلاف قطعی درجے کا ہے۔

فروعی مسائل میں اختلاف نص کا نہیں نص سے استنباط کا ہوتا ہے۔ استنباط میں خود صحابہ کرامؓ میں اختلافات واقع ہوئے ائمہ اربعہ کے اختلافات ان کے اپنے پیدا کردہ نہیں ہیں صحابہ کرامؓ کے مختلف اجتہادات ہی انہوں نے منضبط کیے ہیں اور خود ان کی راہوں پر چلے ہیں غیر مقلدوں کا یہ پراپیگنڈہ غلط ہے کہ یہ اختلافات ائمہ کے پیدا کردہ ہیں۔ یہ اختلافات انہیں صحابہؓ سے وراثۃً ملے ہیں۔ مولانا محمد ابراہیم میر لکھتے ہیں:۔

صحابہ اور تابعین کے اختلاف میں الحاد، بے دینی، کجروی اور بداعتقادی، اتباع ہوی و بد مذہبی نہیں ہے اور اگر حدیث اختلاف امتی رحمة کا اعتبار کیا جائے تو اس کی بس یہی صورت ہے جو صحابہؓ و تابعین میں تھی اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف بھی اسی پر مبنی ہے۔

(تاریخ اہلحدیث ص ۷۳)

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ نے امت میں اختلافات پیدا نہیں کیے انہوں نے یہ اختلافات صحابہ کرامؓ سے وراثتہً پائے ہیں یہ اختلافات عہد صحابہؓ میں پندرہ بیس تک تھے لیکن ائمہ کرام انہیں منضبط کرتے ہوئے چار تک لے آئے ہیں اور چار اختلاف بھی بہت کم ملیں گے زیادہ مسائل میں ایک دو یا تین مذاہب ملیں گے زیادہ مسائل میں ائمہ آپس میں ایک رائے ہو جاتے ہیں پھر عمل کی دنیا میں فقہاء سب پر نہیں کسی ایک طریقے پر چلنے کی تعلیم دیتے ہیں اور اس میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ امت فقہی انتشار سے بچے اگر ایک علاقے میں کبھی کوئی عمل ہو اور کبھی کوئی تو یہ بیشک انتشار سے بچانے کی ایک ضمانت ہے۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں یہ رافضی ہیں جو مسلمانوں کو چار مذاہب کا طعنہ دیتے ہیں اس سے ان کا مقصد صحابہؓ کو بدنام کرنا ہوتا ہے کہ دیکھو وہ آپس میں کیوں مختلف رہے یہاں تک کہ ائمہ نے ان اختلافات کے سائے میں اپنے مذاہب ترتیب دے لیے۔

حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی کا بیان

آپ لکھتے ہیں:

> مذاہب اربعہ حق ہیں اور ان کا آپس کا اختلاف ایسا ہے جیسا صحابہ کرام میں بعض مسائل کا اختلاف ہوا کرتا تھا باوجود اختلاف کے ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہیں رکھتے تھے اور باہم سب وشتم نہیں کرتے تھے مثل خوارج وروافض کے۔ صلحاء اور ائمہ دین کی محبت جزو ایمان ہے۔ (اثبات الالہام والبیعۃ ص۶ طبع دوم)

حافظ عبداللہ روپڑی بھی لکھتے ہیں:

> ائمہ اربعہ کا اختلاف قریب قریب صحابہؓ کے اختلاف کے ہے۔

(فتاوٰی اہلحدیث جلد۱، ص۴۲)

اب ان لوگوں کو جو چار مذاہب کو امت میں انتشار کا موجب کہتے ہیں اپنا سارا غصہ امام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، مولانا عبدالجبار غزنویؒ، مولانا محمد ابراہیم میر اور مولانا عبداللہ روپڑی پر نکالنا چاہیے۔ عام اہل سنت میں اسے انتشار کا موجب نہ کہنا چاہیے ایسا کہنا خود ایک سبب انتشار ہے۔

فقہی مذاہب کو ایک کرنے کی کوشش

صحابہؓ وتابعینؒ کے خلاف ایک اعتقادی فساد ہے

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں اگر کسی عمل میں اختلاف ملے تو محدثین اسے وسعت عمل کہہ کر قبول کرتے ہیں ان میں سے کسی ایک طریقے پر اصرار اور دوسرے عمل کو غلط ٹھہرانے کی سعی اسلامی تاریخ میں خود ایک وجہ فساد ہے۔ محدثین کی یہ روش ہرگز نہ تھی وہ خود ایک طریقے پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کے اختلاف کو وسعت عمل کے دائرہ میں جگہ دیتے تھے اور صحابہؓ وتابعین میں سے کسی کو باطل پر نہ سمجھتے تھے۔ آج جو لوگ ان فقہی اختلافات میں سے کسی ایک کو ہی صحیح سمجھتے ہیں وہ ہرگز محدثین کے مذہب پر نہیں ہیں۔ آپ ان لوگوں کے ذرا اور قریب ہو کر دیکھیں تو یہ بعض اوقات صحابہؓ پر کھلے طور پر جرح کرتے نظر آئیں گے اور ان کی زبان ان شخصیتوں کے خلاف بے محابا کھلتی ہے جن سے اللہ راضی ہو چکا۔ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خدا راضی نہ ہوا؟ اب لیجیے جمعہ کی دو اذانیں جو حضرت عثمانؓ کے دور سے چلی آ رہی ہیں کیا مسلمان انہیں چھوڑ دیں گے۔ ایک غیر مقلد عالم محمد جونا گڑھی لکھتا ہے کہ ہمارے زمانے میں مسجد میں جو دو اذانیں جمعہ کے لیے ہوتی ہیں صریح بدعت ہے کسی طرح جائز نہیں مولانا محمد اسماعیل السلفی کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر چڑھائی ملاحظہ ہو۔

> صحابہ عموما اور عبداللہ بن عمر خصوصا اتباع سنت مشہور ہیں لیکن ان کا یہ فعل سنت صحیحہ کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ سلفیہ ص ۱۰۷)

آفرین ہے آپ کو چودہ سو سال بعد سنت صحیحہ معلوم ہوگئی اور حضرت عبداللہ بن عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ کر بھی اس سنت کو نہ پا سکے۔ (نعوذ باللہ)

صحابہؓ وتابعین میں اختلاف کی ایک مثال

حضرت قبیصہ بن ھلبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يومنا فياخذ شماله بيمينه

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے تو دائیں ہاتھ سے اپنا بایاں ہاتھ پکڑتے۔

آج کل کئی لوگ اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی بجائے اپنی بائیں کلائی پکڑتے ہیں ان کا بایاں ہاتھ ان کی دائیں کلائی کے نیچے ہوتا ہے یہ طریقہ اس وقت نہ تھا حضورؐ اپنے دائیں ہاتھ سے بایاں ہاتھ پکڑتے تھے۔ رہا یہ اختلاف کہ نمازی دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ کر ناف کے اوپر رکھے یا نیچے صحابہؓ اور تابعین کے دور میں یہ دونوں طریقے رائج تھے اور وہ کسی ایک پر نکیر نہ کرتے تھے حضرت امام ترمذیؒ مذکورہ بالا حدیث پر لکھتے ہیں:۔

والعمل على هذا عند اهل العلم من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم والتابعين ومن بعدهم يرون ان يضع الرجل يمينه على شماله فى الصلوٰة ورای بعضهم ان يضعهما فوق السرة ورای بعضهم ان يضعهما تحت السرة وكل ذلك واسع عندهم. (جامع ترمذی جلد ۱، ص ۳۴ واسنادہ حسن)

ترجمہ: اور اسی پر صحابہؓ، تابعین اور ان کے بعد کے اہل علم کا عمل ہے ان کا فیصلہ یہ ہے کہ آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے اور بعض کہتے ہیں دونوں ہاتھ ناف سے اوپر رکھے اور دوسرے بعض کہتے ہیں ہاتھ ناف سے نیچے باندھے اور ان کے ہاں ہر ایک پر عمل کی وسعت ہے۔

تابعی کبیر حضرت ابراہیم نخعی (۹۶ ھ) جن کے اقوال اور فقہی فیصلے حضرت امام

بخاریؒ اپنی صحیح میں جگہ جگہ لائے ہیں وہ فرماتے ہیں:۔

یضع یمینه علی شماله فی الصلوة تحت السرة.

(کتاب الآثار امام محمد ص ۵)

ترجمہ: آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھے اور انہیں ناف کے نیچے رکھے۔

امام ترمذی کا یہ کہنا کل ذلک واسع عندھم پتہ دیتا ہے کہ محدثین کا مذہب مختلف فقہی مذاہب کو ایک کرنے کا نہ تھا وہ تمام مختلف طریقوں کو وسعت عمل کے تحت برداشت کرتے تھے اور اسی میں اسلام کی عزت سمجھتے تھے۔

دونوں طرف کے عمل کی ایک اور مثال

امام ترمذیؒ رفع الیدین عندالرکوع کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

وبھذا یقول بعض اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم منهم ابن عمر و جابر بن عبدالله وابوهریرة وانس وابن عباس وعبدالله بن الزبیر.

ترجمہ: حضورؐ کے صحابہؓ میں سے بعض اہل علم کا یہی فیصلہ ہے کہ رکوع کے وقت رفع یدین کرلی جائے ان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیر معروفؓ ہیں۔ (جامع ترمذی جلدا)

یہاں حضرت امام ترمذیؒ نے نام تو گنوائے ہیں مگر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اکابر کا نام رفع یدین کرنے والوں میں ذکر نہیں فرمایا اس پر آپ خود غور فرمائیں صحابہ کرامؓ میں اس مسئلے میں جو زیادہ نمایاں رہے وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں اور اہل علم سے مخفی نہیں کہ آپ بھی اس پر دائما عمل پیرا نہ تھے۔

آگے امام ترمذیؒ رفع یدین عندالرکوع نہ کرنے والوں کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

وبه یقول غیر واحد من اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم والتابعین وهوقول سفیان الثوری واهل

الکوفة. (جامع ترمذی جلد۱،ص۳۵)

ترجمہ: اور رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنے کا فیصلہ بھی حضورؐ کے متعدد اہل علم صحابہؓ اور تابعین سے منقول ہے امام سفیان الثوری کا فیصلہ بھی یہی تھا اور اہل کوفہ بھی یہی کہتے ہیں۔

امام ترمذیؒ آگے ایک اور حدیث پر لکھتے ہیں:۔

قال ابوعیسی حدیث علی حدیث حسن صحیح والعمل عل هذا عند بعض اهل العلم. (ایضاً)

ترجمہ: حضرت علیؓ کی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے۔

اس سے محدثین کا مذہب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر صحیح حدیث کو حجت ملزمہ نہ سمجھتے تھے صحیح حدیث بعض اہل علم کے ہاں ہی واجب العمل سمجھی جاتی تھی دوسروں کے ہاں وہ صرف ایک ذخیرہ علم تھا جسے لائق عمل ٹھہرانے کے لیے وہ کئی اور باتوں پر بھی غور کرتے تھے ایک موضوع پر تمام روایات کو جاننے کی انہیں ضرورت ہوتی تھی اگر سب صحابہؓ نے اس پر عمل کرنا مناسب نہ سمجھا تو وہ جانتے تھے کہ اس کے دوسری طرف بھی اور حدیث موجود ہے ورنہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ عملاً کسی صحیح حدیث کو حجت ملزمہ نہ سمجھیں یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اسلام میں اس مسئلہ میں وسعت عمل ہو ایسے مواقع میں حدیث صحیح لوگوں کے لیے حجت ملزمہ نہیں ہوتی۔ فضیلۃ الشیخ عطیہ محمد سالم لکھتے ہیں:۔

رضی اللّٰہ عن عمر اذقال احرج علی رجل یحدث بحدیث العمل علی خلافه. (موقف الامۃ ص۱۳۰)

ترجمہ: اللہ عمرؓ سے راضی ہو آپ نے کہا میں اس میں حرج سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص ایک حدیث بیان کرے اور اس کا اپنا عمل اس پر نہ ہو۔

مشہور تابعی حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے رکوع کے وقت رفع یدین نہ کیا (طحاوی شریف جلد۱) یہ وہی عبداللہ بن عمرؓ ہیں جو حضورؐ سے رکوع کرتے رفع یدین کرنا نقل کرتے ہیں۔

اب ان کی حضورؐ سے روایت کہ آپ نے رکوع کے وقت رفع یدین کیا۔ کیا اس

رفع یدین کو دائمی طور پر ثابت کر سکے گی؟ یہ آپ سوچیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ رکوع کے وقت رفع یدین کبھی کر لیتے تھے کبھی نہ کرتے تھے۔ (فتح الباری جلد۲، ص۱۲۰)

اس صورت حال میں اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں عمل کی مختلف راہیں قائم تھیں اور وہ ایک دوسرے کے عمل کو خوشی سے برداشت کرتے کبھی کسی پر مخالفت سنت کا الزام نہ دھرتے تھے اور ان کے ہاں اسلام کی یہ ایک وسعت عمل تھی۔

فروعی اختلافات کسی قوم میں وسعت ظرف کا نشان ہوتے ہیں یہ کوئی انتشار کا سامان نہیں ہوتے جس سے کبھی کسی فریق کو وحشت ہو۔ صحابہؓ میں آپس میں کتنے فروعی اختلافات تھے لیکن اس سے ان کی قومی وحدت کبھی متاثر نہ ہوتی تھی ائمہ اربعہ کے اختلافات بھی ان کے خانہ زاد نہیں یہ صحابہؓ و تابعین کے اختلافات تھے جو چار مذاہب میں آکر منضبط ہوئے یہ چار فرقے نہیں عمل کی چار مختلف راہیں ہیں جو ان ائمہ کو اوپر سے ملیں۔

دوحہ کے جلیل القدر فاضل ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:۔

والقول بان المذهب فرقت المسلمين قول مردود فالا ختلاف فى الفروع لايضر بوحدة المسلمين وقد اختلف الصحابة والتابعون والائمة فيها فما يضرهم ذلک شيئا ...... والزعم بان وجود النص اوالحديث كاف لازالة الخلاف وتوحيد الجمع على راى واحد كماترى المدرسة الاثرية المعاصرة التى اسميها الظاهرية الجدد زعم غير صحيح وقد بينت خطأه فى مواضع اخرمما كتبت.

(الصحوة الاسلامیہ ص۲۱۵)

ترجمہ: یہ بات کہ ان مذاہب اربعہ نے مسلمانوں میں انتشار پھیلایا ہے ایک مردود بات ہے فروعی اختلاف وحدت مسلمین کو کبھی ضرر نہیں دیتا صحابہؓ اور تابعین میں اور ائمہ اربعہ میں مسائل کے کتنے اختلاف رہے لیکن اس نے انہیں کوئی ضرر نہیں دیا اور یہ گمان کہ قرآن کی نص یا حدیث صحیح اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے اور سب کو ایک موقف

پرلانے کے لیے کافی ہے جیسا کہ عصر حاضر کے غیر مقلدین کی رائے ہے ہرگز صحیح گمان نہیں اور میں نے اس کا غلط ہونا اپنی تحریروں میں بہت مقامات پر واضح کیا ہے۔

آپ پہلے یہ لکھ آئے ہیں:۔

یجب ان یعلم الذین یریدون جمع الناس علی رای واحد فی احکام العبادات والمعاملات ونحوها من فروع الدین انهم یریدون مالا یمکن وقوعه ومحاولتهم رفع الخلاف لاتثمر الاتوسیع دائرة الخلاف وهی محاولة تدل علی سذاجة بینة ذلک ان الاختلاف فی فهم الاحکام الشرعیه غیر الاساسیة ضرورة لابدمنها۔

وانما اوجب هذه الضرورة طبیعة الدین وطبیعة اللغة وطبیعة البشر وطبیعة الکون والحیاة. (ایضاً ص۵۹)

ترجمہ: وہ لوگ جو لوگوں کو احکام عبادات اور معاملات اور دوسرے فروعی مسائل میں ایک موقف پر جمع کرنا چاہتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ایک ایسی بات کے درپے ہیں جس کا کامیاب ہونا کسی طرح ممکن نہیں اور ان کی اس اختلاف کو مٹانے کی کوشش اس دائرہ اختلاف کو اور وسیع کرے گی اور یہ ایسی کوشش ہے جو کھلی سادگی پر اٹھائی گئی ہے اور یہ اس لیے کہ ان احکام شرعیہ کے سمجھنے میں جو اساسی نہیں فروعی ہیں اختلاف واقع ہو جانا ضروری ہے اس سے چارہ کار نہیں ہے۔

دین کے تقاضے لغت کی اساس انسان کی فطرت تھے اور بگڑنے کے تقاضے اور زندگی کی فطرت ان تمام اختلافات کو واسع کرتی ہے۔

فقہی مذاہب کو ایک کرنے کا پروگرام لے کر کون اٹھے ہیں؟ اس دور کے غیر مقلدین جن کی دن رات کی محنت ان فروعی مسائل پر جھگڑنا اور ایک کثیر ذخیرہ حدیث کو پاؤں تلے روندتے ہوئے قوت سند پر کسی ایک روایت کو صحیح قرار دے لینا ہوتا ہے شیخ

یوسف قرضاوی ان کی اس سادگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ونسی هؤلا ء ان فهمهم للنصوص ليس اكثرمن راى يحتمل الخطا كما يحتمل الصواب اذلم تضمن العصمة لعالم فيما ذهب اليه وان جمع شروط الاجتهاد كلها كل ما ضمن له هوالاجر على اجتهاد ه اصاب ام اخطأ ولهذالم يزد هؤلاء على ان اضافوالى المذاهب المدونة مذهبا جديدا ومن الغريب ان هؤلاء ينكرون على اتباع المذاهب تقليدهم لائمتها على حين يطلبون من جماهيرالناس ان يقلدوهم ويتبعوهم. (الصحوۃ الاسلامیہ ص۲۱۶)

ترجمہ: یہ لوگ اسے بھولے ہیں کہ ان کا نصوص کو سمجھنے کا دعوی ایک رائے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا جس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال موجود ہوتا ہے کیونکہ کسی عالم کو گو اس میں اجتہاد کی سب شرطیں کیوں نہ پائی جاتی ہوں عصمت کا مقام حاصل نہیں کہ اس سے غلطی ہو ہی نہ سکے ہاں جس چیز کی اسے ضمانت دی گئی ہے وہ اجتہاد کرنے پر اجر ہے گو وہ صحیح بات کو نہ پہنچ سکے اس بنا پر ان لوگوں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ ان مذاہب مدونہ میں ایک اور مذہب لاکر کھڑا کردیا ہے اور یہ بات عجیب ہے کہ یہ لوگ دوسروں کو ائمہ مذاہب کی تقلید سے تو روکتے ہیں لیکن لوگوں کو اپنی تقلید اور اتباع پر لگانے کے لیے دن رات دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔

امت میں وسعت عمل ہرگز کسی انتشار کا موجب نہیں

قرآن کریم ایک کتاب ہے جو مختلف قرأتوں میں پڑھی جاتی ہے مسلمانوں میں یہ مختلف پیرایہ ہائے قرأت کبھی انتشار کا موجب نہیں سمجھے گئے امت میں اگر وسعت عمل کوئی ناپسندیدہ بات ہوتی تو اللہ تعالی قرآن کریم کو سات قرأتوں میں نہ اتارتے امت میں اگر قرآن کے یہ سات پیرائے کسی انتشار امت کا باعث نہیں سمجھے گئے تو سنت میں اجتہاد کے یہ مختلف پیرائے کس طرح انتشار کا موجب سمجھے جاسکتے ہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اس نے ایک آیت اس طرح پڑھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور طرح سے پڑھتے سنا تھا آپ اس شخص کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے آپ نے اختلاف قرأت کے تحت دونوں کو اپنی اپنی طرح پڑھنے کی اجازت دی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں:۔

فانطلقت الی النبیؐ فقال کلا کما محسن فاقرا.

(صحیح بخاری جلد ۲، ص ۷۵۷)

ترجمہ: میں اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپؐ نے فرمایا تم دونوں اچھے عمل پر ہو اسی طرح اپنے اپنے طور پر پڑھو۔

شعبہؒ کہتے ہیں جہاں تک مجھے یاد ہے آپؐ نے یہ بھی فرمایا جو تم سے پہلے ہوئے وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے اور وہ ہلاک ہوئے یعنی وہ اختلاف کو برداشت نہ کر پائے۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جس اختلاف کو برداشت کرنا ہو اسے ختم کرنے کی کوشش ایک ہلاکت کی راہ ہے پہلی بہت سی قومیں اسی راہ سے برباد ہوئیں۔ اس روایت سے یہ بھی پتہ چلا کہ ایسے اختلافات میں حضورؐ نے امت کو ایک عمل پر رکھنے میں کوئی خوشی محسوس نہیں کی اللہ تعالی نے جس وسعت کا دروازہ کھولا ہے اسے کون بند کر سکتا ہے؟

امت کے وسعت عمل کو روکنا حضورؐ کو پسند نہ تھا

ہمارے دور کے غیر مقلد اپنی ساری فقہی کوششوں میں اس طرف لگ گئے ہیں کہ کسی طرح یہ چار فقہی مذہب ایک ہو جائیں۔ عہد قدیم میں کچھ لوگوں کی یہ خواہش رہی ہے کہ یہ مختلف قرأتیں ایک ہو جائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس طلب وحدت سے ہرگز خوش نہ ہوئے میدان حدیث میں بھی جب حضورؐ کے اس ارشاد پر کہ تم نماز عصر بنو قریظہ میں جا کر پڑھو دو مختلف طریقوں سے عمل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا تخطئہ نہ فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:۔

فلم یعنف واحد امنهم. (صحیح بخاری جلد ۲، ص ۵۹۱)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک فریق کو بھی اس میں غلطی

پر نہ پایا۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

ولهذا الحديث طرق جيدة عن عائشة وغيرها وقال قد اختلف العلماء في المصيب يومئذ من هوبل الاجماع على ان كلا من الفريقين ماجور و معذور غير معنف.

(البدایہ جلد۴، ص ۱۱۷)

ترجمہ: اس حدیث کے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہونے کے اور بھی کئی جید طرق ہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے صحیح بات پر پہنچنے والا کون تھا ہاں اس پر اجماع ہے کہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر یافتہ اور عذر رکھنے والے ہیں ان میں سے کسی کی توبیخ نہیں فرمائی۔

حضرت عمرو بن عاصؓ کو ایک رات غسل کی ضرورت پیش آئی سردی بہت تھی آپ نے غسل نہ کیا اور تیمم کرلیا آپ گرم پانی سے غسل کرسکتے تھے آپ نے اجتہاد کیا اور تیمم کرلیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے انہیں کوئی ملامت نہ کی۔ حضرت امام بخاریؒ لکھتے ہیں:۔

ان عمرو بن العاص اجنب في ليلة باردة فتيمم وتلا ولاتقتلوا انفسكم ان الله كان بكم رحيما فذكر ذلك للنبي فلم يعنف۔ (صحیح بخاری جلد۱، ص۴۹)

ترجمہ: حضرت عمروؓ کو ایک رات غسل کی حاجت ہوئی تو آپ نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی کہ اپنے آپ کو (بلاوجہ) قتل نہ کرو اللہ تعالیٰ بڑا رحیم ہے حضورؐ کو یہ بات بتائی گئی تو آپ نے اس پر انکی کوئی ملامت نہ کی۔

اجتہادی مسائل میں اسلام نے انسانی فطرت کا بہت احترام کیا ہے ایسے امور میں اختلاف ہونا انسانی فطرت میں سے ہے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے امت پر اس کی راہ

بند نہیں کی اور نہ یہ مطالبہ کیا ہے کہ تمام فقہی امور امت میں صرف ایک ہوں امت عقائد میں ایک رہے اور مسائل میں وسعت عمل سے چلے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔ سعودی عرب کے بلند پایہ عالم شیخ عطیہ ابوسالم لکھتے ہیں:۔

ان الاختلاف امر من لوازم البشر ولایمکن رفعه وانه لایشکل خطرا على الامة فقدكانوا يختلفون فى الراى مع اتحاد كلمتهم وتوحيد صفوفهم.

(موقف الامۃ من اختلاف الائمہ ص ۱۴)

ترجمہ: اختلاف رائے لوازم بشریت میں سے ہے اس کا کلیۃ اٹھا دینا ممکن نہیں اور اس سے امت پر کوئی خطرہ بھی نہیں آتا صحابہؓ اور تابعین اتحادِ کلمہ اور توحید صفوف کے باوجود آپس میں کتنے اختلاف کرتے رہے۔ (کیا ان کو اس سے کوئی ضرر پہنچا)

نیز آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

النظروالاجتهاد ضرورة من ضروريات هذه الامة كما قال الاصوليون ان النصوص متناهيه والاحداث غير متناهية فلابدمن اجتهاد لايجاد احكام لما يستجد من احداث وهناك يقع الاختلاف الى اى اصل ترد وهذا النوع من الاختلاف قد اقرته الشرائع السماوية الاخرى.

ترجمہ: مسائل میں غور اور اجتہاد کرنا جیسا کہ علماء اصول نے کہا ہے اس امت کی قومی ضروریات میں سے ہے کتاب وسنت کی نصوص گنتی کی ہیں اور نئے پیدا ہونے والے واقعات ان گنت ہیں پس لازمی طور پر اجتہاد کرنے کی ضرورت ہوگی تاکہ ان مسائل کے احکام سامنے لائے جاسکیں جو نئے پیدا ہو رہے ہیں، یہاں اختلاف پیدا ہوگا کہ اب ان نئے مسائل کو کس اصل کی طرف لوٹایا جائے اور اس طرح کا اختلاف تو پہلی امتوں میں بھی واقع ہوا ہے اور پہلی آسمانی

شریعتوں نے بھی اسے قائم رکھا۔

اسلام اگر چاہتا کہ امت میں فروعات میں بھی کسی قسم کا کوئی اختلاف راہ نہ پائے تو اسلام اجتہاد کا دروازہ نہ کھولتا اور مخطی کو بھی اجر سے نہ نوازتا۔

کسی امام کا اجتہاد نص کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہو پاتا

یہ صحیح ہے کہ ایک ایک پیش آمدہ ضرورت میں اجتہاد مختلف سمتوں میں چلا ہے لیکن اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی امام کا اجتہاد کتاب وسنت کی نص سے متصادم نہیں ہوا۔ اجتہاد کے مختلف پیرائے اور مختلف نتیجے ہو سکتے ہیں لیکن ائمہ کی علمی عظمت کا لازمہ ہے کہ وہ کبھی کتاب وسنت سے ٹکرا نہیں پاتے جو شخص پورا قرآن پڑھا ہوا ہو وہ قرآن کی کسی نص سے بھلا کیسے ٹکر لے سکتا ہے۔ شیخ عطیہ ابوسالم لکھتے ہیں:۔

والنتيجة الحتمية لهذا هی اننا نجزم يقيناً بحقيقة واقعية كما نجزم بحقيقة الليل والنهار والشمس والقمر وهی ان كل امام من الائمة الاربعة رحمهم الله بل وغيرهم من علماء السلف لن يقول قولا مخالفا به نصامن كتاب الله اومن سنة رسول الله وهم اشد الناس حذرا من ذلك.

(موقف الامۃ من اختلاف الائمہ ص ۱۷)

ترجمہ: اس بات میں حتمی نتیجہ یہی ہے اور ہم اس حقیقت واقعہ کا اسی طرح یقین رکھتے ہیں جس طرح ہمیں رات اور دن اور سورج اور چاند کی حقیقت پر یقین ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بلکہ دوسرے علمائے سلف میں سے بھی کوئی ہرگز ایسی بات نہ کہے گا جن سے کتاب اللہ یا حضور کی سنت سے کوئی ٹکراؤ ہوتا ہو وہ حضرات کتاب وسنت کی مخالفت سے بہت ہی زیادہ بچنے والے تھے۔

سو ان میں جو اختلاف ہوئے وہ فہم نصوص میں ہوئے اور یہ اختلاف فہم لوازم بشریت میں سے ہے اب ان میں سے کسی پر کتاب وسنت کی مخالفت کا الزام کسی طرح نہ لگ سکے گا۔ اب جب آج کے جہلاء تک یہ کہیں کہ امام ابوحنیفہ کو یہ حدیث نہ پہنچی ہوگی تو

اس علم وفہم کا جتنا ماتم کیا جائے کم ہے یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں کہ اختلاف نصوص میں نہیں ہوتا فہم نصوص میں ہوتا ہے۔

سو وہ لوگ ہرگز راستی پر نہیں جو فقہی اختلاف میں امت کو ایک موقف پر لانا چاہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول برحق نے کہیں اس اختلاف رائے کو دبانے اور پوری امت کو ایک فقہی موقف پر لانے کی دعوت نہیں دی یہ اختلاف علماء اعیان امت کے لیے ایک نعمت ہے، یہ تہمت نہیں ہے، اختلاف علماء ایک رحمت ہے یہ مصیبت نہیں ہے وہ علماء اہل بدعت میں سے ہیں جو ائمہ اربعہ کے اس اختلاف کو امت میں انتشار کا سبب قرار دیتے ہیں۔ یہ تہمت سلیمان بن سحیم نے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی پر لگائی تھی کہ آپ اختلاف ائمہ کو امت کے لیے مصیبت سمجھتے ہیں آپ نے اس سے بیزاری کا اظہار فرمایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حق امت کے فقہی اختلافات کو ہرگز مصیبت اور تہمت نہیں سمجھتے۔ حضرت الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

> ان الرجل افترى علی امورا لم اقلها ولم يات اكثرها على بالى (فمنها)قوله انى مبطل كتب المذاهب الاربعة وانى اقول ان الناس من ستمائة سنة ليسوا على شئى وانى ادعى الاجتهاد وانى خارج عن التقليد وانى اقول ان اختلاف العلماء نقمة وانى اكفر من توسل بالصالحين.

(مؤلفات الشیخ الامام محمد بن عبدالوہاب جلد ۱۱، ص ۶۴)

ترجمہ: اس شخص نے مجھ پر کئی افتراء باندھے ہیں میں نے وہ باتیں نہیں کیں اور ان میں بیشتر کی ذمہ داری مجھ پر نہیں آتی ان میں ایک افتراء یہ ہے کہ میں مذاہب اربعہ کی کتابوں کو جھٹلاتا ہوں اور یہ کہ میں کہتا ہوں کہ لوگ (ترک اجتہاد سے) چھ سو سال سے کسی راہ پر نہیں ہیں ایک الزام مجھ پر یہ بھی ہے کہ میں خود مجتہد ہونے کا مدعی ہوں اور یہ کہ میں تقلید سے نکلا ہوا ہوں اور یہ کہ میں اختلاف علماء کو ایک مصیبت سمجھتا ہوں اور یہ کہ ان لوگوں کو جو نیک لوگوں سے توسل

پکڑتے ہیں میں کافر قرار دیتا ہوں۔

اس میں یہ جملہ کہ اختلاف العلماء نقمة زیادہ قابل غور ہے حضرت شیخ اسے اہل حق کے خلاف ایک افترائی کاروائی قرار دے رہے ہیں سو معلوم ہوا کہ آج کل کے غیر مقلد اپنے آپ کو اہلحدیث (باصطلاح جدید) کہتے ہیں اپنے اس دعوی میں کہ صحابہؓ وتابعین اور ائمہ اربعہ کے اختلافات امت کے لیے انتشار کا موجب ہوئے ہرگز اہل حق سے نہیں ہیں یہ ایک بدعتی راہ ہے جو سلف صالحین کی پیروی کے مقابل کھڑی کی گئی ہے۔ حضرت شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اپنے غیر مقلد ہونے کی اسی پیرائے میں نفی کی ہے:

انی وللہ الحمد متبع ولست بمبتدع عقیدتی ودینی الذی ادین به مذهب اهل السنة والجماعة الذی علیه ائمة المسلمین مثل الائمة الاربعة واتباعهم الی یوم القیمة.

ترجمہ: میں بحمدہ تعالی ائمہ سلف کا متبع ہوں بدعتی نہیں ہوں میرا عقیدہ اور دین وہی ہے جو اہل السنة والجماعة کا ہے جس پر ائمہ مسلمین جیسے ائمہ اربعہ اور ان کے پیرو چلے آرہے ہیں۔

چاروں فقہی مذاہب کو ایک موقف پر لانے کی اس کوشش کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے امت مسلمہ کے پہلے تین چوتھائی طبقے کو اللہ اور اس کے رسول برحق کی راہ کے خلاف باطل پر ماننا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ تخطئہ امت کی اس غیر مقلدانہ کوشش کی کسی درجہ میں تائید نہیں کی جاسکتی یہ خیر امت ہی کیا ہوئی اگر پوری کی پوری گمراہی میں گھر گئی۔ حق یہ ہے کہ کسی مجتہد کی پیروی کرنا اور اس سے طلب دلیل نہ کرنا ہرگز کوئی مذموم نہیں اور پوری امت کا تقلید پر جمع ہو جانا ہرگز کوئی گمراہی نہیں ہے۔

اپنے آپ سے ایک زبردست ٹکراؤ

غیر مقلدین کا عام طریق واردات یہ ہے کہ ہمارے پاس قرآن وحدیث موجود ہے ہمیں کسی اور تیسری چیز کی ضرورت نہیں اس سے ان کی غرض فقہ کا انکار اور اس کی عدم ضرورت کا التباس ہوتا ہے۔ یہ لوگ عام کہتے ملیں گے کہ ہمارے لیے قرآن اور حدیث بس ہے اور ہمیں ہر بات انہی میں ملتی ہے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

لیکن پڑھے لکھے لوگوں کے سامنے جب وہ اس غلط موقف کے متحمل نہیں ہو سکتے تو جھٹ اس بات پر آجاتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے بعد ہمیں اجتہاد سے چارہ نہیں لیکن وہ اجتہاد ہمیں کوفہ کا نہیں یمن کا چاہیے اس سے ان کی مراد زیدی شیعہ کے مقتدر عالم امام شوکانی کے افکار کی پیروی ہوتی ہے اسی پیش منظر سے وہ کوفی فقہ کے نہیں یمنی فقہ کے گرویدہ ہوتے ہیں۔

زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ نہ مانیں تو پہلے دور کے مجتہدین امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) امام مالک (۱۷۹ھ) امام ابویوسف (۱۸۲ھ) امام محمد (۱۸۹ھ) امام شافعی (۲۰۴ھ) اور امام احمد (۲۴۱ھ) میں سے کسی کی فقہ کو نہ مانیں اور ماننے پر آ جائیں تو شیعوں کے زیدی فرقہ کے امام شوکانی (۱۲۵۵) کی فقہ کو تسلیم کرلیں دیکھئے جو لوگ کوفی افکار سے گریزاں تھے کس طرح یمنی افکار کے آگے جھک گئے۔ غیر مقلدین کا ہفت روزہ الاعتصام لاہور اپنی ۱۳ جنوری کی اشاعت میں لکھتا ہے:۔

> میں پاکستانی قانون دانوں اور قانون سازوں اور داعیان اسلام سے پرزور اپیل کروں گا کہ وہ یمنی زرخیز افکار اور تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں خاص طور پر شریعت کو قانونی روپ میں ڈھالنے کی یمنی کوششوں سے اگر امت اسلامیہ میں دستوری فقہی اور اجتماعی اجتہاد کے میدانوں میں پرخلوص تعاون اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے دروازے کھل گئے تو سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالی کی نصرت آ پہنچی۔ (ہفت روزہ الاعتصام ص ۱۷ لاہور، ۱۳ جنوری)

کہاں وہ آواز کہ قرآن وحدیث کے بعد ہمیں کسی فقہ کی ضرورت نہیں اور کہاں یہ آواز کہ اسلام کی پہلی صدیوں کا اجتہاد کافی نہیں ہمیں موجودہ دور میں بھی اجتہاد کی ضرورت ہے تاکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کی صورت میں دنیا کے سامنے آئے۔

الاعتصام کا مضمون نگار لکھتا ہے:۔

> اسلام تا قیامت اللہ تعالی کا انسانیت کے نام آخری اور مکمل ضابطہ حیات ہے جو بصرف نظر زمان ومکان اور رنگ وزبان سارے ہی

انسانوں کے لیے واحد راہ نجات ہے اس ضابطہ حیات کو ہر وقت
اور ہر جگہ قابل عمل بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجتہاد کا دروازہ کھولا
اور اس کو سارے انسانی مسائل کے بند قفلوں کو کھولنے کے لیے شاہ
کلید بنایا۔ (ایضاً ص ۱۴)

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مقلدین اب ضرورت اجتہاد پر ہمارے موقف پر آگئے ہیں صرف یہ فرق باقی رہ گیا ہے کہ وہ پہلے ادوار کے اجتہاد سے پہلو تہی کرتے ہیں اور اس آخری دور کے نئے نئے مجتہدین کو وہ قرآن وحدیث کے بعد اپنا تیسرا علمی ماخذ مانتے ہیں۔ اہلسنت قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کے علم وتقویٰ پر اعتماد کرنا سلامتی کے زیادہ قریب سمجھتے ہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ ہمارے غیر مقلد دوست اپنے اس مؤقف میں خود اپنے ساتھ ایک زبردست ٹکراؤ کا شکار ہیں مضمون نگار موصوف اجتہاد کی علمی قوت تسلیم کرنے کو ایمانیات میں سے سمجھتا ہے:۔

اسی لیے نہ صرف عقیدے کو درست رکھنے کے لیے مجتہدین کے وجود
اور اجتہاد پر ایمان رکھنا ضروری ہے بلکہ اس دین کے ناپید نہ ہونے
کی ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ مجتہدین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس
دین کی حفاظت فرمائی ہے۔ (ایضاً ص ۱۶)

دنیا میں مخالف لشکروں سے ٹکراؤ تو آپ نے عام دیکھا ہوگا لیکن غیر مقلدین حضرات کا یہ اپنے آپ سے ٹکراؤ کسی طرح ایک المیہ سے کم نہیں ہے۔ آپ دیکھیں کہ عراقی فقہ سے بھاگتے ہوئے انہوں نے کس طرح یمنی فقہ کے سائے میں پناہ لی ہے اور اپنی پوری جماعت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ یمنی افکار و تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اب کیا ان کی جماعت میں کوئی ایسا متبصر ہے جو کہے کہ مدنی فقہ وافکار کے ہوتے ہوئے ہمیں یمنی فقہ وافکار کی کیا ضرورت ہے؟ یا قوم الیس منکم رجل رشید

ہم ہفت روزہ الاعتصام لاہور سے مذکورہ بالا حوالے لینے میں اس ادارے کے صمیم قلب سے متشکر ہیں۔

سلفی کی اصطلاح اور اس کا علمی جائزہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

تاریخ اسلام میں سلفی وہ لوگ ہیں جو ان مسائل میں جن میں قرآن وحدیث کی صریح راہنمائی نہ ملے سلف صالحین کی پیروی کریں اور ان کی دلیل کے در پے نہ ہوں ان حدود میں سلف کی بلا دلیل پیروی سے ہی انسان سلفی بنتا ہے اور اسلاف کی بلا دلیل پیروی کو ناجائز جاننے والا سلفی نہیں غیر مقلد کہلائے گا اس پہلو سے سلفی اور غیر مقلد دو متوازی اصطلاحیں ہیں نہ کسی پہلے دور میں سلفی غیر مقلدین تھے اور نہ اب انہیں سلفی کہا جا سکتا ہے۔ یہ غیر مقلد علماء کا سعودی عرب کے مقلد علماء سے اشیر باد حاصل کرنے کا ایک لفظی فریب ہے جس پر پردہ ڈالا گیا ہے۔ سو ضروری ہے کہ یہاں کے عام مسلمان سعودی حکومت اور ان کے علماء کو یہاں کے ''اہل حدیث'' (باصطلاح جدید) کہلانے والے گروہ کے آئینہ میں نہ دیکھیں۔ سعودی عرب کے علماء مع شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی مقلدین میں سے ہیں اور وہ چاروں اماموں میں سے کسی کی تقلید پر انکار نہیں کرتے نہ اسے حرام اور شرک سمجھتے ہیں نہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

غیر مقلد حضرات کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے شاگرد اور ان کے طریقے کے پیرو مولانا محمد شاہجہانپوری اپنے گروہ کے بارے میں بڑی وضاحت سے لکھتے ہیں:۔

> پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے دنوں ہی سے سنا ہے اپنے آپ کو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں۔

(الارشاد الی سبیل الرشاد ص ۱۳)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرون اولی یا قرون وسطی میں یہ لوگ کہیں موجود نہ تھے یہ ایک جدید فرقہ ہے جو حال ہی میں پیدا ہوا ہے نیز یہ بھی پتہ چلا کہ مولانا شاہجہانپوری کے دور میں غیر مقلدین بس انہی ناموں سے جانے اور پہچانے جاتے تھے ان ناموں میں آپ کو سلفی کا نام کہیں نظر نہ آئے گا بخلاف اس کے مقلدین پر سلفی کا اطلاق پہلے ادوار میں بھی ملتا ہے حافظ عمرو بن صلاح (۶۴۳ھ) سے کون واقف نہیں آپ شافعی المذہب تھے اور آیات صفات میں کسی تاویل اور وضاحت کے حق میں نہ تھے آپ صحابہؓ کی راہ پر چلے اور اشاعرہ کی طرح کسی تاویل میں نہیں گئے اصول حدیث میں ''مقدمہ ابن صلاحؒ'' انہی کی گراں مایہ تالیف ہے علامہ شمس الدین ذہبیؒ (۷۴۸ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

وکان ابن صلاح سلفیا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد۴، ص ۲۱۵)

ترجمہ: یہ ابوعمرو بن صلاح سلفی العقیدہ تھے۔

یہاں ابن صلاح جو شافعی المذہب تھے کو سلفی کہا گیا ہے۔ غیر مقلدین کا تعارف سلفی کے نام سے نہ پہلے کبھی ہوا ہے نہ اب ہے ان کا اس دور جدید میں سلفی بننا صرف سعودی عرب کے علماء کو مغالطہ دینے کے لیے ہے جو مقلدین ہیں اور حنبلی فقہ پر چلتے ہیں برمنگھم کے اہل حدیث آرگن نے سلفی کی یہ نئی تعریف کی ہے:۔

انہیں سلفی بھی کہا جاتا ہے یعنی قرآن وحدیث کو سلف صالحین کی طرح قبول کرنے والے۔ جب ہم سلف صالحین کہتے ہیں تو ہم وہاں کسی مخصوص محدث یا فقیہ کو مراد نہیں لیتے۔ (ماہنامہ صراط مستقیم ص ۷)

• سلفی کی یہ نئی تعریف جو اس گروہ نے کی ہے آپ کو سلف صالحین میں کہیں نہ ملے گی پھر اگر سلفی کے یہ معنی ہوسکتے ہیں ''قرآن وسنت کو سلف صالحین کی طرح قبول کرنے والے'' تو حنفی کے یہ معنی کیوں نہیں ہوسکتے ''قرآن وسنت کو امام ابوحنیفہؒ کے طریقہ پر قبول کرنے والے'' پھر شافعی کے یہ معنی کیوں نہیں ہوسکتے '' قرآن وسنت کو امام شافعیؒ کے طریقہ پر قبول کرنیوالے'' اور مالکی اور حنبلی کے یہ معنی کیوں نہیں ہوسکتے ''قرآن وسنت کو امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے طریقہ پر قبول کرنے والے'' سلفی کی طرح یہ بھی تو پہلے لوگوں طرف نسبتیں ہیں اور یہ ضرورت کے وقت سلف کی بات کو بلا دلیل ماننے کا نام ہے یہ بلا دلیل ماننے میں مراد اس مجتہد کی خاص دلیل ہے۔ جس کی بناء پر اس نے یہ فیصلہ کیا اس سے یہ لازم نہیں

آتا کہ اس مقلد کے پاس اپنے اس موقف کی حمایت میں اور کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

شیخ ابو عبداللہ محمد بن عبدالملکؒ لکھتے ہیں:۔

ان التقليد هوقبول قول الغير من غير معرفة دليله واما معرفة دليلة فليس الاوظيفة المجتهد والتقليد مناط العمل.

(نقلاعن خلاصۃ التحقیق للشیخ عبدالغنی النابلسی ص۴، طبع استنبول)

تقلید کسی دوسرے کی بات کو اس کی دلیل جانے بغیر ماننے کا نام ہے اس کی دلیل جاننا یہ صرف مجتہد کی ذمہ داری ہے اور تقلید کا تعلق صرف عمل سے ہے، علم سے نہیں۔

قرآن وسنت کو اصل مآخذ شریعت مان کر سلفی کا عنوان اختیار کرنا قرآن وحدیث سے بغاوت نہیں تو حنفی شافعی مالکی اور حنبلی ہونے کے معنی بھی قرآن وسنت سے بغاوت کے نہیں ہو سکتے یہ قرآن وسنت کو اصل مآخذ مانتے ہوئے ان ائمہ کرامؒ کی علمی رہنمائی میں چلنے کا نام ہے۔ پھر ہر طالب علم جانتا ہے کہ حنفی فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کو مطاع کامل نہیں مانتے کئی مقامات پر امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی پیروی کرتے ہیں اور کبھی امام مالکؒ کی پیروی بھی کر لی جاتی ہے۔ حنفی فقہ کوئی شخصی فقہ نہیں ایک شورائی فقہ ہے جس کی تدوین امام ابوحنیفہؒ کی سرپرستی میں ہوئی۔

اس پس منظر کے ساتھ کسی شخص کا یہ سمجھنا کہ فقہ حنفی میں حضرت امام کو اس طرح مطاع کامل مانتے ہیں جس طرح نبی کو ہر باب میں خطا سے بالا سمجھا جاتا ہے درست نہیں۔ ایسا امام کی پیروی کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اس ماہنامہ میں سلفی کے جو معنی کیے گئے وہ سلف میں کہیں نہیں ملتے آپ دیکھ آئے ہیں کہ علامہ ذہبیؒ نے حافظ ابو عمرو بن صلاح کو سلفی لکھا ہے حالانکہ وہ شافعی المذہب تھے اور اگر سلفی کا معنی یہ ہوتا کہ کسی مخصوص محدث یا فقیہ کی راہنمائی میں نہ چلنے والے تو ابن صلاح شافعی کو کس طرح سلفی کہا جا سکتا تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ پتہ ہی نہیں کہ سلفی کسے کہتے ہیں اور اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غیر مقلدین کو تاریخ میں کبھی سلفی نہیں کہا گیا نہ یہ سلف کے دور میں کبھی تھے یہ لوگ ابھی ابھی سلفی کہلانے لگے ہیں۔ پھر درایۃً بھی ان لوگوں کی بیان کردہ

سلفی کی تشریح لائق قبول نہیں کہ یہ قرآن وسنت کو سلف صالحین کی طرح ماننے والوں کا نام ہے یہ اس لیے کہ سلف صالحین بھی تو کسی ایک طریقہ پر نہ تھے سلف صالحین میں وہ تمام اختلافات موجود تھے جو بعد میں ائمہ اربعہ کے ہاں واقع ہوئے۔ یہ صحابہ کرامؓ کے فقہی اختلافات ہی تھے جو بعد میں ائمہ کے ہاں مدون اور منضبط ہوئے ائمہ کرامؒ نے اختلافات پیدا نہیں کیے انہوں نے انہیں اوپر سے لیا ہے ائمہ نے ان ہی کو مرتب اور منضبط کیا ہے ان کی کوشش سے بیسیوں اختلافات سمٹ کر چار میں محدود ہوکر رہ گئے۔ اب جو شخص ان اختلافات کی بناپر مسالک اربعہ کو افتراق وانتشار کا موجب بتلاتا ہے اور انہیں طعن وتشنیع کا نشانہ بناتا ہے وہ یہ نہیں سوچتا کہ یہ اختلافات تو صحابہؓ کے درمیان بھی پائے جاتے تھے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ امت میں افتراق وانتشار کا سبب صحابہ کرامؓ کو قرار دینا شیعہ کے سوااور کس کا کام ہوسکتا ہے؟ کیا اس طرح یہ غیر مقلدین چھوٹے شیعہ نہیں ہیں؟

علاوہ ازیں سلفی کے معنی اگر غیر مقلدین والے کیے جائیں تولازم آتا ہے کہ سلف میں ایک ہی طریقہ گزرا ہو جو موجودہ زمانہ کے اہل حدیث کا ہے اور یہ بداہۃً غلط ہے۔ حدیث لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا معنی خود صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے منقول ہے کہ یہ مقتدی کے بارے میں نہیں ہے پھر امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں یہ حدیث اکیلے نماز پڑھنے والے کے بارے میں ہے، پھر حضرت سفیان بن عیینہؒ بھی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے تو کیا یہ حضرات ائمہ سلف صالحین میں سے نہ تھے اور کیا آج اس شخص کو جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے یا رکوع جاتے وقت رفع یدین نہ کرے کہیں سلفی کہتے ہیں؟ اگر نہیں تو سلفی کا یہ معنی ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جو قرآن وسنت کو سلف کے مطابق مانے وہ سلفی ہے نہ سلف کسی ایک طریقہ پر تھے اور نہ کسی ایک طریقہ کے پابند کو سلفی کہا جا سکتا ہے۔ اس عہد کے غیر مقلدین کو سلفی کہنا سلف کی اس تاریخ سے ایک کھلا مذاق ہے سلف میں بھی مختلف مسائل میں کئی مذاہب تھے شیخ عبدالرؤف مناوی لکھتے ہیں:۔

ان مذاهب السلف الماضيين من الصحابة والتابعين رضوان الله تعالى عليهم اجمعين كثيرة لاتكاد تنحصر الآن عددا وكلها اجتهادات استوفت الشروط فاستفادت

من الله معونة ومدداو لایجوز لاحد الطعن فی شئ منها ابدا کما قال الشیخ عبدالرؤف المناوی فی شرح الجامع للسیوطی. (خلاصہ التحقیق ص۴، للشیخ عبدالغنی النابلسی)

ترجمہ: سلف صحابہؓ ہوں یا تابعین یا تبع تابعین اللہ ان سب سے راضی ہو ان کے مذاہب بہت تھے انہیں گنا نہیں جاسکتا اور یہ ایسے اجتہادات ہیں جو اجتہادی شرطوں کو پورا کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ملی اور کسی کو ان میں سے کسی پر طعن کرنے کا حق نہیں ہے۔

اب آپ ہی سوچیں ان میں سے کس طریقے کو سلفی کہا جائے گا اور کس کو غیر سلفی حق یہ ہے کہ یہ سب اسلاف تھے اور ان میں سے ہر ایک مذہب سلفی طریق شمار ہوگا۔

اسلاف کے مختلف طریق عمل امت کے دوائر وسعت عمل ہیں:

سلف میں صحابہؓ کے مختلف طرق عمل کو کبھی انتشار امت کا سبب نہیں ٹھہرایا گیا ان اختلافات کو ہمیشہ امت کا دائرہ وسعت عمل سمجھا گیا ہے۔ یہ پراپیگنڈہ کہ یہ مختلف طرق عمل امت کے لیے مصائب کا موجب ہوئے کبھی اہل حق کی صدا نہیں رہی وہ ہمیشہ اس اختلاف کو رحمت اور وسعت عمل سمجھتے آئے ہیں۔ اب بھی جو شخص صحابہؓ کے ان فقہی اختلافات کو موجب انتشارات ٹھہراتا ہے وہ یقیناً اہل حق میں سے نہیں شیعوں کی ہی کوئی شاخ ہوگا جو ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ جس طرح بھی بن پڑے صحابہؓ کو امت میں انتشار پیدا کرنے والا ثابت کریں۔

سلیمان بن تحیم نے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی پر جو الزام لگائے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ امت کے فقہی اختلافات کو مصیبت سمجھتے ہیں حالانکہ اہل حق کے ہاں اختلاف امت رحمت ہے آپ سلیمان بن تحیم کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ان الرجل افتری علی اموراً لم اقلها ولم یات اکثر ها علی بالی (فمنها) قوله انی مبطل کتب المذاهب الا ربعة وانی اقول ان الناس من ست مائة سنة لیسوا علی شئ وانی ادعی الاجتهاد وانی خارج عن التقلید وانی اقول ان

اختلاف العلماء نقمة وانی اکفر من توسل بالصالحین.

(مؤلفات الشیخ الامام محمد بن عبدالوہاب جلد۱۱،ص۱۲،ص۶۴ مطابع الریاض)

ترجمہ: اس شخص نے مجھ پر بہت بہتانات باندھے ہیں جن میں سے کوئی بات میں نے نہیں کہی نہ ان کی مجھ پر کوئی ذمہ داری آتی ہے ان میں سے ایک یہ افتراء ہے کہ میں مذاہب اربعہ کی کتابوں کو غلط ٹھہراتا ہوں، دوسرے یہ کہ میں کہتا ہوں لوگ چھ سو سال سے راہ مستقیم چھوڑے ہوئے ہیں (تقلید پر قانع ہوگئے ہیں) اور یہ کہ میں مجتہد ہونے کا مدعی ہوں (خود اجتہاد کرتا ہوں) اور یہ کہ میں تقلید چھوڑے ہوئے ہوں اور یہ کہ میں یہ کہتا ہوں کہ فقہاء کا اختلاف موجب معصیت ہے اور یہ کہ جو صالحین امت سے توسل کریں میں انہیں کافر سمجھتا ہوں۔ (ایسا ہرگز نہیں ہے)

اس میں یہ تصریح ہے کہ فقہاء کے اختلاف کو معصیت کہنا جیسا کہ آج کل کے غیر مقلد کہتے ہیں کہ امت کا یہ سارا انتشار مذاہب اربعہ کی وجہ سے ہے ہرگز اہل حق کا موقف نہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اسے ایک افتراء اور بہتان سے زیادہ وقعت نہیں دی ان اختلاف العلماء نقمة کبھی علماء حق کا عقیدہ نہیں ہوسکتا۔

اسلاف امت کیا صرف صحابہؓ وتابعینؒ ہیں یا ائمہ اربعہؒ بھی؟

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت طلب کرتے ہوئے سلف صالحین کی تشریح بھی ساتھ ہی کردی ہے:۔

نشهدان رسول الله صلى الله عليه وسلم الشافع المشفع صاحب المقام المحمود نسال الله الكريم رب العرش العظيم ان يشفعه فينا وان يحشرنا تحت لوائه هذا اعتقاد ناوهذا الذي مشى عليه السلف الصالح من المهاجرين والانصار والتابعين وتابع التابعين والائمة الاربعة رضى الله عنهم اجمعين وهم احب الناس لنبيهم واعظمهم فى اتباعه

وشرعه. (مؤلفات شیخ محمد بن عبدالوہاب جلد۱۱، ص۴۹)

ترجمہ: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی آپ صاحب مقام محمود ہیں ہم اللہ کریم سے جو عرش عظیم کا رب ہے استدعا کرتے ہیں کہ وہ حضور کو ہمارا شافع ٹھہرائے اور ہمیں آپ کے جھنڈے تلے اٹھائے یہی ہمارا اعتقاد ہے اور یہی وہ عقیدہ ہے جس پر سلف صالحین گزرے ہیں جو مہاجرین وانصار صحابہ کرامؓ تابعین تبع تابعین اور ائمہ اربعہؒ تھے اللہ تعالی ان سب سے راضی ہوا یہ حضرات اپنے نبی کی سب سے زیادہ محبت رکھتے تھے اور آپ کی اتباع میں اور آپ کی لائن میں سب سے آگے چلنے والے تھے۔

اس میں ائمہ اربعہ کو بھی سلف صالحین کہا گیا ہے سو انکی پیروی کی مخالفت کرنے والے کیسے سلفی سمجھے جاسکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔

پھر آپ نے یمن کے والی الکیلی کو جو خط لکھا اس میں بھی آپ لکھتے ہیں:۔

واما ماذکر تم من حقیقة الاجتهاد فنحن مقلدون الکتاب والسنة وصالح سلف الامة وماعلیه الاعتماد من اقوال الائمة ابی حنیفة النعمان بن ثابت ومالک بن انس ومحمدبن ادریس واحمد بن حنبل.

(مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب جلد۱۱، ص۹۶)

ترجمہ: آپ نے جو اجتہاد کا ذکر کیا ہے سو معلوم رہے کہ ہم مقلد ہیں کتاب وسنت کے اور سلف صالح امت کے اور ائمہ اربعہ کے اقوال کے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے ان کی بات اعتمادا مانی جاتی ہے (ان سے دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جاتا) اور وہ امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد ہیں۔

اعتماد کی ضرورت کب ہوتی ہے؟

جن مسائل میں قرآن وحدیث کی صریح راہنمائی موجود ہو ان میں کسی پر اعتماد کی

ضرورت نہیں ہوتی قرآن وحدیث کی نصوص ہوتے ہوئے کسی کی پیروی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ ضرورت کب پڑتی ہے جب کوئی مسئلہ واضح طور پر قرآن وسنت میں نہ ملے اس میں اجتہاد درکار ہو اور انسان اپنے میں اجتہاد کی شرطیں نہ پائے تب وہ کسی مجتہد پر اعتماد کرنے پر مجبور ہوتا ہے

سلفی کے اصل معنی

اگر کسی مسئلے میں قرآن وسنت کی صریح راہنمائی نہ ملے اور انسان اپنے سے پہلے لوگوں کو کسی عمل پر پائے تو ان کے اعتماد پر اس راہ کو اختیار کرے ان سے دلیل پوچھنے کے درپے نہ ہو اسے پہلوں کی پیروی کہتے ہیں اور سلفی کے یہی معنی سلف میں ملتے ہیں اس صورت میں پہلوں کی بات پر بلاطلب دلیل عمل کرنے والا سلفی کہلائے گا اس دلیل تک پہنچنا اس کی استعداد میں نہیں ہے

مثال نمبر ۱:۔ ہاتھی کی ہڈیوں سے کوئی استعمال کی چیز (جیسے کنگھی وغیرہ) بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ مردار کے جسم کا ہی ایک حصہ ہے اس میں قرآن وسنت کی کوئی صریح راہنمائی موجود نہ تھی سوائے اس کے کہ مردار کلیۃ حرام ہے حضرت امام زہریؒ (۱۲۴ھ) نے اس میں پہلے لوگوں سے جو اہل علم سمجھے جاتے تھے تمسک کیا ہے اور آپ اس میں ان سے دلیل کے درپے نہ ہوئے یہ بلاطلب دلیل ان کے عمل پر چلنا ہے اور یہی سلفیت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے:۔

قال الزهری فی عظام الموتی نحو الفیل وغیره ادرکت ناسامن سلف العلماء ویمتشطون بها ویدهنون فیها لایرون به باساوقال ابن سیرین وابراهیم لابأس بتجارة العاج.

(صحیح بخاری جلد ۱، ص ۳۷)

ترجمہ: امام زہری ہاتھی جیسے حرام جانور کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے علماء سلف کو ان کی کنگھی استعمال کرتے پایا ہے اور وہ اس سے تیل رکھنے کے برتن بھی بناتے تھے اور اس میں کوئی حرج محسوس نہ کرتے تھے امام بن سیرین اور امام نخعی کہتے ہیں ہاتھی دانت کی

تجارت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ہر چیز کے لیے قرآن وحدیث سے سند تلاش کی جائے یہ سلف میں نہ تھا وہ کھلے بندوں پہلوں کی پیروی کرتے تھے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔ حضرت امام زہری فرماتے ہیں کہ حائضہ عورت روزوں کی قضا کرے آپ سے پوچھا گیا کہ اس بات کا ثبوت کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا:۔

هذا ما اجتمع النا س عليه وليس فى كل شئ نجد الاسناد. (المصنف لعبد الرزاق جلد١، ص٣٣٢)

ترجمہ: یہ وہ بات ہے جو لوگوں میں قائم ہے اور ہر بات پر تو سند نہیں ملتی۔

یہ سلف کی بلا دلیل پیروی کی مثال ہے امام زہری جیسا جلیل القدر محدث اپنے سے پہلے علماء کی بلا دلیل پیروی کر رہا ہے یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ جن مسائل میں کتاب وسنت کی نص موجود نہ ہو ان میں سلف کی بلا دلیل پیروی ہرگز کوئی عیب نہیں تھا۔ بلا دلیل کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بات بلا دلیل ہے یہاں بلا دلیل سے مراد عمل کرنے والے کا اسے بلا طلب دلیل عمل میں لانا ہے یہی سلفیت ہے۔ سلف کی اس پیروی کو پہلے دور میں کہیں عیب نہیں سمجھا گیا سلف سے دلیل مانگنے والا کبھی سلفی نہیں ہوسکتا۔

یہ پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اوائل کی بات ہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہے آیئے پھر آپ کو دوسری صدی کے شروع میں لے چلیں حضرت امام قاسم بن محمد مجتہد ہیں، جہاں قرآن وسنت کا صریح حکم نہ ملے وہاں آپ اجتہاد کرتے ہیں، لیکن آپ کی احتیاط دیکھئے کہ سلف کے عمل کو کس طرح بلا دلیل قبول کرتے ہیں:۔

عن عبدالله بن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة الليل مثنى مثنى فاذا اردت ان تنصرف فاركع ركعة توتر لك ماصليت قال القاسم ورأينا انا سا منذ ادركنا يوترون بثلث. (صحیح بخاری جلد١، ص١٣٥)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز جوڑا جوڑا کر کے پڑھو جب تم فراغت چاہو تو

(اس کے ساتھ) ایک رکعت اور پڑھو اس سے تم پہلے پڑھی گئی نماز کو
وتر کر لو گے (پہلا جوڑا اور یہ رکعت مل کر تین رکعت ہو جائیں گی)
امام قاسم بن محمد (۱۰۵ھ) کہتے ہیں جب سے ہم نے ہوش سنبھالا....
ہے ہم نے لوگوں کو تین رکعت وتر پڑھتے ہی پایا ہے
امام مالک کو امام زہری نے کہا کہ حضرت سعد ایک وتر پڑھ لیتے تھے آپ نے
اپنے زمانے کے اہل علم کے عمل کو اختیار کرتے ہوئے جواباً فرمایا:۔

قال مالک ولیس هذاالعمل عندنا ولکن ادنی الوتر ثلث.

(صحیح بخاری جلد ا، ص ۱۵۵)

ترجمہ: ہمارے ہاں (مدینہ کے اہل علم میں) اس پر عمل نہیں وتر کی
رکعات کم از کم تین ہیں۔

ظہر اسی وقت پڑھی جائے جب سورج اچھی طرح ڈھل جائے اس پر حضرت
امام قاسم سے سنیے:۔

**عن القاسم بن محمد انه قال ماادرکت الناس الاوهم
یصلون الظهر بعشی.** (مؤطا امام مالک ص ۲۷، طبع مصر)

امام قاسم کہتے ہیں میں نے لوگوں کو اسی طرح پایا ہے کہ وہ ظہر کی نماز ٹھنڈے
وقت پڑھتے ہیں۔

حضرت امام عطاء (۱۱۵ھ) بھی اسی پیرایہ میں فرماتے ہیں:۔

عن عطاء قال ادرکت الناس یمشون الیها مقبلین ومدبرین.

(المصنف لابن ابی شیعہ جلد ۳، ص ۴۳۲)

ترجمہ: عطا سے مروی ہے کہ میں نے لوگوں کو کنکریاں مارنے کے
لیے پیدل آتے جاتے ہی پایا ہے۔

یہ پہلی صدی کی آواز آپ نے سن لی۔ دوسری صدی کے اوائل کا عمل آپ امام
زہری (۱۲۴ھ) کے بیان سے معلوم کر چکے ہیں۔

امام زہری (۱۲۴ھ) کے بعد یحیٰی بن سعید الانصاری (۱۴۳ھ) کو دیکھئے کس طرح
اپنے وقت کے اہل علم کے عمل سے استناد کرتے ہیں امام بخاری ان سے نقل کرتے ہیں:۔

قال یحییٰ بن سعید الانصاری ماادرکت فقهاء ارضنا الایسلمون فی کل اثنتین من النهار. (صحیح بخاری جلد۱، ص۵۵)

ترجمہ: میں نے اپنے علاقے کے فقہاء کو اسی عمل پر دیکھا ہے کہ وہ دن کی نمازوں میں کس طرح ہر دو رکعت پر بیٹھتے ہیں۔

پھر امام مالک (۱۷۹ھ) کو دیکھئے وہ مؤطا میں کس طرح پہلے لوگوں سے استناد کرتے ہیں سلف کی اسی پیروی سے سنت اسلام میں جاری ہوئی ہے امام قاسم بن محمد (۱۰۷ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

عن القاسم بن محمد انه قال ماادرکت الناس الاوهم یصلون الظهر بعشی.

ترجمہ: امام قاسم سے مروی ہے آپ نے کہا میں نے پہلے لوگوں کو اسی پر پایا کہ وہ ظہر سورج کے اچھی طرح ڈھلنے پر پڑھتے تھے۔

پھر آگے جا کر اس مسئلے میں کہ مسافر اگر وطن واپس آ کر بھی اپنی قضا نماز پڑھے تو قصر کرے آپ لکھتے ہیں:۔

قال مالک وهذا الامر الذی ادرکت علیه الناس واهل العلم ببلدنا. (مؤطا امام مالک ص۳۲)

ترجمہ: اور یہ وہی صورت ہے جس پر میں نے لوگوں کو اور اپنے علاقہ کے اہل علم کو پایا ہے۔

پھر اس مسئلہ میں کہ مقتدی جماعت کے لیے کس وقت کھڑا ہو آپ لکھتے ہیں:۔

ومتی یجب القیام علی الناس حین تقام الصلوة فقال لم یبلغنی فی النداء والا قامة الاما ادرکت الناس علیه فاما الاقامة فانها لاتثنی وذلک الذی لم یزل علیه اهل العلم ببلدنا واما قیام الناس حین تقام الصلوة فانی لم اسمع فی ذلک بحد یقام له الاانی اری ذلک علی قدر طاقة الناس.

(ایضاً ص۹۱)

ترجمہ: اور لوگوں کا تکبیر کے ساتھ نماز کے لیے کب کھڑا ہونا ضروری ہے؟ اس

میں مجھے اذان اور تکبیر کے بارے میں کوئی بات نہیں پہنچی سوائے اس کے کہ میں نے جس پر لوگوں کو پایا ہے اقامت دودو دفعہ نہ کہی جائے مدینہ منورہ میں اہل علم اسی پر رہے ہیں اور تکبیر کے وقت لوگوں کا کھڑا ہونا سواس میں مجھے پہلوں سے کوئی حد بندی نہیں ملی سوائے اس کے میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگوں کی طاقت پر موقوف ہے جب کسی سے بن آئے وہ کھڑا ہو جائے۔

پھر آگے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

ما اعرف شیئا مما ادرکت علیہ الناس الا النداء للصلوۃ.

(مؤطا امام مالک ص ۹۳)

ترجمہ: ان چیزوں میں سے جن پر میں نے پہلے لوگوں کو پایا ایک نداء الصلوٰۃ ہی ہے جو پہلے طریقے پر قائم ہے۔

رمضان کے روزے میں مسواک کرنا دن کے پہلے حصے میں ہو یا پچھلے پہرا سے مدینہ کے اہل علم نے ناپسند نہیں کیا آپ نے ان کے اسی عمل کو اختیار کیا۔ پھر آپ نے مدینہ کے اہل علم کو شوال کے چھ روزے رکھتے نہ دیکھا اس میں باوجود یکہ حدیث موجود تھی آپ عمل اہل مدینہ پر رہے۔ اسی طرح آپ نے دیکھا کہ مدینہ کے اہل علم بلا کراہت جمعہ کا روزہ رکھتے ہیں آپ نے اسی کو اختیار کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں مدینہ منورہ میں کس طرح فقہائے علم کی تقلید رائج تھی یہ اہل علم فقہ کے ساتھ پہچانے جاتے تھے اور ان میں وہ لوگ تھے جن کی امت میں پیروی کی جاسکے اور خود امام مالک بھی باوجود فقہ اور حدیث کا امام ہونے کے اپنے سے پہلے کے فقہاء کی پیروی کرتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

عن مالک انہ سمع اھل العلم لایکرھون السواک للصائم من رمضان فی ساعۃ من ساعات النھار لافی اولہ ولا فی اخرہ ولم اسمع احدا من اھل العلم یکرہ ذلک ولاینھی عنہ قال یحیی وسمعت مالکا یقول فی صیام ستۃ ایام بعد الفطر من رمضان انہ لم یر احدا من اھل العلم والفقہ یصومھا ولم یبلغنی ذلک عن احد من السلف ولم اسمع احدا من اھل العلم والفقہ ومن یقتدی بہ ینھی عن صیام یوم

الجمعة. (مؤطا امام مالک ص۳۹۰)

اس عبارت میں اهل العلم والفقه کے ساتھ ومن يقتدى به کے الفاظ کو دیکھیں اس کا معنی ہے وہ لوگ جن کی اقتداء کی جاسکے" اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے دور اول میں ایسے فقہاء عام موجود تھے جن کی تقلید کی جاسکے اور یہ سب لوگ اپنے اپنے حلقہ میں امام سمجھے جاتے تھے اور یہ ائمہ اربعہ جن کی پیروی بعد میں امت میں جاری ہوئی خود بھی اپنے پیشرو اہل علم کی اقتداء میں چلے ہیں۔ یہی سلفی حضرات ہیں جو سلف کی پیروی کرتے تھے آج جو لوگ سلفی کہلاتے ہیں یہ ایک نئی اصطلاح ہے اور ایک نیا نام ہے امام مالکؒ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

> قال مالک وهذا الامر عندنا والذى ادركت عليه اهل العلم ببلدنا. (مؤطا امام مالک ص۲۸۷)
>
> ترجمہ: ہمارے ہاں بات یہی ہے اور اسی پر ہم نے اپنے علاقے کے اہل علم کو پایا ہے۔

مالکی حضرات عمل اہل مدینہ کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں احادیث کو گو وہ کتنی صحت رکھتی ہوں حجت ملزمہ نہیں سمجھتے۔ علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) اپنے مسلک کی قوت بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

> ثم ان مذهبنا يترجح فى ذلک بوجه عظيم وهو المعقول وذلک ان مسجد النبى صلى الله عليه وسلم بالمدينة انقضت عليه العصور و مرت عليه الازمنة والدهورمن لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم الى زمان مالک ولم يقرء احدفيه قط بسم الله الرحمن الرحيم اتباعا للسنة وهذا يرد احاديثكم. (تفسیر قرطبی جلد۱، ص۹۵)
>
> ترجمہ: پھر ہمارے مذہب کو ایک اور وجہ عظیم سے بھی ترجیح حاصل ہے اور وہ بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ آنحضرتؐ کی مسجد مدینہ پر کتنے زمانے ہو گزرے اور اس پر کتنے زمانے آئے حضورؐ سے لے کر امام مالک تک اور اس پورے عرصے میں ایک شخص بھی نماز میں بسم اللہ

(اونچی آواز سے) پڑھتا نہیں پایا گیا یہ سب اس سنت قائمہ کے تحت ہوتا رہا جو وہاں قائم تھی سو اس وجہ سے تمہاری پیش کردہ سب احادیث رد ہو جاتی ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ جن احادیث پر سلف صالحین کا عمل نہ ملے ان سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ایسی احادیث از خود حجت ملزمہ نہ ہوں گی احادیث سے سنت کی دریافت اسی طریق سے ہوتی ہے کہ اس پر ائمہ کا عمل بھی ملے۔

حضرت امام شافعی باوجود یکہ جگہ جگہ حدیث مرفوع متصل کے لیے پکارتے ہیں مگر انہیں بھی اسی ادرکت علیه الناس کی لائن پر آنا ہوا۔ آپ بیس رکعت تراویح کے سنت اسلام ہونے کا اس طرح پتہ دیتے ہیں:۔

قال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة. (جامع ترمذی جلد ۱، ص۹۹)

ترجمہ: امام شافعی کہتے ہیں میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو اسی طرح بیس رکعت پڑھتے پایا ہے۔

فقہ کے چوتھے امام حضرت امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) نے اپنے عقیدہ اہلسنت پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اس میں آپ بھی وقت کے اہل علم کے عمل سے استناد کرتے ہیں۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:۔

وھذا مذھب اھل العلم واھل الاثر اھل السنة المتمسکین بعروتھا المعروفین بھا المقتدی بھم من لدن اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم الی یومنا ھذا ادرکت من علماء الحجاز والشام وغیرھم علیھا.

(تاریخ اہل حدیث از مولانا ابراہیم میر ص ۶۲)

ترجمہ: اہل سنت علماء اور محدثین جو سنت کے کڑے سے متمسک ہیں اور اسی عنوان سے معروف ہیں اور ان کی صحابہ کرام سے لے کر اب تک امت میں اقتداء جاری ہے میں نے علماء حجاز علماء شام اور مصر سب کو اسی طریقہ پر پایا ہے۔

حضرت امام احمد کی اس عبارت میں المقتدی بھم کے الفاظ اس دور کے دور تقلید کا پتہ دیتے ہیں یہی تقلید ہے جس نے آگے جا کر ایک مستقل علمی ماخذ کا درجہ اختیار کیا۔

آپ دیکھ آئے ہیں کہ امام شافعی کے پاس اس پر کوئی صحیح حدیث موجود نہ تھی کہ آنحضرتؐ نے ان تین راتوں میں جن میں آپ نے جماعت سے تراویح پڑھیں کتنی رکعات پڑھی تھیں اس میں آپ اپنے پہلوں کے عمل پر بلا طلب دلیل چلے ہیں۔

یہ دوسری صدی کی بات ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے ہاں سلف صالحین کا عمل اس خلا کو پورا نہ کر رہا تھا ایسا نہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کا عمل اتنا روشن تھا کہ صحابہؓ و تابعین اپنے آپ کو کسی اندھیرے میں نہ سمجھتے تھے اور سب اسلاف کا بیس رکعت تراویح پر عمل تھا۔ اس وقت یہ کہیں سننے میں نہ آیا کہ پوری قلمرو اسلامی میں کسی مسجد میں گیارہ رکعت باجماعت ادا کی گئی ہوں۔ سلف کا بیس رکعات تراویح پر یہ عمل بتلاتا ہے کہ آج گیارہ رکعت تراویح پڑھنے والے سلفی نہیں ہیں نہ سلف میں سے یہ کسی کا عمل تھا۔

حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:۔

اکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی و هکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة.

(جامع ترمذی جلد ا، ص ۹۹)

ترجمہ: اکثر اہل علم جیسا کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ سے مروی ہے بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔ یہی امام سفیان ثوری اور حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھتے ہی پایا ہے۔

دیکھئے امام شافعی نے بیس رکعات تراویح پڑھنے میں کس سے تمسک کیا ہے؟ اپنے سلف سے اور وہ بلا دلیل ان کی راہ پر چلے ہیں۔ یہ بیس رکعت تراویح پڑھنا سلفیت ہے سلفیت اور حنفیت دونوں میں سلف سے تمسک کیا جاتا ہے اس بات سے کسی صاحب علم کو انکار نہیں ہو سکتا کہ دونوں میں اسلاف کی بلا دلیل پیروی پائی جاتی ہے فرق ہے تو صرف

یہ کہ حنفیت میں ایک معین فقہ کی پیروی ہے اور سلفیت میں بڑے علماء کے لیے جیسے کہ امام محمد اور امام شافعی ہوئے کسی ایک فقہ کی پابندی نہ تھی تاہم اس بات سے کسی صاحب علم کو انکار نہیں ہوسکتا کہ اسلاف کی بلادلیل پیروی بایں اعتماد کہ وہ قرآن وسنت کے مطابق ہی چلے ہوں گے ہرگز ہرگز کوئی عیب نہیں سمجھی گئی یہ سلفیت ہو یا حنفیت شافعیت ہو یا حنبلیت سب ایک حکم میں ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی اور قاضی شوکانی اس پر متفق ہیں کہ جو تین رات آپ نے تراویح پڑھائیں ان کا عدد صحیح طور پر جانا نہیں جاسکا۔

بر منکم کے غیر مقلدین نے جو یہ کہا ہے کہ سلفی وہ ہے جو سلف کی پیروی تو کرے لیکن کسی ایک محدث یا فقیہ کا پابند نہ ہو، ہرگز درست نہیں۔ سعودی علماء کرام سلف کے پیرو ہیں لیکن وہ مقلد ہیں اور ایک امام پر جمع ہیں جناب عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب ہمارا مسلک کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:۔

> ہم فروعی مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر ہیں چونکہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا طریقہ منضبط ہے اس لیے ہم ان کے کسی مقلد پر انکار نہیں کرتے ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کریں۔

(ترجمہ از مولانا محمد اسماعیل غزنوی طبع ۱۹۲۷ء)

اب بتلایئے کہ یہ ایک امام کی پیروی کرنا کیا سعودی علماء کو سلفی ہونے کے دائرہ سے نکال دے گا اگر نہیں تو یہ غیر مقلدین پھر کس پہلو سے اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں؟ سلفی کا یہ معنی کبھی نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی ایک محدث یا فقیہ کا پابند نہ ہو۔

غیر مقلدین تقریباً ایک مسلک کے ہیں اور اپنی مسجدوں میں آٹھ رکعات تراویح ان سب کا عمل ہے بلکہ دوسروں کو بھی آٹھ پڑھنے کی تعلیم وتاکید کرتے ہیں حالانکہ سلف صالحین میں کبھی کسی نے مسجد میں آٹھ رکعات تراویح جماعت سے نہ پڑھیں اور نہ مسجد حرام میں کسی رمضان میں آٹھ رکعات تراویح پڑھی گئیں نہ مسجد نبوی میں، پھر معلوم نہیں یہ غیر مقلدین آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہوئے اپنے آپ کو کس برتے پر سلفی کہتے ہیں سلف صالحین تو مسائل مشہورہ میں کسی ایک مسلک پر نہ تھے سلف میں ہر طرح کے عمل پائے جاتے

تھے اور ان کے پیروؤں کا بھی دونوں طرف عمل تھا۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی یہ عبارت آپ پہلے دیکھ آئے ہیں:۔

فان السلف فعلوا هذا وهذا وكان كلا الفعلين مشهورا بينهم كانوا يصلون على الجنازة بقرأة و بغير قرأة كما يصلون تارة بالجهر بالبسملة وتارة بغير جهر وتارة باستفتاح وتارة بغير استفتاح وتارة برفع اليدين فى المواطن الثلثة وتارة بغير رفع وتارة يسلمون تسليمين وتارة تسليمة واحدة وتارة يقرؤن خلف الامام بالسرو تارة لايقرء ون وتارة يكبرون على الجنازة سبعا وتارة خمسا و تارة اربعا كان فيهم من يفعل هذا وفيهم من يعمل هذا كل هذا ثابت عن الصحابة.

(رسالہ سنۃ الجمعہ لابن تیمیہ ماخوذ از الانصاف لرفع الاختلاف ص۱۰ مطبوعہ ۱۹۱۰ء)

ترجمہ: سلف صالحین نے دونوں طرح کیا ہے اور دونوں فعل ان میں مشہور و معروف رہے ہیں۔ بعض سلف نماز جنازہ میں قرأت کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے جیسے کبھی بسم اللہ نماز میں اونچی پڑھ لیتے تھے اور کبھی بسم اللہ بغیر جہر کے ساتھ پڑھتے تھے، کبھی افتتاح والی دعا پڑھ لیتے اور کبھی نہ پڑھتے، کبھی رکوع کو جاتے رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت شروع کرتے وقت رفع یدین کر لیتے اور کبھی ان تینوں موقعوں پر رفع یدین نہ کرتے، نماز پوری ہونے پر کبھی دونوں طرف سلام پھیرتے اور کبھی ایک طرف، کبھی امام کے پیچھے قرأت کر لیتے اور کبھی نہ کرتے، نماز جنازہ پر کبھی سات تکبیریں کہتے کبھی پانچ اور کبھی چار۔ سلف میں ان میں سے ہر طریقے پر عمل کرنے والے تھے اور یہ سب اقسام عمل صحابہؓ سے ثابت ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ کا یہ بیان غیر مقلدین کے اس دعوی پر ضرب کاری ہے کہ سلف صالحین سب ایک فقہی طریق پر تھے اور اب بھی ان مسائل میں امت میں ایک ہی طریقہ قائم ہونا چاہیے۔

جب دونوں طرح کے عمل اسلاف سے ثابت ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ

کیا پھر دونوں طرف کے عالمین سلفی ہوئے یا نہ؟ سلف صالحین میں سے ہوئے یا نہ؟ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک طریقے کے عالمین کو تو سلفی کہا جائے اور دوسری طرف کے اعمال کے سنت ہونے سے یکسر انکار کر دیا جائے۔ غیر مقلدین کی یہ بڑی غلطی ہے کہ وہ سلفی کا لفظ صرف اپنے ہاں تو آنے دیتے ہیں اور احناف وشوافع اور موالک وحنابلہ کے سلفی ہونے کا یکسر انکار کرتے ہیں۔ کیا یہی انصاف ہے؟ لینے اور دینے کا ترازو ایک ہونا چاہیے۔ حق یہ ہے کہ غیر مقلدین نے اپنے لیے سلفی کا لفظ غلط اختیار کیا ہے سلف میں ہر طریق عمل کے لوگ موجود تھے اور ان کے پیروؤں میں سے کسی کے سلفی ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے سلفی کی یہ تعریف کرنا کہ وہ کسی ایک محدث یا فقیہ کی پیروی کے پابند نہ ہوں سلف کی پوری تاریخ سے ایک کھلا تصادم ہے کوئی صاحب علم کبھی سلفی کے یہ معنی نہ کرے گا۔

یہ نہ بھولیے کہ ہمارے زمانہ کے غیر مقلدین کا سلفی کہلانا سعودی عرب کے حنبلی علماء کو مغالطہ دینے کے لیے ہے کہ ہم بھی مسائل غیر منصوصہ میں سلف کی بات بلا دلیل مانتے ہیں اور اس پر عمل کرنا جائز سمجھتے ہیں ہم یہ بات کیسے باور کرلیں کہ غیر مقلدین کی ہاں مسائل غیر منصوصہ میں سلف کی بات بلا دلیل قبول کرنی جائز ہوگی اگر نہیں تو وہ سلفی کیسے ہوئے؟ یہ سب کے سوچنے کی بات ہے۔

امید ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ کے مذکورہ بیان کی روشنی میں اس دور کے اہلحدیث سلفی کہلانے سے یکسر رک جائیں گے۔ جب وہ سلفی نہیں تو محض سعودی عرب کے مشائخ کو مغالطہ دینے کے لیے اپنے آپ کو سلفی کہنا یہ کس حدیث کی روشنی میں ان لوگوں نے جائز کر رکھا ہے۔ اگر فرقہ اہلحدیث کے لوگ اپنے کو سلفی کہنے سے نہ رکیں اور ان پتھروں پر ان تاریخی حقیقتوں کا کوئی اثر نہ ہو تو ہم مولانا ابوالکلام آزادؒ کے اس فقرے سے آگے اور کچھ نہیں کہہ سکتے جسے مولانا محمد داؤد غزنوی صاحب مرحوم کے صاحبزادے پروفیسر ابوبکر غزنوی نے آپ سے نقل کیا ہے جناب ابوبکر غزنوی فروری ۱۹۶۴ء کے ایک مضمون ''فاران کی وادی تک'' میں لکھتے ہیں:۔

مجھے مولانا آزاد کا اہل حدیثوں کے بارے میں وہ فقرہ یاد آیا۔

''ان پتھروں کو اگر میں ہزار برس بھی تراشتا رہوں تو ان سے انسان کا بچہ تو میں پیدا نہیں کرسکتا'' (فاران کا سلور جوبلی نمبر ۶:۲ سال ۱۹۸۶ء)

جناب ابوبکر غزنوی نے مولانا آزاد کے اس جملے سے استدلال کیا ہے کہ انہیں (اہلحدیث باصطلاح جدید کو) سمجھ اور شعور کا بہت کم سلیقہ ملا ہے ہمارے نزدیک ان کا اپنے آپ کو سلفی کہنا بھی ان کی اسی قسم کی ایک بے سمجھی ہے۔

اگر نہیں تو وہ سلفی کیسے ہوئے ؟ اور اگر سلف کی بات بلا طلب دلیل ماننا جائز سمجھتے ہیں تو وہ غیر مقلد کیسے ہوئے ؟ یہ بات سب کے سوچنے کی ہے۔

غیر مقلدین کا اپنے آپ کو اہلحدیث کہنا

رہا ان کا اپنے آپ کو اہلحدیث کہنا تو یہ بھی تاریخی طور پر درست نہیں مرو، نیشاپور، سمرقند اور سرخس میں مدتوں لفظ الحدیث سے شافعی حضرات مراد لیے جاتے رہے ہیں سو یہ نام ان دنوں غیر مقلدین کے لیے کہیں نہ تھا نہ ان ادوار وسطیٰ میں غیر مقلدین بطور ایک فرقہ کے کہیں موجود تھے۔ علامہ سبکی (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں:۔

كان الشيخ ابوالفضل البلعمي ينتحل مذهب الحديث قال ابن الصلاح اذا اطلقوا هذا هناک انصرف الى مذهب الشافعي (طبقات)

شافعی حضرات کو وہاں خصوصیت سے اہل حدیث اس لیے کہتے تھے کہ حنفیوں کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ یہ اپنے استدلال میں قرآن کریم کو زیادہ لاتے ہیں کتاب اللہ کو اول رکھتے ہیں اور شافعی حضرات ظاہر حدیث کو زیادہ لیتے تھے اور اس طرف کم توجہ کرتے تھے کہ قرآن اس بارے میں کیا کہتا ہے سو شافعیوں کو صرف اس پہلو سے ان حلقوں میں اہل حدیث کہا جاتا رہا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ غیر مقلد دوستوں نے کس طرح اپنے لیے یہ نام پسند کر لیا اور یہ نہ سوچا کہ قرون وسطیٰ میں اہل حدیث کا لفظ بھی مقلدین کے لیے ہی استعمال ہوتا رہا ہے۔

سرِ خدا کہ عارف و زاہد کسے نہ گفت | درحیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

چوتھی صدی میں سندھ کے شہر منصورہ کے حوالہ سے بھی کچھ اہل حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے اس سے مراد بھی وہی شافعی حضرات ہیں جنہیں ظاہر حدیث پر عمل کرنے کے باعث اہلحدیث بھی کہا جاتا رہا ہے۔ اس سے مراد وہ گروہ نہیں جو آج برصغیر پاک وہند میں ترک

تقلید اور ایک مجلس کی طلاق ثلثہ کو ایک قرار دینے میں عوام میں ایک شہرت رکھتا ہے۔ یہ غیر مقلدین حضرات اس دور کے نہیں یہ بہت بعد کی پیداوار ہیں اور بقول نواب صدیق حسن خاں ابھی ابھی اُگے ہیں۔

جو لوگ پاک و ہند میں اہلحدیث کہلاتے ہیں انہیں عرب ممالک میں کہیں اہل حدیث نہیں کہا گیا اولاً تو یہ کہ ان ممالک میں پائے ہی نہیں جاتے اور اب جب یہاں سے کچھ لوگ وہاں گئے ہیں تو وہاں وہ اپنا نام سلفی رکھتے ہیں اہلحدیث کے نام سے وہاں اب بھی کوئی فرقہ موسوم نہیں ہے۔ سو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عرب سیاح بشاری مقدسی جو ۳۷۵ھ میں ہندوستان آیا تھا کسی ایسے طبقے کو اہلحدیث کہہ کر ذکر کرے۔ اس نے شہر منصورہ کے باشندوں کو اگر اہلحدیث کہا ہے تو شافعی ہونے کے معنی میں کہا ہے غیر مقلدین کے معنی میں نہیں۔ مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں :۔

جو لوگ پاک و ہند میں اہلحدیث کہلاتے ہیں انہیں مشرق وسطی میں سلفی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (دیار عرب میں چند روز)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بیرون پاک و ہند اس فرقے کا تعارف اہلحدیث کے نام سے کبھی موجود نہیں رہا سو عرب ممالک میں یا عرب سیاحوں کے ہاں جہاں بھی یہ لفظ پایا جائے گا یہ محدثین کے معنی میں ہوگا یا شافعی حضرات کے ذکر میں، غیر مقلدین کے ایک فرقہ کے طور پر نہیں یہ یقیناً ایک نیا فرقہ ہے جو انگریزوں کی عملداری سے پہلے ہندوستان میں کبھی کہیں موجود نہیں تھا۔

علامہ ابن ہمام (۸۶۱ھ) بھی ایک جگہ اہلحدیث کا ذکر کرتے ہیں:۔

كما هو قول الحنابلة وبعض اهل الحديث. (فتح القدیر جلد۲، ص۲۹۴)

یہ لفظ اہلحدیث کا استعمال کہاں ہو رہا ہے مصر میں سکندریہ میں عرب ممالک میں سو جب یہ لوگ بقول مولانا مسعود عالم ندوی مشرق وسطی میں کبھی اہلحدیث کے نام سے معروف نہیں ہوئے تو یہاں اس سے مراد یہ طائفہ غیر مقلدین کیسے ہوسکتا ہے؟ کبھی نہیں ہوسکتا۔ یہ لفظ ان معنوں میں خاص پاک و ہند کی پیداوار ہے اور یہ ان معنوں میں بس یہیں استعمال ہوسکے گا نہ کہ مصر اور اسکندریہ میں ہاں محدثین کے معنی میں اس کا استعمال یہ بے شک علمی

دنیا میں بہت ملتا ہے اور اصطلاح قدیم میں اہلحدیث سے یہی مراد لیے جاتے رہے ہیں اور ہمیشہ سے یہ اہل علم کے ایک طبقہ کا نام رہا ہے جیسے اہل تفسیر اہل عربیت اہل حدیث، اہل لغت اور اہل معانی۔ اس معنی کے سوا یہ لفظ اہل حدیث اگر کہیں استعمال ہوا ہے تو شافعی حضرات کے لیے جیسا کہ علامہ سبکیؒ نے لکھا ہے:

برصغیر پاک وہند کے غیر مقلدین نے اب اگر اسے اٹھا لیا ہے تو یہ صرف مولانا محمد حسین بٹالوی کی تگ ودو سے جنہوں نے انگریز سرکار سے اسے اپنے لوگوں کے لیے الاٹ کرایا تھا۔

ہمیں بار بار اس لفظ پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہم آثار الحدیث جلد دوم میں اس پر قدرے بحث کر آئے ہیں یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بقول حضرت الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اس آخری دور کے تارکین تقلید متبعین میں سے نہیں مبتدعین میں سے ہیں حضرت الشیخ خود مقلد تھے مبتدع نہ تھے اور اس نوزائیدہ فرقہ میں سے نہ تھے۔

حدیث اور فقہ میں امامت کیا صرف امام شافعیؒ کے نام ہے؟

بعض اہلحدیث (باصطلاح جدید) یہ کہہ دیتے ہیں کہ مذاہب اربعہ میں شافعی مذہب حدیث کے سب سے زیادہ قریب ہے اس لیے بعض علاقوں میں شافعیوں کو اہل حدیث کہا جاتا رہا ہے انہیں اہل حدیث کہنے سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث اور فقہ میں امامت صرف امام شافعیؒ کی مسلم رہی ہے ہم کہتے ہیں ایسا نہیں چاروں امام حدیث اور فقہ دونوں کے مسلم امام تھے اور چاروں کی اقتداء امت میں جاری ہوئی ہے حضرت الشیخ محمد بن عبدالوہاب لکھتے ہیں:۔

> فتامل رحمک اللّٰہ ماکان علیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واصحابہ بعدہ والتابعون لھم باحسان الی یوم الدین وماعلیہ الائمۃ المتقدی بھم من اھل الحدیث والفقہ کابی حنیفۃ ومالک والشافعی واحمدبن حنبل رضی اللّٰہ عنھم اجمعین لکی نتبع اثارھا وامامذھبنا فمذھب احمدبن حنبل امام اھل السنۃ ولاننکر علی اھل المذاھب الاربعۃ اذالم

يخالف نص الكتاب والسنة واجماع الامة وقول جمهورها.

(مؤلفات الشيخ الامام محمد بن عبدالوہاب جلد ۱۱، ص ۱۰۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اس کو لو جس بات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا اور جس پر آپ کے صحابہؓ آپ کے بعد عمل پیرا ہوئے اور اس پر ان کے تابعین چلے اور جس پر اہل الحدیث والفقہ ائمہ کرام جن کی اقتداء امت میں جاری ہوئی چلتے آئے جیسے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ تاکہ ہم ان کے قدموں کے نشانوں پر چلیں۔ رہا ہمارا مذہب سو وہ امام اہل السنۃ امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے اور ہم مذاہب اربعہ میں سے کسی پر نکیر نہیں کرتے جب تک اس میں قرآن وسنت کی کسی نص، اجماع امت اور قول جمہور کی مخالفت نہ ہو۔

دیکھئے شیخ محمد بن عبدالوہاب نے کس طرح واضح طور پر چاروں اماموں کو اہل الحدیث والفقہ کہا ہے چاروں اماموں کو اہل حدیث میں شمار کرنا ان کے بڑے محدث ہونے کا اقرار ہے یہاں لفظ اہل حدیث آنے سے یہ مراد نہیں کہ ان دنوں کوئی فرقہ غیر مقلدین موجود تھا جسے اہل حدیث کہتے تھے حضرت شیخ کی اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان دنوں امت میں ان ائمہ کی پیروی ہرگز بری نہ سمجھی جاتی تھی نہ کوئی تقلید کو ان دنوں حرام سمجھنے والا تھا یہ فرقہ غیر مقلدین ان کے بعد پیدا ہوا ہے اور یہ واقعی ایک نیا فرقہ ہے۔

مقلدین کے مقابل فرقہ مبتدعہ کا لفظ

مقلدین جو چاروں رستوں میں چلے سب ایک فرقہ رہے ہیں اور یہ اہل السنۃ کے نام سے معروف ہوئے انہوں نے ان مختلف مکاتب فقہ کے نام سے اپنی کوئی علیحدہ فرقہ بندی نہیں کی ان سلف کی پیروی کرنے والوں کو متبعین کہا جاتا ہے (اماموں کی اتباع کرنے والے) اور جو شخص اسلاف کی اس پیروی سے نکلے اور خود اجتہاد کا مدعی ہوا سے مبتدع کہتے تھے کہ اس نے اجماع امت کے خلاف ایک نئی راہ نکالی۔ بارہویں صدی تک تقلید پر امت کا اجماع تھا مقلدین اور مجتہدین (وہ مجتہد فی المذہب ہوں یا مجتہد فی المسائل) کے سوا کوئی اور فرقہ کسی نام سے موجود نہ تھا۔

سلیمان بن تحیم نے جب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی پر ترک تقلید کی تہمت لگائی تو آپ نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ کو جو خط لکھا اس میں تقلید کی پرانی لائن سے نکلنے کو آپ نے صریح لفظوں میں بدعت قرار دیا ہے سو اگر یہ فرقہ غیر مقلدین کوئی بدعتی فرقہ نہیں تو حضرت شیخ اپنے غیر مقلد ہونے کی نفی ان الفاظ سے کیوں کرتے ہیں کہ میں کوئی بدعتی نہیں ہوں آپ لکھتے ہیں۔

اخبرک انی ولله الحمد متبع ولست بمبتدع عقیدتی ودینی الذی ادین به مذهب اهل السنة والجماعة الذی علیه ائمة المسلمین مثل الائمة الاربعة واتباعهم الی یوم القیمة. (مؤلفات الشیخ الامام محمد بن عبدالوہاب جلد ۱۱، ص ۳۶)

ترجمہ: میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں مقلد ہوں (پہلوں کی پیروی کرنے والا) اور بدعتی (غیر مقلد) نہیں ہوں میرا عقیدہ اور دین مذہب اہل السنۃ والجماعۃ ہے جس پر سب ائمہ کرام جیسے ائمہ اربعہ اور ان کے قیامت تک پیروی کرنے والے لوگ گامزن ہیں۔

پھر ایک خط میں جو آپ نے علماء مکہ کے نام لکھا اس میں آپ لکھتے ہیں:۔

فنحن ولله الحمدمتبعون غیر مبتدعین علی مذهب الامام احمد بن حنبل و بریة من البهتان الذی اشاع الاعداء انی ادعی الاجتهاد ولا اتبع الائمة. (ایضاً ص ۴۰)

ترجمہ: ہم بفضل خدا اماموں کی پیروی کرنے والے ہیں بدعتی نہیں ہیں (غیر مقلد نہیں ہیں) امام احمد بن حنبل کے طریقے پر ہیں اور اس بہتان سے پاک ہیں جو دشمنوں نے مجھ پر باندھ رکھے ہیں کہ میں مجتہد ہونے کا مدعی ہوں اور مقلد نہیں ہوں۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اہل حدیث کے نام سے کوئی فقہی فرقہ موجود نہ تھا ورنہ شیخ یوں کہتے کہ میں مقلد ہوں اہل حدیث میں سے نہیں ہوں شیخ کا یہ کہنا کہ میں مقلد ہوں بدعتی نہیں ہوں پتہ دیتا ہے کہ ان دنوں ترک تقلید ایک بدعتی کی آواز سمجھی جاتی تھی یہ لوگ ان دنوں محمدی یا موحد کے نام سے بھی کوئی وجود نہ رکھتے تھے نہ ان ناموں سے ان دنوں کوئی فرقہ موجود تھا۔

اس نوزائیدہ فرقے کا پتہ برصغیر پاک وہند کے سوا اور کہیں نہیں ملتا اور ہندوستان میں بھی یہ اس وقت پیدا ہوا جب انگریزی عملداری قائم ہو چکی تھی اور ہنوز یہ غیر مقلدین کسی ایک نام پر جمع نہ ہوئے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ انہیں سرکاری طور پر کسی ایک نام سے موسوم کیا جائے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی اس مسئلے میں زیادہ مصلحت پسند نہیں رہے وہ صاف کہتے ہیں کہ ہم نے لفظ انگریزی سرکاری سے اپنے لیے الاٹ کرایا ہے پہلے ہمیں کبھی موحد کہتے تھے کبھی محمدی اور کبھی اہلحدیث۔ ہمارے فرقے کا کوئی ایک طے شدہ نام نہیں تھا۔

سلفی کی اصل اصطلاح

سلفی کی اصطلاح پہلے دور میں ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتی تھی جو آیات صفات میں کسی تاویل کے قائل نہ ہوں فقہ میں گو وہ حنفی ہوں یا شافعی یا مالکی یا حنبلی لیکن عقائد میں وہ اشاعرہ کی طرح کسی تاویل کو راہ نہ دیں۔ اور آیات صفات کی صحیح مراد اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں اس کو تفویض کیا جاتا تھا تفویض اور تاویل مقابلے کے دو لفظ ہیں۔

ونهى السلف رحمهم الله عن الجدال في الله جل شانه في صفاته واسمائه. (جامع بیان العلم جلد۲، ص۱۱۳)

ترجمہ: سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء میں بحث کرنے سے منع کیا ہے۔

امام جعفر صادقؒ کیسی حقیقت پسندانہ بات کہہ گئے:۔

الناظر في القدر كالنا ظر في عين الشمس كلما ازداد نظرا ازداد حيرة

ترجمہ: تقدیر پر بحث کرنے والا ایسا ہے جیسا عین سورج کی ٹکیہ کو دیکھنے والا جتنا دیکھتا جائے گا اس کی حیرت بڑھتی جائے گی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک ایسی بحث میں لکھتے ہیں:۔

یہ اعتقاد رکھنا ہوگا کہ ابصار (دیکھنے) کا مبداء اس کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو روایت بصری سے حاصل ہوسکتا ہے اس کو بدرجہ کمال حاصل ہے آگے یہ کہ وہ مبدأ کیسا ہے

اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے تو بجز اس بات سے کہ اس کا دیکھنا مخلوق
کی طرح نہیں ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں لیس کمثلہ شئی وھو السمیع البصیر نہ
صرف سمع و بصر بلکہ اس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ
صفت باعتبار اپنے مبدأ و غایت کے ثابت ہے مگر اس کی کوئی کیفیت
بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ شرائع سماویہ نے اس کا مکلف بنایا ہے کہ
آدمی اس طرح کے ماوراء العقل حقائق میں خوض کر کے پریشان ہو۔
رہا استواء علی العرش کا مبداء اور ظاہری صورت اس کے متعلق وہی
عقیدہ رکھنا چاہیے جو ہم سمع و بصر وغیرہ کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ اس
کی کوئی ایسی صورت نہیں ہوسکتی جس میں صفات مخلوقین اور سماعت
حدوث کا ذرا بھی شائبہ ہو۔ (تفسیر سورہ اعراف ص ۲۰۳، ص ۲۰۴)

سلفی کی اصل اصطلاح اس عقیدہ والوں کے لیے تھی گو فقہ میں وہ کسی امام کے پیرو ہوں غیر مقلدین حضرات اگر اس جہت سے اپنے کو سلفی کہیں تو پھر مولانا ثناء اللہ امرتسری کو وہ سلفی نہیں کہہ سکتے۔ اس کی تفصیل آپ کو فیصلہ مکہ میں مل سکے گی یہاں ہم صرف طلبہ کو اس اصطلاح سے شناسا کرانا چاہتے ہیں کہ قطع نظر اس سے کہ کون سلفی ہے اور کون نہیں؟ لیکن یہ بات اپنی جگہ پختہ ہے کہ برمنگھم کے اس ماہنامہ نے سلفی کے جو یہ معنی بیان کیے ہیں کہ وہ کسی مخصوص محدث یا فقیہ پر جمع نہ ہوں سراسر غلط ہیں۔ مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالجلیل سامرودی نے اپنے عہد کے تمام اہل حدیث علماء کو سلفی ہونے سے نکال دیا تھا آپ نے کہا۔

> میں اپنے ہم عصر علماء کو چیلنج دیتا ہوں کہ وہ میری اس بات کو غلط
> ثابت کریں کہ کیا آپ لوگ اشعری اور ماتریدی کے پابند نہیں پھر
> تمہیں اہلحدیث خالص کہلاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

ترک تقلید سے امت میں اتحاد پیدا ہوا یا انتشار؟

ترک تقلید سے انسان میں جو آزادی پیدا ہو گی ظاہر ہے کہ اس میں ہر انسان کی سوچ اور فکر اپنی اپنی ہو گی احادیث بھی اسے ایک راہ پر نہ رکھ سکیں گی کیونکہ احادیث کا آپس

میں بہت اختلاف ہے اور ہر جگہ ترجیح نہیں چلتی کئی جگہ تطبیق بھی دینی پڑتی ہے۔ ائمہ میں جو اختلاف ابھرے وہ انہی احادیث کی بنا پر ہی تو تھے سو اگر تقلید کی جائے تو امت میں اتنے اختلافات نہ ابھریں گے کہ پھر ان کو سمیٹا نہ جاسکے گا اور اس پر کئی سابق تجربے گواہ میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے ۱۸۸۸ء کے اشاعۃ السنۃ جلد ۱۱ ص ۴ پر اپنے پچیس برس کے تجربے کا حاصل یہی بتایا ہے کہ مطلق ترک تقلید سے امت میں آوارگی پیدا ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ دین جاتا رہتا ہے۔

ائمہ اربعہؒ سے پہلے تقلید کس طرح جاری تھی؟

حضرت قبیصہ بن جابرؓ کہتے ہیں ہم ایک دفعہ احرام باندھے کہیں جارہے تھے کہ راستے میں سامنے سے ایک ہرن گزرا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اسے ایک پتھر مارا آپ کا ارادہ اسے مارنے کا نہ تھا مگر وہ مرگیا اب یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ احرام کی حالت میں کسی جانور کو مارنا کیسا ہے؟ یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے فرمایا تم نے عمد اور خطاء کو جمع کردیا ہے۔

عمد کی صورت میں کفارہ لازم آتا ہے خطاء کی صورت میں صدقہ لیکن یہ عجیب صورتحال تھی عمد اور خطاء جمع ہو گئے تھے جب کچھ تردد پیدا ہو جائے اس کا فائدہ قصور وار کو پہنچنا چاہیے آپؓ نے انہیں صدقہ کا حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء کو دے دیا جائے۔

یہ حضرات بھی اہل علم تھے وہاں تو نہ بولے لیکن واپس آتے ہوئے آپس میں کہنے لگے حرم میں جانور کا قتل بڑا سنگین معاملہ ہے ہمیں کفارہ دینا چاہیے اور ایک اونٹ ذبح کرنا چاہیے۔ حدیث میں یہ مسئلہ کہیں مذکور نہ تھا کہ یہ حضرات اس کے مطابق فیصلہ کرتے سو اب اجتہاد سے چارہ نہ تھا یہ حضرات اپنا اجتہاد کریں یا حضرت عمرؓ کے اجتہاد پر عمل کریں۔

یہ صرف تقلید اعلم کا مسئلہ نہ تھا حضرت عمرؓ امام فقہ تھے بلا دلیل اگر کسی کا قول قبول کیا جائے تو وہ قول کسی بڑے عالم کا ہونا چاہیے جتنا کسی کا علم اونچا ہوگا اتنا ہی اس پر اعتماد پختہ ہوگا کہ اس کے فیصلے میں کتاب وسنت کی روح کارفرما ہوگی کسی کی بات بلا دلیل ماننی ہے تو پھر وہ کسی بڑے امام کی بات ماننی چاہیے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ہماری بات کی حضرت عمرؓ کو خبر ہوگئی آپ غصہ میں بھرے تشریف لائے اور کوڑے مارنے لگے آپ نے

حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا:۔

قتلت فی الحرم وسفهت الحکم وتغمض الفتیا.

(تفسیر ابن جریر جلد ۷، ص ۳۰)

ترجمہ: تو نے جانور کو حرم میں مارا میرے حکم کو بے وقوفی سمجھا اور اس فقہی فتوے کو نظر انداز کر دیا۔ (یہ کوڑے اس کی سزا ہیں)

معلوم ہوا جس مسئلہ کے بارے میں قرآن وسنت کا منصوص فیصلہ نہ ملے اس میں صحابہؓ بھی فقہ سے کام لیتے تھے امام کے فتویٰ کو معمولی سمجھنا ان کے ہاں ایک قابل تعزیر جرم تھا ایسے مسائل میں صرف اتباع عالم کافی نہیں شیرازہ امت کو بندھا رکھنے کے لیے تقلید اعلم کی ضرورت ہے۔

عہد صحابہؓ میں تقلید کی ایک اور مثال

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص پر ایک معین مدت کا قرض ہے صاحب مال کو ضرورت پڑی وہ مدت ختم ہونے سے پہلے اپنی رقم واپس مانگتا ہے اور اس قبل از مدت لینے کے بدلے اپنا کچھ مال چھوڑتا ہے کیا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے؟

حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں:۔

فکرہ ذلک ونهی عنه

ترجمہ: آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور اسے اس سے روک لیا۔

سائل نے آپ سے اس قول کی دلیل نہیں پوچھی نہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس پر کوئی دلیل بیان کی یہی تقلید ہے کہ مجتہد کے علمی اعتماد پر کوئی مقلد اس کے قول پر عمل کرے۔

سوال: اگر اس دور میں صحابہؓ کی تقلید ہوتی تھی تو آج بھی انہی کی تقلید ہونی چاہیے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کیوں اختیار کی گئی ہے؟

جواب: صحابہ کرامؓ بے شک اونچے درجے کے امام فقہ تھے مگر ان کا مذہب اپنے جملہ اصول وفروع کے ساتھ مدون نہیں ہوا۔ بطور ضابطہ کے تقلید ان ائمہ علم کی ہونی چاہیے جن کا مذہب اصول وفروع میں مدون ہو چکا ہو اور ضرورت کے ہر موقع پر اس کی طرف رجوع کیا جا سکے اس امت میں اس پیرائے میں جو مذاہب مدون ہوئے وہ صرف یہی چار ہیں۔

پھر ان ائمہ علم کے اپنے فیصلوں میں پہلے دور کے ائمہ علم (حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی پیروی موجود ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جو فیصلے ہمیں صحابہؓ سے ملیں ہم انہیں بسروچشم قبول کرتے ہیں سو آپ کی فقہ ازخود صحابہؓ کی فقہ کو شامل ہے۔

غیر مقلد لوگ جب ان دلائل سے تنگ آجاتے ہیں تو بعض اوقات سوال کردیتے ہیں کہ اچھا بتاؤ امام ابوحنیفہؒ خود کن کے مقلد تھے؟ ہم کہتے ہیں وہ مجتہد تھے مقلد نہ تھے لیکن اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ وہ خود بلا طلب دلیل کن کی بات مانتے تھے؟ تو ہم کہیں گے کہ صحابہؓ کی۔ حضرت مولانا معین اجمیریؒ نے بجا لکھا ہے:۔

امام اعظمؒ حضرت فاروق اعظمؓ کے مقلد ہیں۔ (القول الاظہر ص ۶)

آگے یہ اللہ رب العزت کی حضرت امام ابوحنیفہؒ پر عنایت ہے کہ ان کا مذہب اصول وفروع میں اس طرح مدون ہوا ہے کہ اس کی علمی دنیا میں اور کوئی مثال نہیں ملتی ان کے قریب قریب اور کسی امام کے مذہب کی تدوین پہنچتی ہے تو وہ فقہ شافعی ہے سو اس امت میں مسائل غیر منصوصہ میں اگر کوئی مذہب فقہی ضرورتوں کو پورا کرسکتے ہیں تو وہ یہ مذاہب اربعہ ہی ہیں۔ اس لیے اس امت میں ایسے مواقع میں صرف انہی کی پیری جاری ہوئی ہے۔

نواب صدیق حسن خان کی گواہی کہ یہ ایک نوزائیدہ فرقہ ہے

نواب صدیق حسن خاں صاحب غیر مقلد تھے اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے سخت خلاف تھے ان کا حضرت شیخ پر سب سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ آپ مقلد کیوں ہیں بایں ہمہ آپ کو کھلا اعتراف تھا کہ فرقہ غیر مقلدین ایک نیا فرقہ ہے جو ابھی ابھی انگریزی عہد میں اٹھا ہے اور اپنے لیے عمل بالحدیث کا مدعی ہے آپ الحطہ میں لکھتے ہیں:۔

فقد نبتت فی ھذا الزمان فرقة ذات سمعةٍ وریاء تدعی لانفسھم علم الحدیث والقران والعمل بھما مع الغلاة فی کل شان مع انھا لیست فی شئی من اھل العلم والعمل والعرفان ...... فما ھذا دین ان ھذا الافتنة فی الارض وفساد کبیر۔ (الحطہ ص ۱۵۳، ص ۱۵۵)

ترجمہ: اس زمانے میں یہ ریاکار فرقہ ابھی ابھی اگا ہے جو دوسرے
غالیوں کے ساتھ قرآن وحدیث پر عمل کا مدعی ہے اور یہ حقیقت ہے
کہ انہیں علم وعمل اور اس کی معرفت سے کچھ حاصل نہیں یہ مذہب
زمین میں ایک بڑے فتنے اور فساد کبیر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

مشہور اہلحدیث عالم (باصطلاح جدید) مولانا وحید الزمان بھی لکھتے ہیں:

غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلحدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی
آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی پروانہیں کرتے نہ سلف
صالحین اور نہ صحابہ اور تابعین کی۔ قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی
من مانی کر لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں جو تفسیر آ چکی اس کو بھی
نہیں سنتے۔ (لغات الحدیث مادہ شعب)

مشرق وسطی میں ان کا تعارف صرف سلفی نام سے ہے

ہندوستان میں تو ان کی ترک تقلید کی صدا کسی حد تک سن لی گئی لیکن مشرق وسطی میں ان کا اس پہلو سے تعارف بہت مشکل تھا وہ قوم ہی کیا جو اپنے سے پہلوں کی راہ پر نہ ہو عرب دنیا سب مقلدین سے بھری تھی سعودی عرب میں بھی علماء آل شیخ حنبلی تھے ان غیر مقلدین کو وہاں بطور غیر مقلد پاؤں دھرنے کی جگہ نہ مل سکتی تھی سو اب انہوں نے سلفی کا عنوان اختیار کیا۔ سلفی سے مراد سلف کی مطلق تقلید کرنے والے سمجھے گئے سو اب یہ طبقہ بایں طور صرف تقلید معین کا مخالف سمجھا جاتا رہا سو اس عنوان سے یہ لوگ سعودی عرب کے حنبلی علماء کے بہت قریب ہو گئے مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:۔

جو لوگ پاک وہند میں اہل حدیث کہلاتے ہیں انہیں مشرق وسطی میں
سلفی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (دیار عرب میں چند روز)

عرب ممالک میں یہ نام بدلنے کی ضرورت کیوں پیش آئی یہ اس لیے کہ سلف صالحین کی پیروی کے اعلان کے بغیر ان کا پٹرول کی نوازشات سے متمتع ہونا بہت مشکل تھا پٹرول نکلنے سے پہلے انہوں نے کہیں وہاں یہ سلفی نام پایا ہو تاریخ اس کا پتہ نہیں دیتی۔

ہندوستان میں پہلے یہ لوگ لامذہب کہے جاتے تھے مولانا محمد جوناگڑھی نے پھر ان کا تعارف محمدی نام سے کرایا اور اس نام سے کئی رسائل لکھے۔ پھر مولانا محمد حسین بٹالوی

نے انگریز حکومت سے اہلحدیث نام منظور کرایا اس وقت تک یہ لوگ سعودی عرب سے اپنے آپ کو دور رکھے ہوئے تھے مگر جب خدا نے سعودی عرب کو سیال مادہ کی دولت سے نوازا تو یہ اپنے آپ کو حنبلی علما سے قریب کرنے کے لیے سلفی کے نام سے وہاں پہنچے اور ان سے مالی امداد لینے لگے۔

سلفی کی اصطلاح سعودی عرب میں

سعودی عرب کے علماء ومشائخ آیات صفات میں کسی تاویل وتشریح کے حق میں نہیں ہیں اور تاریخ میں ایسے علماء کو بے شک سلفی کہا گیا ہے لیکن غیر مقلدین سلفی کی جس اصطلاح کے ساتھ عرب ممالک میں داخل ہوئے اس نے وہاں کے بعض علماء پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں لفظ سلفی میں گو مطلق تقلید کا انکار نہ تھا لیکن بڑوں کی مخالفت اور ان سے بغاوت ان اہلحدیث (باصطلاح جدید) کی سرشت بن چکی تھی سو اب جہاں جہاں ان غیر مقلدوں کا اختلاط عام ہوا ان سے متاثر ہونے والے خود اپنے اکابر علماء کے خلاف اٹھنے لگے۔ سعودی عرب کے جو طلبہ بھی ان غیر مقلدین کے قریب ہوئے ان میں اطاعت اولی الامر کا وہ احترام باقی نہ رہا جو ہونا چاہیے اور ان کی زبانیں اب اپنے اکابر علماء کے خلاف بھی کھلنے لگیں۔ سعودی عرب میں غیر مقلدین کی پذیرائی کے یہ فطری اثرات تھے اس اعتبار سے سلفی کی اصطلاح ان ممالک میں اب ایک نیا رخ اختیار کر گئی ہے اب سعودی حکومت ان سے بہت پریشان ہے خدا کرے انہیں ان سے جلدی خلاصی ملے۔

سندھ کے سلفیوں کی خانہ کعبہ پر قبضہ کرنے کی مہم

کسے معلوم نہیں کہ سندھ کے غیر مقلد عالم بدیع الدین شاہ آف پیر جھنڈا جب سعودی عرب میں مقیم تھے تو سلفیوں نے خانہ کعبہ پر قبضہ کرنے کے لیے ایک شخص کو وہاں مہدی بنا کر کھڑا کیا تھا بدیع الدین پیر جھنڈا کا داخلہ وہاں کیوں بند ہوا؟ اپنے اولی الامر کے خلاف بغاوت کا یہ انداز خاص اس سلفی ذہنیت کا نتیجہ ہے جو غیر مقلدین کے اس طبقے نے وہاں پیدا کر رکھی ہے پھر ابھی ۱۹۹۴ء میں بریدہ میں کتنے سلفی اٹھے جنہوں نے سرعام اپنے اکابر علماء کے خلاف تقریریں شروع کر دیں ان میں سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز جیسی محترم شخصیت کا بھی لحاظ نہ کیا گیا اور ان سلفیوں نے جو سلف کی اصطلاح کے مطابق سلفی ہرگز

نہیں ان کی سلفیت یہاں ایک نئے روپ میں ابھری وہاں جو صورت اختیار کی گئی ہرگز یہ عمل بالحدیث نہ تھا اگر انہیں حدیث کا علم ہوتا تو یہ اس حدیث کے ہوتے ہوئے کبھی یہ سرکشی نہ کرتے۔

من رای من امیرہ شیئا یکرھه فلیصبر

(صحیح مسلم جلد۲ ص۱۲۸)

برصغیر پاک وہند میں ان لوگوں (اہلحدیث باصطلاح جدید) نے پہلے ائمہ اربعہ کی پیروی سے سرکشی کی پھر صحابہ کرامؓ پر انہوں نے کھلی تنقید کی اب جب یہ سلفی کی اصطلاح کے سایہ میں عرب ممالک میں داخل ہوئے تو انہوں نے وہاں بھی اپنے اسی ذوق کی پرورش کی اور نتیجہ سامنے آ کے رہا یہاں تک کہ حکومت نے پھر ان پر سختی کی اور ان کی تادیب کی اور ہم نہیں سمجھتے کہ جب تک علماء و مشائخ ان غیر مقلدین سے (اہل حدیث باصطلاح جدید سے) اسی طرح احتراز نہیں برتتے جس طرح پاک وہند کے حنفی علماء مشائخ ان سے بچتے ہیں سعودی عرب کا علمی ماحول سلفیوں (باصطلاح جدید) کے ان زہریلے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

سعودی علماء اہل سنت ہیں اہل حدیث (باصطلاح جدید) نہیں ان کے ہاں حدیث تبھی سنت بنتی ہے جب صحابہؓ کا عمل اس کے ساتھ ہو غیر مقلدین کے ہاں عمل صحابہؓ حجت نہیں وہ ان پر کھلی تنقید کرتے ہیں سعودی علماء فقہ کے چار مذاہب کو اسلام کی وسعت عمل سمجھتے ہیں اور غیر مقلدین ان مذاہب کو اپنے لیے ایک مصیبت قرار دیتے ہیں سعودی علماء حنبلی فقہ پر سعودی عرب کا پورا نظام چلا رہے ہیں پاکستان کے غیر مقلد علماء پاکستان میں اسلامی نظام کی ہر پیش رفت کو یہ کہہ کر سبوتاژ کر دیتے ہیں کہ ہمیں یہاں کسی فقہ کی ضرورت نہیں پاکستان کی اکثریت جب بھی فقہ حنفی کے نام سے اٹھتی ہے غیر مقلدین علماء جھٹ اس کے خلاف ہو جاتے ہیں وہاں مختلف فقہوں کے مابین کوئی لڑائی نہیں یہاں غیر مقلدین آئے دن فروعی مسائل پر مقلدین سے مناظرہ کرتے رہتے ہیں۔

پاکستان میں سعودی عرب کے حنبلی علماء کے بارے میں بہت اچھے اثرات پائے جاتے ہیں اور یہاں کے عوام اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ سعودی حکومت وہاں دوسرے مذاہب (حنفیوں مالکیوں اور شافعیوں) کو بھی اپنے تعلیمی اداروں میں برابر کی

حیثیت دیتی ہے اور وہاں ایسے مسائل پر کہیں فرقہ بندی نہیں ہوتی لیکن یہاں اہلحدیث حضرات نے نہ صرف فروعی مسائل میں فرقہ بندی کر رکھی ہے بلکہ ان فروعی امتیازات پر اپنی مسجدیں بھی علیحدہ بنا رکھی ہیں۔

غیر مقلدین کی یہاں پوری کوشش ہوتی ہے کہ سعودی علماء ومشائخ کو اپنا ہم خیال ظاہر کریں اور یہاں اہلسنّت والجماعۃ اپنے عوام کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ سعودی علماء ومشائخ کو ان غیر مقلدین کے آئینہ میں نہ دیکھیں انہیں اہل السنۃ والجماعۃ میں شمار کریں اور حنفی اور حنبلی فقہ کے اس اجتماعی نقطہ پر ہمیشہ نظر رکھیں کہ دونوں کے فقہی اصول میں صحابہؓ کا عمل حجت ہے اور یہ کہ اہلسنّت فقہیات میں صحابہؓ کو نظر انداز کر کے کبھی نہیں چلے۔

اہل السنۃ والجماعۃ صحابہؓ کو نہیں چھوڑ سکتے

سلف میں اہل السنۃ وہی لوگ مانے جاتے تھے جو صحابہ کرامؓ کو اہل حق سمجھتے تھے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ فروع اعمال اور اجتہادی امور میں ایک دوسرے سے مختلف بھی رہے ہیں۔ اب جب بھی کسی کی پیروی کی جائے تو یہ عمل دوسروں کے عمل کے خلاف ہوگا یہ اہل السنۃ والجماعۃ میں رہنے دے گا؟

یہ خلاف ایسا نہیں! اس کا عمل اگر کسی دوسرے صحابی کے خلاف ہے تو وہ اس دوسری صورت عمل کو بھی حق سمجھتا ہے اسے باطل پر نہیں سمجھتا۔ اور صحابہؓ کے اس اختلاف کو وسعت عمل پر محمول کرتا ہے اور ہر راہ عمل کو لائق اجر سمجھتا ہے اس صورت میں وہ صحابہؓ کی راہ چھوڑنے والا شمار نہ ہوگا اسی عقیدہ کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت میں ائمہ اربعہ کے اختلافات کو باقی رکھا ہے تاکہ کسی صحابی کے عمل پر باطل ہونے کا اطلاق نہ کیا جاسکے۔

امتی اگر صحابہؓ کے اختلافات کو یکسر چھوڑ کہ صرف عمل رسالت کی تلاش کرے اور اس پر عمل کرے تو اس صورت میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ شخص ان صحابہؓ کے بارے میں کیا سمجھتا ہے؟ کہ وہ جان بوجھ کر عمل رسالت کے خلاف چلے ہیں؟ سو اس صورت میں وہ شخص صحابہؓ کے بارے میں بدگمان بنے گا اور اہل حق میں سے نہ رہے گا اس ساری الجھن سے نکلنے کی طرف ایک ہی راہ ہے کہ صحابہؓ کے مختلف اعمال میں سے صرف ایک کو حق نہ جانے

صحابہؓ کے اعمال کی سب صورتوں کو حق سمجھے اور خطا کی صورت میں بھی اس عمل کو ایک اجر کا مستوجب جانے اہل السنۃ والجماعۃ جب کہتے ہیں کہ ہم صحابہؓ کو نہیں چھوڑ سکتے تو وہ اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ اپنی جگہ سب صحابہؓ برحق تھے اور ان کی پیروی میں ائمہ اربعہ بھی اپنے سب اختلافات کے باوجود حق پر ہیں انہوں نے اپنے یہ اختلافات اوپر سے ہی لیے ہیں خودنہیں بنائے ہر صحابی اپنے ہر اجتہادی فیصلے پر ماجور ہے اجر ایک ہو یا دو یہ اللہ تعالیٰ کو ہی بہتر معلوم ہے۔

تم الجلد الاول من الکتاب المستطاب المسمّٰی

باٰثار التشریع الاسلامی

ویتلوه الجلد الثانی ان شاء اللّٰه العزیز

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیشکش

آثار التشریع

المسمّٰی بہ

آثار الفقہ الاسلامی

جلد اوّل

ضرورت فقہ	مقام فقہ	الموافقۃ بین الحدیث والفقہ	
حقیقت فقہ	اساس فقہ	درجہ فقہ	دائرہ فقہ
تدوین فقہ	موضوع فقہ	اتباع فقہ	تاریخ اتباع فقہ
حقیقت تلفیق	تاریخ تقلید	تاریخ ترک تقلید	سلفی کی اصطلاح

جیسے اہم عنوانات پر عصر حاضر کا فاضلانہ شاہکار ہے

تالیف

جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب مدظلہم

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور